

توہین رسالت، میلاد النبی ﷺ، ندائے غائبانہ اور سماع کے
موضوعات پر کم و بیش ایک صدی پیشتر کے رسائل کا مجموعہ

حفاظۃ الایمان

مفتی اعظم الشیخ السید احمد الدین گانگوی لکھنؤی

(1843-1968ء)

باجازت

صاحبزادہ میاں نعیم الدین گانگوی

تصحیح/نظر ثانی

یاسر اعجاز شاہ

تحقیق و تدوین

عطاء المصطفیٰ مظہری

کتاب محل

توہین رسالت، میلاد النبی ﷺ، ندائے غائبانہ اور سماع کے موضوعات پر کم و بیش
ایک صدی پیشتر کے رسائل

حفاظت الایمان

الشیخ السید احمد الدین گانگوی الحنفی

(1843-1968ء)

باجازت

صاحبزادہ میاں نعیم الدین گانگوی

تصحیح/نظر ثانی:

یاسر اعجاز شاہ

تحقیق و تدوین:

عطاء المصطفیٰ مظہری

ادارہ کتاب محل

جملہ حقوق بحق محقق محفوظ ہیں

حفاظت الایمان	نام کتاب:
الشیخ السید احمد الدین گانگوی	مصنف:
صاحبزادہ میاں نعیم الدین گانگوی	باجازت:
محمد ریاض بھیروی	تحریر:
عطاء المصطفیٰ مظہری	تحقیق و تدوین:
یاسر اعجاز شاہ	تصحیح و نظر ثانی:
بیر سٹر رضا المصطفیٰ	معاون:
ادارہ کتاب محل	ناشر:

انتساب

معلم عشق رسول ﷺ

استاد محترم

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد سلطان شاہ

(چیمبرمین شعبہ عربی و علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور)

کے نام

فہرستِ مسمولات

- 5 در پہچہ دل سے۔ محمد ریاض بھیروی
- 6 فاضل بقر حضرت علامہ مولانا سید احمد دین گانگوی۔ علامہ عبد حکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ
- تالیفات مولانا احمد الدین گانگوی۔ عطاء المصطفیٰ مظہری
- 15 مکتوبات
- 19 زجر الاشقیاء عن اہانۃ الاصفیاء
- 68 ضیاء شمس الانوار فی تحقیق سماع الابرار والفجار
- 167 رسالہء میلاد
- 183 ندائے غائبانہ

دریچہ دل سے!

محمد ریاض بھیروی

شہر مردم خیز میانوالی کے معروف محلے گانگوی کی ایک گلی جس میں نادر روزگار ہستیوں کا بسیرا رہا، میں واقع جامع مسجد گانگوی میں داخل ہوں تو برکنارِ صحن اک دل آرا و دل کشا مقبرے کے اندر دو قبریں موجود ہیں۔ اندر ہمہ وقت موجود اک سحر انگیز سکوت و سکون انسان کو اپنی گرفت میں لے کر سانس بھی آہستہ کر لینے پر مجبور کر دیتا ہے۔ شاید یہ سپاسِ نیاز کا اک الوہی انتظام ہے! قبروں میں علم و عرفاں کے دو ہمالے محو استراحت ہیں۔ مولانا سید احمد الدین گانگوی اور ان کے فرزند فلک مند مولانا سید فخر الدین گانگوی۔ اول الذکر یکے از فاضلین فرنگی محل ودہلی اور ثانی الذکر مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے شاگرد مجید ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ہر دو حضرات کے لئے کوئی بھی روایتی ذکر آفریں مجلس بصورتِ عرس وغیرہ انعقاد پذیر نہیں ہوتی لیکن میانوالی کے دینی حلقہ جات میں کوئی بھی محفل ان کے ذکر سے خالی نہیں ہوتی۔ علمی پایہ مسلم ہے اور ان کا علمی اثاثہ اس پر شاہدِ عادل ہے۔ معاشرے پر اپنے ہمہ گیر اثرات و گرفت کے حوالے سے آخر الذکر معروف خلائق ہیں۔ بیسویں صدی ہجری میں پوری تبابانی سے چمکنے اور ابھرنے والے آفتاب آج بھی پوری طرح صوفشاں ہیں۔ ان کا نہ ختم ہونے والا اجر انہیں ہر لمحہ نئی زندگی بخشا رہتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے کام اور نام یوں زندہ رہ کر موت کو شرمندہ کرتے رہتے ہیں۔ زیر دست رسائلکے مطالعے سے لطف اندوز ہوں اور مزید انقلاب آفریں کتب کی اشاعت کا انتظار فرمائیں اور دعا گو ہوں ان لوگوں کے لئے جو ان کتب کی اشاعت کا باعث بنے! سید نعیم الدین شاہ گانگوی، علامہ عطاء المصطفیٰ اور ان کی پوری ٹیم کو ہدیہ تبریک پہنچے۔ اللہ کرے ان کی یہ عرق ریزی، امت خیزی کا وسیلہ ثابت ہو، امین! بجاہ سید المرسلین ﷺ

فاضل تبحر حضرت علامہ مولانا سید احمد دین گانگوی قدس سرہ

علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ

فاضل یگانہ حضرت مولانا سید احمد دین گانگوی رحمہ اللہ تعالیٰ ابن مولانا میاں غلام علی رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۸۴۳ء میں موضع گانگی شریف ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب اکتیس واسطوں سے غوث صمدانی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کا خاندان پورے علاقے دینی اور علمی اعتبار سے ہمیشہ ممتاز رہا۔ آپ نے قرآن پاک اپنے والد گرامی سے پڑھا جو اپنے دور کے جید عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے فارسی کی ابتدائی تعلیم قریبی موضع سیوان میں حاصل کی صرف و نحو کی کتابیں ضلع مظفر گڑھ میں مولانا غلام رسول سے پڑھیں پھر ملتان جا کر مولانا عبدالرحمن سے فقہ اور منطق کی تعلیم حاصل کی، بعد ازاں عمرپور ضلع میں حضرت مولانا الہی بخش سے علمی استفادہ کیا اور معقول سے اکتساب فیض کیا اور ۱۸۶۵ء میں دہلی سے سند تکمیل حاصل کی آپ کی آمد سے ایک ہفتہ بعد والد گرامی کا وصال ہو گیا۔

والد ماجد کے وصال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق آپ نے تدریس افتاء اور تبلیغ کا فریضہ انجام دینا شروع کیا اور ۱۹۲۸ء تک پورے تریسٹھ برس اس فریضے کو بحسن خوبی انجام دیتے رہے اس عرصے میں کابل، قندھار اور دیگر دور دراز مقامات کے علماء نے آپ سے استفادہ کیا آپ کے چند شاگردوں کے نام یہ ہیں۔

مولانا محمد اکبر علی (میانوالی)، مولانا نور احمد لائل پوری، مولانا محمد زاہد (دریا خان)، مولانا فقیر محمد کابلی، مولانا دولت خان کابلی، مولانا محمد رمضان وغیرہ ہم۔

آپ حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے لیکن حضرت ثانی خواجہ محمد الدین سیالوی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور بہت جلد صاحب کمال بن گئے، حضرت ثالث خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے فضل کمال

کے پیش نظر آپ کو آستانہ عالیہ سیال شریف کا مفتی اعظم مقرر فرمایا تھا، اس عہدے کے فرائض کو آپ نے بڑی محنت اور قابلیت سے انجام دیا، آپ نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا اور حق تحقیق ادا کیا مثلاً عشر و زکوٰۃ کے موضع پر اسلامی بیت المال اور مسئلہ سماع (قوالی) پر ضیائے شمس الانوار تالیف کی، جو طبع ہو گئی ہیں، ان کے علاوہ مسئلہ علم غیب، حاضر و ناظر، استغاثہ بحضور سید الکونین رحمۃ اللہ علیہ، تین طلاقیں بیک لفظ دینے اور دیگر موضوعات پر آپ کی تصانیف تازہ و زبور طبع سے آراستہ نہ ہو سکیں۔

حضرت مولانا احمد دین رحمۃ اللہ علیہ صحیح معنوں میں علمائے سلف کی یادگار تھے کبھی خوف یا لالچ آپ کو انہماق سے باز نہ رکھ سکا، ایک سو پچیس سال سے زائد عمر ہونے کے باوجود باقاعدگی کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے خود چل کر مسجد تشریف لاتے، عالم جوانی سے آخر عمر تک نماز تہجد، اشراق اور سلسلہ عالیہ چشتیہ کے معمولات اہتمام سے ادا کرتے رہے، آپ فی الواقع صاحب کرامت بزرگ اور علمی اعتبار سے مرجع خلافت تھے۔

چار رجب المرجب ۱۳۸۸ ہجری مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۶۸ء بروز ہفتہ ایک بجے دن ذکر کرتے ہوئے آپ کی روح انور اعلیٰ علیمین کی طرف پرواز کر گئی، آپ کے وصال سے اہلسنت و جماعت ایک فاضل کامل اور صاحب دل ولی اللہ سے بظاہر محروم ہو گئے آپ کے جنازہ میں اطراف و اکناف کے بکثرت مسلمانوں نے شرکت کی، اور باچشم پریم مدرسہ شمس العلوم جامع مسجد گانگوی میانوالی میں آپ کو دفن کیا گیا، یہ امر باعث مسرت ہے کہ آپ کے فرزند ارجمند مولانا سید غلام فخر الدین گانگوی مدظلہ العالی تلمیذ رشید صدر الافاضل مولانا علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے جانشین ہیں، مولائے کریم ان کا سایہ تادیر سلامت رکھے۔ آمین

(تذکرہ اکابر اہل سنت، ص ۴۸-۴۷)

نوٹ: علامہ شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تحریر مولانا غلام فخر الدین گانگوی کی حیات میں لکھی تھی جبکہ مولانا سید غلام فخر الدین گانگوی کا وصال مبارک ۱۹۸۳ء میں ہوا۔

تالیفات شیخ احمد الدین گانگوی

الشیخ السید احمد الدین گانگوی الحنفی الچشتی نہ صرف ایک بالغ نظر فقیہ، محدث اور کلامی تھے بلکہ صاحب حال درویش و صوفی بھی تھے۔ آپ نے ۱۲۶ سال کی طویل عمر درس و تدریس، تحریر و تقریر اور ارشاد و تلقین میں بسر کی۔ آپ نے علوم ظاہری کی تحصیل اپنے زمانے کے اکابر علماء سے کی جب کہ علوم باطنی اور روحانی کی تربیت حضرت ثانی خواجہ محمد دین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ سے پائی۔ اگرچہ آپ حضرت خواجہ شمس العارفین کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے مگر بیعت و اجازت و خلافت حضرت ثانی خواجہ محمد دین سیالوی سے حاصل ہوئی۔ حضرت ثالث ضیاء الملت والدین خواجہ محمد ضاء الدین سیالوی نے آپ کی فقہت کے پیش نظر آپ کو آستانہ عالیہ سیال شریف کا مفتی اعظم مقرر فرمایا۔ آپ کے بعد آپ کے خلیفہ و جانشین حضرت خواجہ غلام فخر الدین گانگوی رحمۃ اللہ علیہ بھی مفتی اعظم کے عہدہ پر فائز رہے۔ خواجہ غلام فخر الدین گانگوی، مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی کے تلمیذ رشید تھے۔

حضرت خواجہ احمد الدین گانگوی نے جامعہ شمس العلوم کے نام سے ایک دینی درس گاہ بھی تعمیر فرمائی جہاں سے ہزاروں کی تعداد میں طالبان علم و معرفت نے حدیث و فقہ اور تفسیر و کلام کا علم حاصل کیا۔ حضرت شیخ کے حالات زندگی کے لئے ایوانیت المہر یہ مؤلفہ غلام محمد چشتی، تذکرہ اکابر اہل سنت مؤلفہ علامہ عبدالحکیم شرف قادری اور تذکرہ اولیاء چشت مؤلفہ سلطان احمد فاروقی وغیرہ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ سر دست ہمارے پیش نظر آپ کی تالیفات کا ایک مختصر سا تعارف ہے۔ دستیاب مؤلفات و قلمی مسودات حسب ذیل ہیں۔

(۱) السیوف العتابیہ علی النوف الوہابیہ:

یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے۔ اس کے دو قلمی نسخے صاحبزادہ میاں نعیم الدین گانگوی کے پاس موجود ہیں۔ اس کے سرورق پر لکھا ہے کہ یہ کتاب صاعقۃ الرحمن علی حزب الشیطان کے رد میں لکھی

گئی ہے۔ صفحات کی تعداد ۳۷۳ ہے۔ اس کتاب میں شیخ حسین علی واں پھروی صاحب بلقہ الحیران کے عقائد و نظریات کا ردِ مبلغ ہے۔ اس کی ابتداء بعد حمد و صلوات کے اس طرح کی ہے۔

اما بعد مسکین احمد الدین ثبت اللہ تعالیٰ فی مقام الصدق والیقین (گاگولی) حنفی چشتی برادران اسلام متبعین مذہب حق اہل سنت والجماعۃ کی خدمت میں عرض پرداز ہے۔۔۔۔۔

اس کتاب کے آخر میں تحریر ہے بہر کیف مولوی حسین علی ان الزمات سے جو بلقہ الحیران کے غلط مضامین سے اس کے ذمے لگ چکے ہیں ایسی ویسی باتوں سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم واحکم بالصواب۔

(۲) لوا مع الضیاء فی علوم سید الانبیاء:

یہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔ اس کا قلمی مسودہ ۲۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسعت علمی کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ اس کی ابتداء اس طرح کی ہے۔

اما بعد مسکین احمد الدین بن الشیخ غلام علی حنفی چشتی عرض پرداز ہے کہ مدت سے مسئلہ علم غیب رسول اللہ ﷺ میں مابین علماء کے اختلاف رہا ہے۔ اہل ظواہر جن کو معرفت الہی میں سے کوئی بہرہ نہیں ہے وہ تو اس کے منع و انکار پر رہے۔ اور اہل باطن جن کو عشق و محبت سرور عالم ﷺ از حد دامن گیر ہے وہ اس کے اثبات و اقرار پر۔۔۔۔۔

(۳) اسلامی بیت المال:

یہ کتاب مطبوعہ ہے۔ ہمدرد پریس کوچہ چیلان دہلی سے کم و بیش ایک صدی بیشتر شائع ہوئی۔ حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر یہ کتاب تالیف فرمائی۔ اس کتاب کو دیکھ کر آپ کے محقق و فقیہ ہونے کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ اس کے کل صفحات ۸۸ ہیں۔

(۴) ضیاء شمس الانوار فی تحقیق سماع الابراہیم والفجار:

یہ کتاب جواز سماع پر تالیف فرمائی۔ حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی کی خواہش پر خیر

النواہی فی حرمتہ الملاہی مؤلفہ مولانا عین القضاۃ حیدر آبادی کے رد میں لکھی۔ حضرت شیخ گانگوی کو حضرت ثالث خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی سے کس قدر بے پناہ عقیدت و محبت تھی اس کا اندازہ وجہ تالیف ذکر کرتے ہوئے ان کلمات سے لگایا جاسکتا ہے۔

اما بعد مسکین احمد الدین ابن الشیخ غلام علی الحنفی الحشتی السیالوی عرض پرداز ہے کہ ان دنوں میں ایک رسالہ موسومہ بہ خیر النواہی فی حرمتہ الملاہی مؤلفہ مولانا، مولوی محمد عین القضاۃ حیدر آبادی بذریعہ بعض احباب بخدمت اقدس سلطان التارکین بُرہان العارفین امام السالکین قدوة الواصلین ورثۃ الانبیاء والمرسلین بطاء الغرباء والمساکین امیر الامراء والسلطین دلیل المتحیرین انیس المصططین غوث زمان قطب العالمین سید العلماء سند الاولیاء اکامیلین زہدۃ المحققین عمدۃ المدققین قبلۃ عالم منظور حق حافظ المملۃ والدین حاجی الحرمین الشریفین سید المجاہدین غازی الاسلام حامی المسلمین سیدنا وسندنا مولانا و مرشدنا حضرت غازی حافظ شیخ الاسلام خواجہ محمد ضیاء الحق والدین ادام اللہ تعالیٰ برکاتہم و فیوضاتہم علینا و علی سائر المسترشدین الی یوم الدین آمین یا رب العالمین مسند آرائے بلدہ طیبہ سیال شریف کے پہنچا۔ حضور ممدوح نے اُس رسالہ کا جواب تو سر دست جناب منشی غلام حیدر صاحب (جو کہ ایک لائق فائق چیدہ برگزیدہ روزگار ہیں۔ اور مدرسہ شریفہ ضیاء شمس الاسلام سیال شریف کا محرر ہونے کے علاوہ تمام کاروبار نوشت و خواند اور لنگر شریف کے املاک کی غور و پرداخت انہیں کے سپرد ہے) کو بلا کر مطابق تحقیق رئیس المحققین فخر المدققین جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے لکھوا کر ارسال فرمادیا۔ خود حضور مدارج النبوت کو مد نظر رکھ کر تقریر فرماتے رہے۔ اور منشی صاحب موصوف تحریر میں لاتے گئے۔ چنانچہ حدیث میں رسالہ تیار ہو گیا۔ جو سراپا احقاق حق و ابطال باطل مجسم تھے۔ اُس کے ہوتے ہوئے سالکین مسالک علیہ و عارجمین معارج رفیعہ کو اپنے معمولات میں رکاوٹ پیدا نہ ہوگی۔ اور نہ ہی مخالفین کو اس کے برخلاف دم مارنے کی طاقت رہے گی۔ حضور قبلہ عالم کا ارادہ مبارک تو اس مسئلہ میں لکھنے کا بہت کچھ تھا۔ الا مشاغل ضروریہ نے اس قدر فرصت دینے سے انکار کیا۔ لہذا اس ناچیز بے

بضاعت کم استطاعت کو رسالہ خیر النواہی مذکورہ کی تردید کا ارشاد فرمایا تاکہ مخالفین گیدڑ کا پروانہ ہاتھ میں لے کر صوفیائے کرام کو ستاتے اور اہل حق کی ایذا رسانی کے گیت نہ گاتے پھریں۔ گو میری حیثیت اور لیاقت تو اتنی نہ تھی کہ ایسے بارگراں کا بوجھ پر سر پر اٹھاؤں۔ جیسا کہ خواجہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

آسماں بار امانت توانست کشید قرعہ فال بنام من دیوانہ زند

(۵) زجر الاشقیاء عن اہانتہ الاصفیاء:

یہ رسالہ مسئلہ توہین رسالت ﷺ اور توہین صحابہ و اہل بیت کے موضوع پر آپ کا تحریر کردہ ایک بہترین رسالہ ہے۔ اس میں آپ نے توہین رسالت کے مسئلہ پر شرعی اور قانونی پہلو کے اعتبار سے سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ اس مسئلہ کے ایک قانونی پہلو پر کلام کرتے ہوئے ایک مقام پر آپ لکھتے ہیں:

لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اقامت حدود و تعزیرات ہر ایک کا کام نہیں ہے بلکہ حاکم وقت یا جو اس کی طرف سے اس کام کے لیے تعینات کیا گیا وہ منجانب حاکم۔ ہاں البتہ اقدام جرم کے وقت اگر کوئی مسلمان اس پر قادر ہو جائے تو تعزیر زدے سکتا ہے اور وہ وقت گزر گیا تو پھر سوائے حاکم سے اقامت تعزیر ناممکن جیسا کہ درالمختار جلد ۳ ص ۱۸۶ میں ہے و یقیمہ کل مسلم حال مباشرة المعصیۃ قنیۃ و فلما بعدہ فلیس ذلک تغیر الحاکم یعنی ہر مسلمان تعزیر کی اقامت کر سکتا ہے بوقت اقدام جرم کے اور اس کے بعد سوائے حاکم کے دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔ اور شامی میں ہے کہ اگر اس نے اس مجرم کو اس وقت تعزیر دی جبکہ وہ اس جرم کے ارتکاب میں مشغول تھا تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ نہی عن المنکر اور نہی عن المنکر کے تمام مسلمانان مامور ہیں۔ اور اگر فراغت کے بعد تعزیر دی تو یہ نہی میں داخل نہیں ہے کیونکہ جو فعل گزر جائے اس سے نہی ناممکن تو یہ سوائے امام کے دیگر کوئی نہیں کر سکتا۔

(۶) ندائے غائبانہ:

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں نداء غائبانہ کے موضوع پر اہل سنت کے عقیدے کو دلائل و براہین سے ثابت کیا گیا اور تمام شبہات کا مدلل انداز میں رد کیا گیا ہے۔

(۷) رسالہ میلاد:

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر ایک مختصر مگر دلائل سے بھرپور تحریر ہے۔

(۸) الحق المبین:

یہ مختصر رسالہ شیخ حسین علی واں ہجروی کے رسالہ اباحت انتفاع مرتہن لمرہون کے رد میں لکھا گیا۔ اس کا قلمی نسخہ موجود ہے

(۹) مقدمۃ الصرف:

یہ کتاب آپ نے علم الصرف کے موضوع پر بزبان پنجابی تحریر فرمائی۔ اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ اس کی ابتداء کچھ یوں ہے:

عرب والی وچ اصطلاح اپنی دی زبرنوں فتح زیرنوں کسرہ پیش نوں ضمہ اکھدی ہین۔ ایہ نام انہدا خاص ہے عام نام انہندا حرکت ہے۔ جس حرف اتے زبر ہوے اس نوں مفتوح، جس حرف اتے کسرہ ہوے اس نوں مکسور، جس حرف اتے ضمہ ہوے اس نوں مضموم آکھدے ہین۔

(۱۰) علم الصرف:

صرف کے موضوع پر آپ کے ہاتھ کا تحریر کردہ ایک رسالہ بزبان فارسی بھی موجود ہے۔ جس کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ہدااں اسعدک اللہ تعالیٰ فی الدارین کہ کلمات لغت عرب برسہ قسم است۔ اسم است، فعل، وحرف است، اسم چوں رجل و فرس و فعل چوں ضرب و حرج و حرف چوں من والی۔۔۔۔۔

(۱۱) نسب نامہ:

یہ ایک مختصر سالہ ہے۔ جس میں حضرت شیخ نے اپنے سلسلہ نسب کا ذکر فرمایا۔ اس کے قلمی نسخے پر تاریخ تحریر جمادی الاول ۱۳۴۰ ہجری مطابق جولائی ۱۹۰۴ء رقم ہے۔ اس کے مطابق آپ کا سلسلہ نسب اکتیس واسطوں سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے پہنچتا ہے۔

(۱۲) رسالہ حکمت:

مختلف بیماریوں کے اسباب اور ان کے علاج کے حوالے سے حکمت کے موضوع پر یہ رسالہ بزبان فارسی موجود ہے۔ ابتدائی صفحات نہ ہونے کی وجہ سے اس کا درست نام معلوم نہ ہو سکا۔ یہ رسالہ کم و بیش ۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۳)

وما ابل به غیر اللہ کی تفسیر و تشریح پر بھی ایک مختصر رسالہ تحریر فرمایا۔ اس کے علاوہ بھی دیگر کئی موضوعات پر چھوٹے بڑے رسائل اور فتاویٰ بھی تحریر فرمائے۔

کلماتِ شکر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من لم يشكر الناس لم يشكر الله

راقم السطور کو حضرت خواجہ احمد الدین گانگوی رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ والدِ گرامی مولانا فیض محمد چشتی کو حضرت کے فرزند اور خلیفہ و جانشین حضرت خواجہ غلام فخر الدین گانگوی سے شرفِ تلمذ رہا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس ادارہ (دارالعلوم جامعہ اکبریہ، میانوالی) سے میں نے مروجہ درسی علوم میں اکتسابِ علم کیا اس کے بانی حضرت خواجہ محمد اکبر علی چشتی میروی قدس سرہ العزیز تھے وہ بھی حضرت خواجہ احمد الدین گانگوی کے شاگرد تھے۔ اور سب سے بڑی وجہ عقیدت یہ ہے کہ حضرت خواجہ گانگوی نے پنجاب میں عقیدہ اہل سنت کے دفاع کے لئے وہی خدمات سرانجام دیں جو ان کے معاصر امام الہند حضرت مولانا امام احمد رضا قادری ماتریدی ہند میں سرانجام دے رہے تھے۔

اللہ رب العزت کا فضل و کرم کہ کم و بیش ایک صدی بعد حضرت خواجہ صاحب کی کتابوں پہ تحقیق کی سعادت میرے حصہ میں آئی۔ بہر حال اس کام کی تحریک میں سب سے زیادہ کردار حضرت صاحبزادہ مولانا میاں نعیم الدین گانگوی اور استاذِ گرامی علامہ محمد ریاض بھیروی کا ہے جو تسلسل کے ساتھ اس کام میں دلچسپی لیتے رہے اور اپنے تعاون اور دعاؤں سے نوازتے رہے۔

اور اس طرح ان تمام احباب کا بھی سپاس گزار ہوں جو اس کام کی جلد از جلد اشاعت کے خواہاں رہے خصوصاً سید یاسر اعجاز شاہ، حافظ محمد سراج الدین، مولانا محمد اسماعیل مظہری، احمد رضا اعوان، اعجاز المصطفیٰ، حافظ ذکا اللہ قریشی اور حافظ غلام فرید جو کسی نہ کسی صورت اس تحقیقی کام میں معاون رہے۔

آخر میں محترم محمد فہد (کتاب محل کے ناظم) کا بھی انتہائی مشکور ہوں جو اس تحقیقی کام کی

اشاعت کا باعث بنے۔

اللہ رب العزت میرے والدین، تمام اساتذہ کرام اور دوست احباب کو قیامت کے دن
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔

عطاء المصطفیٰ مظہری

27-07-2017

0332-7664592

مکتوبات

مکتوب مولانا فضل کریم صاحب بنام مولانا احمد الدین گانگوی

بخدمت جناب مولوی احمد الدین صاحب

احقر فضل کریم بعد اسلام علیکم ورحمۃ اللہ عارض ہے کہ فقیر اور مولوی شمس الدین صاحب یہاں اتفاقاً آج موجود ہو گئے۔ لہذا عرض ہے کہ تقریری مناظرہ کے لئے کل صبح ۹ بجے عید گاہ میں جلسہ منعقد کیا گیا ہے۔ اور شرط مناظرہ یہ ہے کہ فریقین کو بغیر نصوص قرآنیہ کے استدلال مسموع نہ ہوگا۔ آپ صاحبان کو چاہیے کہ وقت موعود پر عید گاہ تشریف لائیں۔ جو فریق حاضر نہ ہوگا جھوٹا تصور ہوگا۔

ذیلہ تشریح شرائط تطویل لا طائل ہے۔

عبدہ فضل کریم

مولانا احمد الدین گانگوی کا جواب

۷۸۷

بخدمت مولوی فضل کریم صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۱۔ کل شام آپ کا قلمی رقعہ پہنچا۔ آپ نصوص قرآنیہ کے علاوہ باقی تین دلائل شرعیہ (یعنی حدیث شریف اجماع امت و قیاس مجتہد) کے مسموع کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ اس تحریر کا جواب خداوند تعالیٰ کی کلام پاک میں موجود ہے۔ اور وہ فیصلہ قطعی ہے۔ قال اللہ تبارک و تعالیٰ

فَلَا وَرَيْكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْ
أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا اَيضًا وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَىٰ زَسَيَّلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرُ

۲۔ مناظرہ کے متعلق میری سابقہ تحریر یہ تھی کہ: مد مقابل مولوی حسین علی صاحب ☆ اپنی دستخطی دعوت نامہ بھیجیں اور شرائط کا تصفیہ قبل از مناظرہ ہو اور انتظام امن عامہ کی ذمہ داری اپنے ذمہ لیں تو ہم ہر وقت لبیک کرنے کو تیار ہیں۔ کیونکہ بانی ءقننہ و فساد وہی واقع ہوئے ہیں۔ مگر وہ گریز کر رہے ہیں۔ آپ کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے میرے شاگرد کافی ہوں گے اس حالت میں جبکہ آپ سچ کے متلاشی ہوتے۔

۳۔ اب بھی اگر آپ اپنے عقیدہ سے تائب ہو کر تمام ادلہ شرعیہ کے قائل ہو جائیں تو آپ کے ساتھ مناظرہ کے لئے میرے شاگردان تیار ہیں۔

4 ستمبر 1930

مسکین احمد الدین بقلم خود

☆ صاحب بلغۃ الخیر ان

عکس مکتوب

ای مانئے نقاش چیں رو صورت یارم بہیں
یا صورتے برکش چنیں یا ترک کن صورت گری

زجر الاشقیاء

عن اهانۃ الاصفیاء

المعروف تصویرِ محبت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله العلی الاعلی والصلوة والسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اما بعد! عاجز ناچیز ہچمدان مسکین احمد الدین سنی خفی چشتی سیالوی کان اللہ اپنے مسلم بھائیوں کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ محاربین اسلام و اعداء دین نے اسلام کو (خاک بدہن ایشان) ملیا میٹ کرنے کے لئے طرح طرح کے حربے استعمال کیے مگر اب کے حربے بہت ہی نرالے اور خطرناک ایجاد ہوئے ہیں بمقتضائے ازماس ت آنچہ برماست۔

ہمیں موثق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ آریوں نے بڑے بڑے معتبر مولویوں کو اپنا وظیفہ خوار بنا کر اسلام اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین و تحقیر شان عالی پر لگا رکھا ہے۔ اس سے دو طرح کی ان کو کامیابی کا توقع (اول) تو اسلام بانی اسلام کی توہین ان کا اصلی مقصود (دوم) مسلمانوں میں تفرقہ و خانہ جنگی کی تخم ریزی جس سے ان کی خاص مطلب براری۔

یہ صرف افواہی خبر نہیں بلکہ اس کے ثبوت میں شہادت عادلہ کے علاوہ قرآن حالیہ و قالیہ بھی موجود۔ امتحاناً کسی شہر میں ایک اسلامی جلسہ جس میں حضور پاک ﷺ کے فضائل و کمالات خداداد کا تذکرہ ہو منعقد کریں پھر دیکھ لیجئے گا کہ اس کے مقابلہ میں اسی شہر کی کسی مسجد میں نہیں بلکہ کسی آریہ یا ہم خیال آریہ کے مکان میں بڑے زور و شور سے انہیں جلسہ ضروری کرنا پڑے گا جس کا موضوع اہانت دربار نبوت و کسر شان عالی ہوگا۔

ایسی صورت کی ایک بڑی پارٹی بن گئی ہے جس کے ممبر عموماً ہر شہر ہر قصبہ میں موجود۔ اب یہ پارٹی شب و روز لگاتار اپنے کام پر مستعد ہے۔ یہاں صرف ایک کارنامہ کا ذکر ضروری ہے۔ وہ واقعہ ڈیرہ اسماعیل کا ہے جہاں کسی مسجد میں کوئی وظیفہ خوار یا وظیفہ خواروں کا پٹھو منبر پر چڑھ کر وعظ کر رہا تھا دوران وعظ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے آڑ میں حضرت حیدر کرار کرم اللہ وجہہ کی توہین کر دی یہ اس کا اپنے مطلب کے میدان میں پہلا قدم تھا۔ جب یہ جم گیا اور

کسی غیرت مند مسلمان نے اس کی خدمت نہ کی تو موقعہ پا کر پھر منبر پر چڑھا اور حضور پاک صاحبِ لولاک باعثِ ایجادِ افلاک ﷺ کو تصویر کا لباس پہنا کر نہایت حیا سوز الفاظ سے آپ ﷺ کی (خاکِ بدہن) توہین کی۔ کسی کمزور اور غیرت مند مسلمان نے ان بکواسوں کو قلمبند کر کے بصورتِ استفتاء علماء کرام کی خدمت میں بھیجا۔ چنانچہ چند کاہیاں علماء ہندوستان کی خدمت میں پہنچیں۔ اور علماء پنجاب کی خدمت میں وہ بے چارہ کا پی ہاتھ میں لے کر خود پہنچا اور زبانی عرض معروض کیا۔ مگر کسی صاحب نے اس غریب کی اشکِ شوقی بھی نہ کی چنانچہ ایک کا پی میرے پاس بھی آئی مگر میں نے اس کے جواب میں لکھنے کو تین ماہ کے لیے دو وجہ سے ملتوی کیا (اول) یہ کہ میں قبل ازیں ایک رسالہ دربارہ حلتِ ذبحِ لاہلِ القبور کے لکھنے میں مصروف تھا وہ بھی کسی دوست کی فرمائش تھی اور نہایت ضروری۔ اسی پارٹی کا دندانِ شکن جواب تھا سو بفضلِہ تعالیٰ مکمل تیار ہرگز نہ اصرحاب ہوا۔ (دوم) یہ کہ مجھے امید تھی کہ فضلاء عصر میں سے کوئی صاحبِ قلم اس میدان میں نکل کر اسلامی شجاعت کی داد دے گا اور مخالفین کی مشینوں کے پرزے اکھیر دے گا۔ مگر ہزار افسوس کہ اس شیرِ پارٹی کے مقابلہ میں کسی شیرِ اسلام نے دم مارنے اور میدان میں نکل کر ان کو لٹکانے کی جرات نہ کی شاید وجہ یہ ہو کہ یہ پارٹی نہایت دہن دریدہ گستاخ و بکواسی ہے۔ جب حضورِ پاک ﷺ کے شانِ عالی میں بے ادبی گستاخی کر گزرتے ہیں دیگر کسی کی کیا پرواہ۔

بالآخر اس میدان میں نکل کر اس پارٹی کو لبیک کہنی پڑی تو اس ناتوان کو

آسمانِ بارِ امانتِ تو انت کشید

قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

ادھر اپنی کم مانگی و بے بضاعتی و عدیمِ الفرستی و کمزوری پر نظر کرتے ہوئے دل میں

خوف پیدا ہوتا ہے کہ یا اللہ مجھ جیسے ناطقت و ناتوان سے ایسی عظیم الشان خدمتِ اسلام،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله والصلوة اهلهما

استفتاء

اما بعد کیا فرماتے ہیں علماء اہل سنت والجماعۃ رحمہم اللہ تعالیٰ ان دو مسائل میں

(۱) زید مجلس وعظ میں دوران تقریر کہتا ہے کہ تصویر کا رکھنا ناجائز ہے۔ تصویر کی پوری توہین کرنی لازم ہے اگرچہ حضور ﷺ کی بھی سامنے آجائے تو اس پر پیشاب یعنی بول کر کے اس کو بھی پاؤں کے تلے روند کر عند الشرع شریف توڑ دینا لازم ہے (نعوذ باللہ)، کیا ایسے الفاظ استعمال کرنے توہین نبی ﷺ میں داخل ہیں یا نہ۔ پھر جب زید کو بعد اختتام وعظ نصیحتہ کہا گیا کہ تم ایسے ناشائستہ الفاظ نہ استعمال کیا کرو تو جواب میں کہتا ہے کہ گو سالہ سامری کو اگر جلا کر کے اس کی راکھ دریا میں ڈالی جاسکتی ہے یعنی جب خدا کا نام جس پر لکھا گیا تھا اس کو جلا دیا گیا تو کسی نبی یا حضور ﷺ کی تصویر پر بول کر کے اس کو پاؤں کے تلے روندنا ضروری ہے نسبت کا کوئی لحاظ نہیں۔

(۲) نیز زید کو کہا گیا کہ تم نے پہلے بھی ایک جگہ امیر المومنین سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں توہین آمیز الفاظ استعمال کہے ہیں تو جواب میں باوازا بلند کہا کہ میں علی کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جوتی کی خاک کے برابر نہیں سمجھتا اور میرا ایمان و اعتقاد ہے کہ اگر تمام انبیاء علیہم السلام بھی علی بن کر آجائیں تو پھر بھی خلیفہ اول کی جوتی کے خاک کے برابر نہیں جانتا۔ کیا کتاب اللہ و احادیث شریفہ و ائمہ مجتہدین کے نزدیک زید کا بیان کردہ اعتقاد درست ہے یا نہ اور اگر نہیں تو زید اور اس کے اعتقاد تصدیق کرنے والے کے و نیز توہین اول کے متعلق اصرار کرنے والے اور زیادہ استخفاف کرنیوالے کے لیے شرعاً کیا حکم عائد ہوتا ہے۔

بینوا تو جروا

الجواب

باسمہ سبحانہ قبل اس کے ان سوالوں کے جوابات تحریر کیے جائیں ایک تمہیدی مضمون جس پر ان کلمات ناشائستہ مندرجہ سوالی کی بنا ہے ذکر کرنا نہایت موزوں اور ضروری ہے۔ جس سے ناظرین کرام خاص و عام اس واعظ اور اس کے ہم خیال پارٹی کے طرزِ عمل سے آگاہ ہو کر ان کے مکائد اور فریبوں سے بچنے کی کوشش میں رہیں۔ اور انصافاً انداز لگائیں کہ یہ لوگ اسلام کے کس قدر بدخواہ ہیں پھر ان کے متعلق جو شرعی حکم ہوگا وہ ناظرین باہمکین کی ضمیر منیر پر چھوڑا جائے گا۔

ہاں البتہ اخیر میں کتب اسلامیہ کے مطابق رائے زنی میرا قرض ہوگا جو انشاء اللہ تعالیٰ بسند شرعی مستند ہو کر ہدیہ اخوان ہوگا۔ والسلام

از خدا خواہیم توفیق ادب

بے ادب محروم مانداز لطف رب

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد

بلکہ آتش در ہمہ افاق زد

اللهم انی الحق حقاً وارزقنی اتباعه وارنی الباطل باطلاً وارزقنی اجتنابه
تمہید:

فدایان اسلام و محبان حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی خدمت بابرکت میں مودبانہ التماس ہے کہ یوں تو مدت سے اعداء اسلام کی طرف سے حضرت اسلام پر گونا گوں ناجائز اور سنگین حملے ہوتے چلے آئے ہیں اور اعداء اسلام نے اسلام کے مٹانے کے لیے ہر ممکن و ناممکن کوشش سے طرح طرح کے حربے استعمال کیے مگر بمقتضائے الحق یعلو ولا یعلیٰ ان کفار نابکار کے تمام منصوبے خاک میں ملتے رہے اور بفضلہ تعالیٰ بغضائے یُریذونَ لَیُطْفِئُوا وَنُورَ اللّٰہِ بِأَفْوَہِہِمُ وَاللّٰہُ مُمْنٌ نُورِہُ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُونَ (سورۃ صف، ۷) مشعل اسلام زیادہ روشنی پکڑتا رہا اور بمضمون ہُوَ الَّذِیْ اَزْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْہُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لَیُظْہِرَہٗ عَلٰی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ

الْمُشْرِكُونَ • (سورۃ الصف، ۸) دین اسلام باقی ادیان باطلہ پر روز افزوں ترقی پا کر اس کا بول بالا اور قول اعلیٰ راجحی کہ چار دانگ عالم پر کسی تشدد و تجبر و بغیر کسی وجاہت دنیوی کے پھیل گیا لا اکر اھ فی الدین چنانچہ دنیا کے گوشے گوشے اور کونے کونے میں مساجد اسلام تعمیر ہو کر اذان کے نعرے بلند ہو رہے ہیں محاربین اسلام کے ناپاک حملوں سے اسلام کی ترقی میں سر مو فرق نہ آیا۔
یہ تو تھے بیرونی حملے اور خارجی حربے مگر اب کے اندرونی حملوں نے قصر اسلام کو ایسا ہلایا کہ خدائی حافظ۔

میری مراد اندرونی محارب سے نیچری یا شیعہ یا معتزلی یا خوارج یا وہابی نہیں کیونکہ گو یہ بھی کلمہ پڑھنے والے اور اسلام کے مدعی ہو کر اسلام کو کمزور و ناتوان کرنے کیلئے کوشاں ہیں۔ مگر چونکہ انکے مذاہب کا اسلام پر کوئی داؤہر گز چل نہیں سکتا اور نہ ہی مسلمان ان کی باتیں سنتے ہیں۔ بلکہ میری مراد اس فرقہ جدیدہ سے ہے جو اپنے آپکو پکا مسلمان متقی پرہیزگار مقلد حنفی اور طریقہ نقشبندیہ عالیہ میں منسلک بلکہ اس پاک طریقہ کا مقتدا و پیشوا کہلانے والے مراقبہ و مکاشفہ کے مدعی حلقہ میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے والے بجز چند اپنے ہم خیالوں کے دیگر تمام مسلمانان عالم کو کافر و مشرک بنائیوالے۔ یہ ہے نہایت خطرناک فرقہ جو کہ قصر اسلام کے اندر رہ کر اسلام کی متاع کو ڈاکہ اور اسلام کے سامان کو آگ لگا رہے ہیں۔ یہ آریوں کے ہم خیال ہیں ان کی مراد براری کے ذرائع ہیں جس بکواس پر آریوں کی جرات نہیں ہو سکتی جو قصر اسلام کے سقف و ستون کو کھائے جا رہی ہے۔

ان کا اصلی مطلب تو (خاک بدین ایشان) اسلام ہے مگر اس مقصد کے پورا کرنے والا واحد ذریعہ یہ قرار دے رکھا ہے کہ جب تک بانی اسلام حضور اکرم ﷺ و ہادیان اسلام حضرات اولیاء کرام و مشائخ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پوری پوری توہین و تحقیر نہ کی جائے تو یہ مقصد پورے ہونے کا نہیں۔ لہذا اس پارٹی کے تمام منبران کیا اعلیٰ کیا ادنیٰ بالاتفاق اس کام کو تقسیم کر کے اپنی اپنی ڈیوٹی پر لگ گئے۔ سب سے پہلے جو بڑا کام تھا وہ حضور ﷺ کے

فضائل و کمالات کا اعلیٰ نمبر یعنی وسعت علمیہ جس کے رو سے آپ کو سید الناس و اشرف المخلوقات کہلانے کا حق حاصل ہے اس کا قلع و قمع کر دینا۔

اس کام پر اس پارٹی کا جو پریزیڈنٹ اور سرکردہ تھا اس کو لگا یا گیا۔ اس بیچارے نے ہر ممکن جیلہ سازی سے اپنی کامیابی کی سر توڑ کوشش کی مگر

چراغی را کہ ایزد بر فرازد و

ہر آنکس دم زندیش سوزد

وہ بے چارہ ویسا ہی ناکام و نامراد رہا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ لکل فرعون موئی ادھر سے علماء اہل سنت نے اسکی بد اعمالی پر اطلاع پا کر اسکا خوب مقابلہ کیا تحریر کا تحریر سے مقابلہ کیا اور تقریر کا تقریر سے اور جلسوں کا جلسوں سے غرض وہ بے چارہ جو طرز اختیار کرتا علماء کرام اسی طرز سے اس کو مسکوت و مبہوت کر کے چھوڑتے جس سے رسوائی و خجالت و ندامت کا بوجھ اٹھا کر شہر بشہر کو چہ بکوچہ بدنام مناظروں میں ہزیمت مقابلوں میں فحشیت مگر پھر بھی اپنی بنائی بات کو نہ چھوڑنا یہ اسی پارٹی کا حصہ ہے۔

علیٰ ہذا القیاس باقی منبروں نے بھی اپنے منصب کے مناسب حضور اکرم ﷺ کے دیگر فضائل و کمالات کے مٹانے (خاک بدہن ایشان) کے کام لیے۔ مثلاً بعض تو آپ کے معراج جسمانی کے انکار میں ایڑی سے چوٹی تک زور لگا رہے ہیں۔ اور بعض حضور کی حیات برزخی کے انکار میں اپنی قبروں کو دوزخ کا گڑھا بنا رہے ہیں اور بعض آپ کی شفاعت عظمیٰ کی نفی کرنے سے اپنی عاقبت تباہ کر رہے ہیں یہ ان کے کارناموں مشتی نمونہ خروار ہے ان کی تفصیلی تشریح کے لیے دفتر طویل درکار ہے مگر یہ یاد رہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ علماء حق نے ان کی چالوں کو خوب تاڑ لیا ہے اور پورا تہیہ کر لیا ہے کہ ان بیابانی شغالوں کو جہاں دیکھیں وہیں ماریں

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش

من انداز قدت رامی شناسم

اب چونکہ ان بے چاروں کو ان مقاصد فاسدہ میں سوائے ناکامی و بے نظمرامی کے ہاتھ خاک آئی تو اب اس توہین و تحقیر کا ایک دوسرا لاطرزا اختیار کیا۔ اور سوچا کہ جو فضائل و کمالات حضور پاک کے کلام الہی اور احادیث رسالت پناہی سے ثابت ہیں ان کے نیست و نابود کرنے کا خیال بھی باطل ہے۔ چلو اس کام کو چھوڑو اب حضور ﷺ کی جسمانی شرافت (خاک بدن ایشان) کو توڑو اس میں بھی البتہ رہی سہی بات بن جائے گی۔ ان میں جو زیادہ چالاک تھے انہوں نے تو صرف بشریت کا سوال پیش کر کے حضور پاک ﷺ کو اپنا مساوی اور برابر قرار دے کر اپنا جی ٹھنڈا کر لیا۔ لیکن جوان میں زیادہ گستاخ اور بے باک تھی انہوں نے اس برابری پر اکتفا نہ کر کے حضور پاک ﷺ کو تصویر کا جامہ پہنا کر آپکے جسد اقدس و اطہر کی توہین و تحقیر (خاک بدن ایشان) و تذلیل کرنے کو اترے۔ چنانچہ زید و اعظ کے منہ سے جو چنگاریاں نکلی ہیں یہ سب اسی آگ کی ہیں

اب اس واعظ کی کلام کی یہ تاویل غلط ہے کہ مد نظر صرف تصویر کی حرمت تھی اور حضور پاک ﷺ کا اسم مبارک بے ساختہ اور بلا ارادہ آگیا ہے نہیں نہیں بلکہ اس کی مد نظر حضور ﷺ کی توہین تھی اور سوچ سمجھ کر بلکہ مشورہ و منصوبہ سے اس نے جو کچھ کہا ہے کہا ہے ویسے تو حضور پاک ﷺ کی نسبت یہ کلمہ برہنہ کہہ دیتا تو مسلمانوں سے ایسی بے غیرتی کب ہو سکتی ہے کہ اس کو برداشت کر جاتے بلکہ وہیں اس کو بوچھاڑ اور جوتوں کی مار پڑ جاتی۔ اس نے چالاک سے اپنے من کی بات بھی کہہ دی اور تصویر کے لباس پہننانے سے مار پیٹ سے بھی بچ گیا۔ یہ ہے ان کی حیلہ ساز جس کی انہیں بڑے میاں نے تعلیم دی ہے۔

اگر حضور ﷺ کا نام بلا ارادہ اس کے منہ سے نکل گیا ہوتا تو بعد میں معذرت کر دیتا کہ مجھ سے غلطی ہوئی میرا مقصد حضور ﷺ کے نام لینے کا نہیں تھا سہواً و بے ساختہ حضور ﷺ کا نام منہ سے نکل گیا اب معافی کا خواستگار ہوں لیکن معذرت میں تو اس نے صاف کہہ دیا کہ گو سالہ سامری کی جب توہین جائز ہے تو حضور ﷺ کی تصویر کی توہین بطریقہ اولیٰ جائز ہے عذر گناہ بدتر

ازگناہ اسی کا نام ہے۔

میرے خیال میں جو اس نے پہلے کسی وعظ میں حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کی توہین کی تھی وہ بھی سوچی سمجھی تھی اس میں اس کے چند مطلب برآمد ہوئے (۱) حضرت علیؑ اکثر سلاسل اولیاء کے پیشوا ہیں ان کی توہین تمام اولیاء اللہ کی توہین (۲) مسلمانوں کو اپنے اکابر کی توہین سننے اور برداشت کرنے کا عادی اور متحمل بنایا (۳) اہل بیت کی توہین رب البیت کی توہین عادی ماننی جاتی ہے اس سے بھی بالواسطہ حضور کی توہین مقصود تھی واللہ اعلم

قارئین: مضمون تو بہت لمبا ہے ختم ہونے کا نہیں مگر خوف ملال اسی تھوڑے پر اکتفا کر کے اصل مدعا کو چھیڑا جاتا ہے۔ لیکن سب سے پہلے مسئلہ تصویر کی تشریح کا حقہ کرنی نہایت ضروری ہے تاکہ ناظرین اصل معاملہ پر واقف ہو کر اس واعظ کے وعظ کی تصدیق یا تکذیب پر قادر ہو جائیں اور اس کی کجروی کا بخوبی اندازہ لگاسکیں۔

جاننا چاہیے کہ تصویر ذی روح کی چار حالتیں ہیں اور ہر ایک حالت کا حکم جدا ہے۔

حالت اولی:

تصاویر کا بنانا خواہ بصورت فوٹو ہو یا قلمی یہ فعل بالکل شرعاً ناجائز اور حرام ہے شرع محمدی میں کسی انسان کو اجازت نہیں کہ یہ فعل کرے خواہ وہ تصویر چھوٹی ہو یا بڑی خواہ بغرض پرستش بنائی جائے یا کسی دیگر غرض کے واسطے لا طلاق النصوص لانہ مضاہاة لخلق اللہ جیسا کہ احادیث صحیحین و غیر ہما میں بلفظ اشد الناس عذاباً یوم القيامة الذین یضاهون بخلق اللہ یا اشد الناس عذاباً عند اللہ المصورون وارد ہیں نیز دیگر اس مضمون کی بہت احادیث کتب احادیث میں موجود ہے

اور علامہ شامی نے شرح در المختار میں کہا ہے وظاہر کلام النووی فی شرح مسلم الا جماع علی تحریم تصویر الحیوان وقال و سواء صنعه لما یمتھن او لغيره فضنعة حرام بکل حال لان فيه مضاهاة لخلق الله تعالى و سواء كان فی ثوب او بساط او درهم

اواناء و حائط او غير هانتى (شرح در المختار جلد اولى كتاب الصلوة، ص ۴۵۴)

حالت ثانیہ:

تصاویر کا پرستش کرنا یہ قطعاً حرام بلکہ کفر و شرک جیسا کہ نصوص قطعیہ اس بارہ میں بکثرت وارد ہیں۔

حالت ثالثہ:

تصاویر کا اپنے پاس یا گھر میں رکھنا۔ اس کی تین صورتیں ہیں ایک صورت ہیں انکار رکھنا حرام اور دوسری صورت میں مکروہ تیسری میں جائز پہلی صورت جبکہ بغرض پرستش رکھی جائیں اس کی حرمت قطعی ہے جیسا کہ حالت ثانیہ میں اس کا ذکر ہوا دوسری صورت مکروہ اور اس کراہت کی علت صرف تعظیم ہے خواہ ارادہ ہو یا صورتاً مثلاً تصویر دار کپڑے کو پہننا جیسا کہ عامہ متون کتب فقہ میں موجود ہے ہدایہ میں ہے ولو لبس ثوباً فیہ تصاویر یکرہ لانہ یشبہ حامل الصنم انتہی اور شامی میں ہے وفى الخلاصة وتکرہ التصاویر علی الثوب صلے فیہ اولاً انتہی (ہدایہ)

یا کسی سامنے کی دیوار یا سقف یا دروازہ کھڑکی پر یا کسی اونچی جگہ پر جہاں اس کی عظمت معلوم ہو تصویر یا منقش ہو یا معلق یہ تمام صورتیں کراہت تحریمی کی ہیں جیسا کہ کتب احادیث وفقہ میں اس کی تصریح موجود ہے اور حدیث عدم دخول ملائکۃ الرحمۃ کا محمل بھی یہی صورت ہے جیسا کہ علامہ الشامی نے کہا ہے کہ و خبر جبرائیل علیہ السلام معلول بالتعظیم بدلیل الحدیث الآخر وغیرہ فعدم دخول الملائکۃ انما هو حیث كانت الصورة معظمة انتہی۔ غرض جس تصویر کے رکھنے میں اس کی تعظیم مقصود ہو یا صورت تعظیم کی ہو تو اس کا رکھنا مکروہ ہے۔ تیسری صورت جبکہ اس تصویر کے رکھنے میں نہ صورت تعظیم کی ہے اور نہ ارادہ اور اس کی چند وجوہ ہیں (۱) کسی بساط یا کچھونے پر تصویر منقش ہو جیسا کہ حضور پاک ﷺ کے فرمان کے مطابق تصویر دار دیوار پوش کے دو ٹکڑے کئے گئے اور ان دونوں کے بچھونے حضور پاک ﷺ

کی نشست گاہ کے لیے بنائے گئے جیسا کہ حدیث صحیحین میں موجود ہے اور نہایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ ایک دن حضرت حسن و عطاء رحمۃ اللہ علیہ کسی گھر میں تشریف لے گئے وہاں تصویر دار کپڑا بچھا ہوا تھا حضرت عطاء تو دیکھ کر ٹھہر گئے لیکن حضرت حسن وہاں جا کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ ان پر نہ بیٹھنا ان کی تعظیم ہے۔ (حواشی ہدایہ)

(۲) سرہانہ یا تکیہ پر اگر تصاویر ہوں تو اس میں بھی کوئی ممانعت نہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ ولو كانت الصورة علی وسادة ملقاة اور علی بساط مفروش لا ینکرہ انتہی (ہدایہ ص ۱۲۲)

اور شامی میں ہے و کذا لو كانت علی بساط یوطئی او مرفقة یتکاء علیہ کما فی البحر انتہی۔

(۳) تصویر اگر غیر مستتب یعنی کھلی نہ ہو اور انگشتی کے نلین پر کندہ ہو تو یہ بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی انگشتی میں دوز بابوں کی تصویر تھی جیسا کہ مولانا جوہوری نے شرح ہدایہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ (۴) تصویر صغیر کا رکھنا بھی شرعاً ممنوع نہیں اب اس صغیر کی تفسیر میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ در المختار میں علامہ حلبی سے اس کی یہ حد بیان کی کہ تصویر کو زمین پر رکھ دیا جائے اور دیکھنے والا کھڑا ہو کر دیکھے اگر اس کے اعضاء کی تفصیل نہ کر سکے تو صغیر ہے اور اگر کر سکے تو کبیر۔ اور شامی نے قہستانی اور کرمانی کا قول یوں نقل کیا ہے کہ بادی النظر سے دیکھنے میں آ جاوے تو صغیر نہیں ورنہ صغیر ہے اور محیط کا قول یوں نقل کیا ہے کہ اگر دور سے نظر آ جائے تو صغیر نہیں ورنہ صغیر ہے۔ (فتح القدیر)

اور خزانة الروایات کا قول یوں بیان کیا ہے کہ اگر بقدر طیر ہو تو مکروہ ہے اور اگر اس سے چھوٹی تو مکروہ نہیں (شامی ص ۴۵۵)

(۵) اگر اس تصویر کا سر کٹا جائے تاہم اس کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بالصراحتہ اور متون فقہ میں بالوضاحتہ موجود ہے۔ (۶) کسی انعام الہی کے تذکرہ اور یاد دہانی کی خاطر تصویر رکھی جائے جیسا کہ حضرت دانیال علیہ السلام کی انگشتی میں شیر زو مادہ

کی تصویر اور ان دونوں کے درمیان ایک بچہ کی تصویر جس کو وہ دونوں چاٹ رہے تھے منتشر تھیں یہ اس واقعہ کی یاد دہانی تھی جو کہ حضرت دانیال علیہ السلام کی بچپن میں دوشیزا اور مادہ نے بحکم حفاظت کی تھی جیسا کہ مولانا جوہنوری نے حاشیہ ہدایہ میں لکھا ہے (۷) غیر ذی روح کی تصویر مطلقاً جائز ہے جیسا کہ حدیث صحیحین میں بروایت ابن عباس وارد ہے فان كنت لا بد فاعلاً فاصنع الشجر وماروح فیدانتھی تصویر کا بنانا اور رکھنا دونوں جائز۔ یہ ہے وہ صورتیں جن کو علماء اہل سنت نے جائز قرار دیا ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص احتیاط اور تنزیہ کرے تو بہت اچھا ہے لیکن فتویٰ جواز پر ہے۔

حالت رابعہ:

تصویر کو اپنے پاس رکھ کر یا تصویر دار مکان میں نماز پڑھنی اس مسئلہ میں بھی بڑی تفصیل ہے بعض صورتوں میں نماز مکروہ اور بعض میں غیر مکروہ اور کراہت کی علت یا تو تعظیم یا مشابہت بعبادۃ جہاں دونوں موجود ہوں تو کراہت اشد ہوگی اور جہاں ایک موجود اور دوسری مفقود تو کراہت اخف اور جہاں دونوں مفقود تو کراہت ندارد۔ کراہت کی صورت ذیلہ ہیں تصویر دار کپڑے کے ساتھ نماز کا پڑھنا، جس مکان میں نماز پڑھ رہا ہے اس کے سقف میں تصویریں ہیں یا اس کے سامنے کی دیوار میں یا نمازی کے آگے یا داہنے طرف یا بائیں طرف یا سجدہ کی جگہ یا پیٹ کی طرف اگر تصویریں ہوں تو نماز مکروہ ہوگی۔ اور اگر نمازی نے پاؤں کے نیچے یا سینے کی جگہ یا ہاتھ میں یا انگشتی کے ٹکین پر غیر متہین نقش ہوں یا جیب میں یا کسی خریطہ میں یا کسی دوسرے کپڑے سے مستور ہوں یا مقطوع الراس یا کسی غیر ذی روح کی ہوں ان تمام صورتوں میں نماز مکروہ نہیں ہوتی۔ (در المختار و شرحہ للشامی، ص ۴۵۵)

یہ مختصر خاکہ تصویر کی حالت کا ہے۔ اگر مفصل حالات دیکھنے ہوں تو کتب احادیث و تفاسیر و فقہ میں دیکھ کر تسلی کر سکتے ہیں۔

اعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

قال الواعظ تصوير رکھنا ناجائز ہے

اقول وباللہ التوفیق اولاً یہ ایک دعویٰ ہے اور دعویٰ کے لیے بینہ اور برہان ضروری لیکن یہاں نام نہارد ثنائاً قضیہ مہملہ ہے اور دعاوی میں مہملات حکم کلیات میں ہوتے ہیں جیسا کہ مقولہ مطردہ ہے مہملات العلوم کلیات تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ تمام تصاویر کا رکھنا ناجائز تو یہ کلیہ غلط جیسا کہ قبل ازیں مذکور ہوا کہ بعض تصاویر کا رکھنا شرعاً جائز ہے ورنہ حضور پاک ﷺ تصویر دار کپڑوں کے وہ سادہ و بساط ہرگز استعمال نہ فرماتے۔ اور اگر ہر مہملہ کو قوۃ جزئیہ میں مانا جائے تو اثبات مرام میں غیر مفید کما ہوا نظر آہر

قال تصویر کی پوری توہین کرنی لازم ہے

اقول اس مہمل کلام پر بھی وہی دو نقض عائد جو پہلے مذکور ہوئے۔ یعنی اگر ہر مہمل کو جزئیہ کے حکم میں مانا جائے تو مسلم لیکن غیر مفید اور اگر کلیہ کے حکم میں مانا جائے جیسا کہ متکلم کی مذاق اور کلام کا سیاق ہے تو غیر مسلم کیونکہ جب جبرائیل علیہ السلام حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صورت ریشم سبز کے پرزہ میں جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے جبرائیل علیہ السلام اپنی ہتھیلی پر منقش کر کے حضور ﷺ کے پیش کی اور کہا کہ ہذہ زوجتک۔

(ترمذی باب مناقب از واج النبی ﷺ صفحہ ۵۷۳)

جیسا کہ تفسیر خازن و مدارک وغیرہ کا سورہ نور میں موجود ہے تو آپ نے اُس تصویر کی توہین نہ فرمائی یا کہ حضرت دانیال علیہ السلام کی انگشتی پر تین تصویریں تھیں حضرت امیر عمر رضی اللہ عنہ کے پیش آئیں تو آپ نے اس کی کوئی توہین نہیں فرمائی بلکہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے حوالے کر دیں اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی انگشتی میں دو تصویریں تھیں کبھی نہ انہوں نے اس کی توہین کی اور نہ ہی کسی دوسرے صحابی نے یہ دونوں روایتیں حاشیہ ہدایہ جلد اول صفحہ ۱۲۲ میں

موجود ہیں (حاشیہ ہدایہ جلد اول صفحہ ۱۲۲)

علیٰ ہذا القیاس ہزار ہا واقعات ہیں جن کے احصاء میں ملال ہے

قال اگرچہ حضور ﷺ کی تصویر بھی سامنے آجائے

اقول کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا • (سورۃ کہف، ۵) اُن

کے اندرونی نارِ حسد کے شرارے اور عداوتِ الرسول کے فوارے جو بے ساختہ اور بے محل خود بخود

ان کے منہ سے نکل رہے ہیں بات تو تھی تصویر کے عدم جواز کی مگر جب توہین کا ذکر کیا گیا تو بے

تحاشا و بے موقعہ حضور پاک ﷺ کا نام مبارک خواہ مخواہ منہ سے نکل آیا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ

ان کے نزدیک جس چیز کی توہین کی جائے تو ضرور ہے کہ (خاک بدہن ایشان) حضور پاک

ﷺ کی توہین (العیاذ باللہ) بھی ساتھ ہو جائے (تفہیم برائیں اعتقاد و حیف بر بانی اس بنیاد)

اگر کسی چیز کے اعزاز و احترام کا ذکر ہوتا تو حضور پاک ﷺ کا اسم مبارک ہرگز نہ لیتے۔ نہیں

نہیں بلکہ اس کے منہ سے جو بکواس نکلے ہیں وہ بے ساختہ و بے محل نہیں بلکہ اسکا اصلی مدعا حضور

پاک ﷺ کی توہین تھی تصویر کا جامہ پہنا کر اپنے مقصد کا اظہار کیا۔ یہ ہیں اُس محبت کے تقاضے

جس کے وہ مدعی ہیں

برعکس نہند نام زنگی کا نور

جانمن محبت اور عداوت گو مبطن امر ہیں لیکن آثارِ علامات سے بخوبی ظاہر ہو سکتے ہیں۔ خواہ

اپنے منہ سے کوئی کسی کی محبت یا عداوت کا مدعی ہو اُس کے صدق و کذب کی پہچان بہت جلد ہو سکتی

ہے۔ مثلاً اُس سے کہا جائے کہ جس کی محبت کے تم دعویٰ کرتے ہو اُس کے اوصاف حمیدہ بیان

کر دو اس کا جواب بالکل صفر اور اگر کہا جائے کہ اُس کے عیوب بیان کرو تو ایک اوپر ہزار لیجئے کیا

اس کو محبت کہا جاسکتا ہے، ہرگز نہیں۔

بزرگتر عداوت بزرگتر عیبی ست

گل است سعدی و در چشم دشمنان خارا ست

اس کو بھی جانے دیجئے اور سنئے محبت اور عداوت بولنے کے بغیر صرف چہرہ سے بھی معلوم ہو سکتی ہے مثلاً اُس کے سامنے اُس شخص کے اوصاف حمیدہ بیان کرے جس سے وہ محبت کا مدعی ہے اور اُس کے چہرہ کی طرف دیکھتا رہے اگر ان اوصاف کو وہ سن کر خوش ہوتا رہا اور اس کا چہرہ بشارت و شفاف ہو گیا تو یقین کریں کہ واقعی اس کی محبت میں صادق ہے اور اگر معاملہ دگرگوں ہو گیا یعنی اُن اوصاف کے سننے سے بد حال اور بدرنگ اور چہرہ سیاہ ہو کر اُس پر چیونٹی چلنے لگ پڑیں تو سمجھیے کہ یہ بے چارہ پکا دشمن ہے۔ یا اُس کے عیوب بیان کرنے میں اگر خوشحال ہوا تو دشمن اور اگر بد مزہ و بے چین ہوا تو سچا محب سمجھا جائے گا۔

یہ ہے معیار محبت و عداوت۔ اب اس معیار پر اس پارٹی کو پرکھیے اور ان سے کوئی آیت قرآنی یا حدیث رسول ربانی جو حضور ﷺ کی جاہ و جلال پر دلالت کرتی ہو طلب کیجئے تو یکدہ انداز اور اگر آپ کے عیوب کے پوچھیے تو تین سو آیت اور پانچ سو حدیث لو۔ مطلب تمام قرآن شریف اور احادیث ان کے زعم میں آپ کے کسرِ شان (خاک بدین ایشان) میں وارد ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ان کے سامنے آپ کے فضائل و کمالات خدا داد کا تذکرہ کیجئے پھر ان کے منہ کو دیکھیے گا کہ کس طرح سیاہ اور بد فام ہو جاتے ہیں اور بے تحاشا بول اُٹھیں گے جھوٹ، افتراء اگرچہ وہ فضائل و کمالات کلام الہی یا احادیث رسالت پناہی ﷺ سے ثابت کیوں نہ ہوں خدا تعالیٰ ان کو ہدایت کرے

اس ناپاک اور بے ادب گستاخ پارٹی کی بد لگامی کا کہاں تک تذکرہ کیا جائے مضمون بڑھتا جا رہا ہے اور رسالہ کا حجم زیادہ ہو رہا ہے جس سے ناظرین کی نزاکت طبعی کے ملال کا سخت اندیشہ ہے لہذا اس پر بحث کو اگرچہ بہت ضروری و لازم التذکرہ ہے فی الحال ملتوی کیا جاتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ کسی دوسرے موقعہ پر ان کے تمام مکائد و بدترین عقائد کو بالتفصیل ہدیہ مسلمانان عالم کیا جائے گا۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ کیا حضور پاک ﷺ کی تصویر کبھی کہیں کسی نے دیکھی یا سنی بھی ہے

۔ جسکی نسبت بالخصوص بے ادبی گستاخی کا آرڈر دے دیا۔ بلکہ میں تو یہی کہوں گا کہ حضور پاک ﷺ کی تصویر کشی دائرہ امکان بشری سے بھی باہر ہے (۱) جبکہ حضور پاک ﷺ حسب ارشاد رب العباد جل وعلا شانہ فرمان سید الانس والجان و اقوال اصحاب کمال مجسم نور ہیں تو نور کی تصویر کشی سے طاقت بشری قاصر کسی نے کیا خوب کہا ہے

نور کی صورت کسی نقاش نے پائی نہیں

اس لیے تصویر جاناں ہم نے کھنچوائی نہیں

آپ کے مجسم نور ہونے کی شہادت کلام الہی سے یہ ہے (۱) قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین۔ ترجمہ: یعنی آئے ہیں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور کتاب روشن۔ اس نور سے مراد بعض مفسرین نے قرآن شریف لیا ہے مگر اکثرین نے اس سے مراد حضور پاک ﷺ لیے ہیں و هو الاظهر لان العطف يقتضى المغایرة و ایضاً التاسیس اولیٰ من التاکید (۲) مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ • (سورة النور، ۳۵) یعنی اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال ایک آلے کی ہے اور اس میں چراغ ہے اس نور سے مراد بھی حضور پاک ﷺ ہیں جیسا کہ تفسیر خازن و کبیر وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے (۳) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا • وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا • (سورة الاحزاب، ۳۶-۳۵) یعنی اے نبی ہم نے آپ کو (تمام امتوں پر) گواہ بنا کر اور (مومنوں کو) خوشخبری دینے والا اور (کافروں کو) ڈرانے والا اور (تمام مخلوقات کو) اللہ کی طرف بلانے والا ساتھ حکم اللہ تعالیٰ کے اور چراغ روشن کرنے والا بھیجا سراجاً سے مراد آفتاب ہے اور قرآنی محاورہ میں سراج بمعنی آفتاب مطرد ہے اور آپ کو آفتاب اس لیے کہا کہ جیسا کہ آفتاب تمام عالم کو روشنی دیتا ہے اور کسی غیر اللہ سے روشنی لیتا نہیں حضور پاک بھی اسی طرح تمام جہاں کو روشنی دے رہے ہیں اور دیگر کسی سے لینے کی ضرورت نہیں۔ اور سراج اس لیے فرمایا کہ ایک چراغ سے ہزاروں بلکہ لاکھوں چراغ روشن ہو سکتے ہیں یہ کام آفتاب میں نہیں اور اس لیے فرمایا کہ آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور چراغ

بجھ جاتے ہیں مگر حضور پاک ﷺ کا نور دائم قائم کبھی نہ بجھے گا حضرت محبوب سبحانی غوث صمدانی قطب ربانی حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے آپ کی مدح میں کیا خوب کہا ہے

افلت شمس الاولین و شمسنا

ابداً علی افق العلی لا تغرب

اب احادیث صحیحہ سے آپ کے مجسم نور ہونے کا ثبوت لیجئے۔

(۱) انا من نور اللہ و المومنون من نوری اس حدیث کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے

مدارج النبوت میں ذکر کیا ہے۔ (مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۶۱۰)

(۲) اول ما خلق اللہ نوری اس حدیث کو جماعت محدثین نے ذکر کیا ہے

(۳) ان اللہ خلق قبل الاشیاء نور نبیک ومن نورہ الحدیث اس حدیث کو عبد الرزاق

نے اپنی مصنف میں اور قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اور علامہ سیوطی نے زمہۃ المجالس میں اور ابن حجر مکی نے شرح ہمزہ میں اور شیخ احمد مکی مصری نے مولد شریف میں اور علامہ جہانی نے بحار الانوار میں اور مولانا عبدالحی نے آثار مرفوعہ میں ذکر کیا ہے (مصنف عبد الرزاق)

(۴) انا من نور اللہ و الخلق من نور اس حدیث کی حضرت شاہ ولی اللہ نے فیوض الحرمین

میں تصحیح کی ہے۔

اب علماء کرام و فضلاء عظام کی تصریحات کا کرشمہ بھی ذکر کیا جاتا ہے (۱) حضرت شیخ

عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی تصنیفات میں عموماً اور مدارج النبوت میں خصوصاً اس مسئلہ کی مواضع متفرقہ میں تشریح کی چنانچہ ایک جگہ کہتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تمام مخلوقات سے پہلے اور مخلوقات کے پیدا کرنے کا واسطہ اور حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے کا واسطہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نور ہے جیسا کہ صحیح حدیث اول ما خلق اللہ نوری میں وارد ہے دوسری جگہ کہتے ہیں تمام مکتوبات راز نور وے ﷺ پیدا کردہ انداس طرح علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اور ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں اور اس طرح بہت سے علماء امت محمدیہ نے اس مسئلہ

کی خوب تحقیق کی ہے لیکن یہاں ان کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے اس قدر پر اکتفا ہوا
(۲) جس ذات پاک کو خلاق عالم نے اپنی تمام مخلوقات میں سے لاثانی و بے مثل پیدا کیا
ہے اُس کی تصویر کشی اُس کی بے مثلیت کے منافی ہے جیسا کہ کسی نے کیا خوب کہا ہے

ایک سے جب دو ہوئے وہ لطف یکتائی نہیں

اس لیے تصویرِ جاناں ہم نے کھنچوائی نہیں

اس وجہ سے حضور پاک کا سایہ بھی نہیں تھا کیونکہ اس میں بھی ایک مثلیت کا شائبہ ہے تو گویا
حق جل و علا کو آپ کی نظیر و مثلیت منظور ہی نہیں اب تصویر کشی کی کس کی کیا طاقت۔

(۳) حضور پاک ﷺ کی نرالی صورت اور غایت درجہ کی موزوں شباهت اور آپ کے
چہرہ کی بشارت و ملاححت کی نقل اتارنی کس کے امکان میں ہے یہاں طوطی ہندامیر خسردہلوی نے
کیا خوب کہا ہے

ای چہرہ زیبائے تو اشک بتان اذای بنائی

ز نقش صورت شرمندہ از صورت گری

دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے آپ کی صورت مقدسہ کو نسبت یا تشبیہ دی جائے یہاں
لسان الغیب حضرت حافظ شیرازی کیا کہا ہے

نسبت رویت بتابا ماہ و پرویں کردہ اند

صورت نادیدہ الحاقی تخمیں کردہ اند

اب میرے اس تمام بیان کی تصدیق کے لیے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سیدنا
حضرت شیخ احمد سرہندی قدسنا اللہ تعالیٰ باسراہ الاقدس کا ارشاد مندرجہ مکتوبات شریفہ کافی وافی ہے
جس کا ترجمہ اردو حسب ذیل ہے جاننا چاہیے کہ حضرت محمد ﷺ کی خلقت باقی افراد انسانی کی
خلقت کے رنگ میں نہیں بلکہ جہاں کے تمام افرادوں میں سے کوئی فرد اس کے ساتھ مناسبت نہیں
رکھتا کیونکہ آنحضرت ﷺ باوجود عسری نشاء کے حق جل و علا کے نور سے مخلوق ہوئے جیسے

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے خلقت من نور اللہ یعنی میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں اور دوسروں کو یہ دولت نصیب نہیں ہوئی۔ (مکتوبات شریفہ جلد ۳، مکتوب ۱۰۰)

بیان اس دقیقہ کا یہ ہے کہ پہلے گزر چکا کہ حضرت واجب الوجود جل سلطانہ کی حقیقی صفتیں ہر چند کہ وجوب کے دائرہ میں داخل ہیں لیکن بواسطہ احتیاج کے ان صفات کو ذات کی طرف ہے رائجہ امکان کا بھی ہے اور جب حقیقتہً قدیمہ صفات میں امکان کی رائجہ کو گنجائش ہوگئی تو حضرت واجب الوجہ کی اضافیہ صفات میں امکان کا ثبوت بطریق اولیٰ ہوگا اور ان کا عدم قدم بھی ان کے امکان پر کافی دلیل ہے اور صریح کشف کے ساتھ معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خلقت اسی امکان سے ہے جو اضافیہ صفات سے تعلق رکھتا ہے نہ وہ امکان جو عالم کے باقی ممکنات میں ہے اور ہر چند کہ عالم کے ممکنات کے صحیفہ کو بار یک نظر کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود مسعود اس جگہ مشہود نہیں ہوتا۔ اور حضور کا امکان اضافیہ صفات کا امکان محسوس ہوتا ہے اور جب آنحضرت ﷺ کا وجود مسعود عالم کے ممکنات میں نہیں بلکہ ہر عالم سے بالا و فوق ہے تو ضرور اس کا سایہ نہ ہوگا۔ اور نیز شہادت کے عالم میں شخص کا سایہ شخص سے زیادہ لطیف ہوتا ہے اور جب اس پاک ذات سے کوئی زیادہ لطیف جہاں میں نہیں تو اس کا سایہ کس طرح۔ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات اتمی۔

وجوہات مذکورہ بالا سے صاف ثابت ہے کہ حضور پاک ﷺ کی تصویر ناممکن چیز کو فرضی وقوع میں لا کر اُس کی توہین اور تحقیر کرنی کیسی حیا سوز گستاخی و شوخ چٹخی ہے۔

قال تو اس پر پیشاب یعنی بول کر کے اس کو بھی پاؤں کے تلے روند کر عند الشرع شریف توڑ دینا لازم ہے۔

اقول ناظرین یہ الفاظ حضور پاک کی تصویر کے لیے تجویز کیے گئے ہیں۔

کیا اب بھی آپ کو اس ناپاک پارٹی کی عداوت الرسول میں کوئی شک ہے کیا اب بھی ان کے دجالی فرقہ ہونے میں کوئی تامل ہے کیا اب بھی ان کے راجپالی ٹولہ ہونے میں کوئی شبہ ہے کیا

اب بھی ان کے بدتر از ابلیس ہونے میں کوئی سوچ باقی ہے۔ ابلیس نے تو صرف انا خیر منہ کہہ کر ایک خدا کے پیارے بندے کے اس سجدے سے انکار کیا کوئی کلمہ تحقیر و تذلیل اُس کے منہ سے نہیں نکلا لیکن اس حزب الشیطان کے منہ سے وہ کلمہ نکل رہا ہے جس سے زمین و آسمان پھٹ جائیں تو بجا ہے اور کس کے حق میں حضور سید الاولین و الآخرین محبوب العالمین اشرف الانبیاء والمرسلین کے حق میں جس ذات بابرکات کا خود رب العزت اکرام و احترام کرے حتیٰ کہ محمد کے نام سے بھی نہ خود ندا کرے اور نہ ہی ایسے ندا کی اجازت دے بلکہ منع فرما دے اور جس کے سامنے آواز کا بلند کرنا بھی بحکم قرآنی منع ہو اور جس ہستی کے حق میں کوئی ایسا لفظ جو موہم توہین ہو مثلاً راعنا استعمال کرنے سے صریح نہی وارد ہو اب ایسے معزز محترم محبوب الہی کے شان اعلیٰ میں ایسی حیا سو گستاخی اور بے ادبی کر کے باوجود کسی غیرت مند مسلمان کو ان کی ملعونیت میں اشتباہ ہو سکتا ہے کلا دحاشا ادھر ابلیس تو آدم علیہ السلام کے حق میں انا خیر منہ کہنے سے ملعون ابدی ہو جائے لیکن ادھر سید الانبیاء کے بارہ میں ایسے گندے الفاظ بکنے سے بھی کوئی مواخذہ نہ ہو۔۔۔ نہایت تعجب ہے۔ راجپال کے رنگیلے رسول میں بھی ایسے فحش آمیز الفاظ استعمال نہیں ہوئے مگر پھر بھی وہ رسید جہنم کرایا گیا۔ لیکن اب ان بکواسوں میں بھی ابھی تک اہل اسلام تامل میں ہیں یہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب وہ کس تامل میں ہیں اور کس دقیقہ کی فروگزاری کے انتظار میں ہیں۔

چونکہ شرع شریف کے دلائل چار ہیں۔ قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع امت، قیاس مجتہد اولاً سوال یہ ہے کہ اس اپنے دعویٰ پر ان ادلہ اربعہ میں سے کوئی ایک دلیل بھی پیش کر سکتے ہیں جس سے انکی صداقت کا ثبوت ہو سکے ہم ان کو پھر بھی ارخاء عنان دیتے ہیں حضور پاک علیہ الصلوٰات والسلام کی تصویر سے قطع نظر کر کے مطلق تصاویر کا مسئلہ پیش کرتے ہوئے اعلان کرتے ہیں کہ کیا قرآن کریم میں کوئی اس مضمون کی آیت صریحہ الدلالة یا کتب حدیث میں کوئی صحیح حدیث یا اجماع امت ہو یا ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کا قول یا مشائخ کرام میں سے کسی ولی اللہ کی تصریح ہے۔ جس سے اس دعویٰ کی صداقت ثابت ہو سکے تو پیش کریں فی آیت، اور فی حدیث

صحیح، اور فی القول متفق علیہ ہے فی قول مجتہد بنا کر انعام حاصل کریں۔ حضور پاک ﷺ کے عہد اقدس میں بھی تصاویر کا وجود تو تھا اور عموماً ان کے رکھنے والے ان کے پجاری تھے کیا کسی صحیح نقل سے ثابت کر سکتے ہیں کہ آپ نے کسی تصویر کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہو یا ایسا معاملہ کرنے کا حکم صادر فرمایا ہو۔

اچھا تصاویر کا تذکرہ بھی جانے دیجئے ہم بتوں کا سوال پیش کرتے ہیں جو کہ با نسبت تصاویر کے نہایت بدترین ہیں کیونکہ اولاً بتوں سے سوائے پرستش کے دیگر کوئی غرض ملحوظ نہیں ہوتی۔ اور تصاویر میں دیگر اغراض موجود تھے۔ ثانیاً بتوں کی حرمت قطعی نص قرآنی سے ثابت اور تصاویر کی حرمت ظنی حدیث شریف یعنی خبر احاد سے ثابت ہے اور آیت مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي اَنْشَأْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ • (سورۃ انبیاء، ۵۲) سے تصاویر مرد نہیں کیونکہ مرد و مردود کی قوم بت پرست تھی نہ تصویر پرست جیسا کہ اسی آیت کے بعد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول وارد ہے وَتَاللّٰهِ لَا كَيْدَنَ اَصْنَامُكُمْ بَعْدَ اَنْ تَوَلَّوْا مُدْبِرِينَ • (سورۃ الانبیاء، ۵۷)، بلکہ ان تماثل سے مراد اصنام مصورہ بصورت سباع و طیور و انسان جیسا کہ تفسیر مدارک میں ہے ثالثاً بتوں کا رکھنا کسی طرح جائز نہیں بخلاف تصاویر کے بعض صور میں ان کے رکھنے کی اباحت ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا ہے (رابعاً) تصاویر کی حرمت صرف ہماری شریعت میں ہو۔ بخلاف بتوں کے ان کی حرمت متوارث ہے۔

اب ان بتوں کی نسبت جنکی قباحت نص قطعی سے ثابت ہے کوئی ایسا واقعہ پیش کر سکتے ہیں کہ خود حضور پاک ﷺ یا صحابہ کبار یا تابعین مجاہدین اسلام نے ان پر پیشاب کیا یا کرنے کا حکم دیا ہو۔ اس کا جواب اگر اثبات میں ہے تو پیش کریں اور اگر نفی میں اور ضرور نفی ہی ہوگا تو تصاویر جو ان سے نسبتاً خفیف ہیں ان پر پیشاب کرنے کا حکم کس قاعدہ شرعیہ سے دیا جاتا ہے۔

خانہ کعبہ کے گرد جو ۶۰۳ بت معبود منصوب تھے ان کی نسبت احادیث صحیحہ میں اس قدر ذکر ہے کہ ایک لکڑی سے جو حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ مبارک میں تھی ان کی طرف اشارہ فرماتے

اور آیت شریفہ **قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا** (سورۃ بنی اسرائیل، ۸۱) پڑھتی گئے اور وہ بت گرتے گئے۔

اور تصاویر و طرح کی آپ کے پیش ہوئیں ایک مطلق من غیر تنقید اضافت و نسبت دوسری مخصوص تصاویر انبیاء علیہم السلام مطلق کی تو تعظیمی حالت بدل دی گئی اور اپنی مسند مقدس کے لیے مخصوص کی گئیں۔ اور انبیاء کی تصاویر کو آپ زم زم سے دھو ڈالا۔

اب قارئین کرام کو خوب اندازہ ہو گیا ہوگا کہ جس امر کا ثبوت نہ قرآن شریف میں ہے اور نہ ہی احادیث صحیحہ میں اور نہ اجماع امت اور نہ قیاس مجتہدین میں اس کا ذکر ہے اور نہ مشائخ عظام کا فرمان ہے کہ پھر اس کو لازم قرار دینا اور عند شرع شریف کا حکم بھی ساتھ لگا دینا کیسی گستاخی اور افتراء علی اللہ ہے سچ ہے اذالم تستحی فاصنع ما شئت

بے حیاء باش و ہرچہ خواہی کن

ثانیاً محدثین اور فقہاء کے کلام میں جہاں تصویر کی توہین کا ذکر ہے وہاں پرتوہین سے مراد پیشاب وغیرہ کرنا نہیں جیسا کہ اس خطبی نے سمجھا بلکہ اس سے مراد عدم تعظیم ہے یعنی تصویر کی تعظیم نہ کرنا ضروری ہے تاکہ بت پرستی سے مشابہت نہ ہو جائے جیسا کہ درالمختار میں ہے و خبر جبرئیل مخصوص بغیر المہانتہ انتہی۔ ورنہ حضور اکرم ﷺ بذات خود کیوں اس لازم عند الشرع کے ترک فرمایا صحابہ کرام نے کیوں اس لزوم پر عمل نہ فرمایا انبیاء سابقین میں سے کسی نے اس اقدام پر عمل کیا۔ حالانکہ تابوت سکینہ میں حسب تصریح جمہور مفسرین تصاویر انبیاء تھیں جو ان کو بڑے احترام و اکرام سے رکھتے تھے۔ یا کہ دانیال علیہ السلام کی انگشتی پر جو تین تصاویر تھیں اور امیر عمر صاحب رضی اللہ عنہ کے پیش ہوئیں انہوں نے اس لزوم پر عمل نہ فرمایا۔ بلکہ حضور پاک ﷺ کے پیش حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تصویر ہوئی مگر آپ نے بھی اس لزوم کی عملدرآمد نہ فرمائی اب میں کہتا ہوں کہ جب بانی اسلام صاحب شرع شریف نے یہ معاملہ نہیں کیا تو عند الشرع شریف کا دعویٰ بدیہہ البطلان اور واجب الخذلان ہے۔

اب اس مردود کے وہ الفاظ بھی سننے کے قابل ہیں جن کو اس نے ان کو اس ناشائستہ کی معذرت میں استعمال کیا ہے وہ یہ ہیں:

قال گوسالہ سامری کو اگر جلا کر کے اس کی راہ دریا میں ڈالی جاسکتی ہے یعنی جب خدا کا نام جس پر رکھا گیا تھا اس کو جلا دیا گیا تو کسی نبی یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر پر بول کر کے اس کو پاؤں کے تلے روندنا بالاولی جائز و ضروری ہے نسبت کا کوئی لحاظ نہیں۔

اقول اولاً گوسالہ سامری نہ اس واحد حقیقی جل جلالہ کی تصویر تھی اور نہ ہی اس کا مجسمہ بلکہ گوسالہ کے رنگ میں ایک نیا خدا مستقل خود ساختہ تیار کر کے اس کی عبادت میں بنی اسرائیل کو مصروف کر لیا تھا اور اس واحد حقیقی کی نفی کر دی تھی جیسا کہ آیت فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَى فَقَسَى • (سورۃ طہ، ۸۸) اس پر شاہد ہے کہ اب اس پر تصویر کو قیاس کرنا کیسی حماقت ہے تصویر ایک قسم کی نقل اتار دی جاتی ہے جو کہ منقول عنہ کے شبیہ میں ہوتی ہے اور یہاں تو حقیقی پروردگار کی نفی اور مصنوعی و جعلی خدا کا ثبوت۔

ثانیاً۔۔۔ اس گوسالہ کی بناوٹ صرف عبادت کے لیے تھی جو کہ معبود باطل ہو کر غضب الہی میں آ گیا جس سے ہر دو جہان کے عذاب کا مستحق قرار دیا گیا۔ دنیا کا عذاب اس کے لیے تجویز ہوا انظرْ إِلَى إِلَهِكِ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا • (سورۃ طہ، ۹۷) اور آخری عذاب إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ • (سورۃ انبیاء، ۹۸) بخلاف تصاویر کے کہ ان کے بنانے کے علت غائی عموماً پرستش اور عبادت نہیں ہوتی صرف ان کی تعظیم اور احترام کرنا مشابہت پرستی کے ہو جاتا ہے جس وجہ سے ممنوع قرار ہوئیں۔ اب اس قدر انکے مابین تباہی اور تخالف ہوتے ہوئے ان کو اس پر قیاس کرنا فضول ہے ثالثاً اس گوسالہ کو آگ میں جلا کر دریا میں ڈال دینے سے اس کی توہین مقصود نہیں تھی بلکہ اس باطل معبود کو نابود کرنا مقصود تھا جیسا کہ تما معبودان باطلہ کا یہی حکم شرعی ہے۔ خواہ اس میں ضمناً انکی توہین کیوں نہ ہو جائے۔

رابعاً۔ بالفرض والتقدير مان بھی لیا جائے کہ کسی نبی یا حضور اکرم ﷺ کی تصویر بت ہے اور گئو سالہ سامری کے برابر ہے جو کاروائی اس گئو سالہ کے ساتھ کی گئی تھی اور اس پر اکتفاء کیوں نہیں کیا گیا سمجھ میں نہیں آتا کہ گئو سالہ کو جلا کر پانی میں ڈالنے اور حضور پاک ﷺ کی تصویر کے ساتھ یہ بے حیائی کرنے میں کونسا التزام ہے۔

خامساً تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ کسی مقتدر اور مستقل بادشاہ کے علاقہ میں اگر کوئی دوسرا شخص بادشاہت کا دعویٰ کر کے اس کی رعیت کو اپنا مسخر کرنا چاہے تو بادشاہ کو فطرۃً و عادیۃً اس کے برخلاف اپنی تمام طاقت صرف کرنا اور پھر اس کو گرفتار کر کے طرح طرح کے عذاب سے مارنا اور پھر اس کی لاش سولی پر لٹکا کر تمام جہان کا عبرت گاہ بنانا عام معمول ہے لیکن اگر اس بادشاہ کا کوئی شخص فوٹو ایک نہیں بلکہ ہزار بھی لے لے تو اس کو اس میں نہ کوئی رنج ہوگا نہ غصہ اس طرح جب اس گئو سالہ نے خداوندِ عالم کے ملک میں اس کے مقابلہ میں خدائی کا دعویٰ کر دیا تو خداوندِ عالم کو اس کے سزا دینے اور تباہ کرنے کا خاص حق ہے اب اس پر تصویر انبیاء کو قیاس کرنا کیسی جہالت ہے۔

قولہ نسبت کا کوئی لحاظ نہیں۔ یہ دعویٰ بدیہہ البطلان ہونے کے علاوہ مضحک الاطفال بھی ہے۔ جس امر کو ہر مذہب و ملت کے لوگ جانتے مانتے ہوں اور جس چیز کی فطرت انسانی شاہد ہو اس کا انکار کرنا اپنی سفاہت و رذالت کے ثبوت دینے کے مترادف ہے۔ انسان تو اعلیٰ ہستی ہے لیکن حیوانات سے پوچھیے تو یہی کہیں گے کہ نسبت اور اضافت ہر وقت اور ہر کام میں ملحوظ ہے۔ بلکہ میں تو یہی کہوں گا کہ جملہ نظامِ عالم خواہ علوی ہو یا سفلی ملکوتی ہو یا ناسوتی تمدنی ہو یا سیاسی اخلاقی ہو یا شرعی تمام کا قیام اسی نسبت اور اضافت سے ہے۔ مثلاً اسلام کی پابندی ہمیں اس لیے ضروری ہے کہ یہ خداوندِ عالم کا دین ہے قرآنِ کرم اس لیے واجب التعمیل ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے رسولِ پاک ﷺ اس لیے واجب الاطاعت ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں حدیث شریف اس لیے لازم الاتباع ہے کہ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے ادھر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدق و دیانت، اخلاص، عدالت، شجاعت، سخاوت وغیرہ یہ تمام اس لیے فرض ہیں کہ ان میں خدا

تعالیٰ کی خوشنودی ہے زنا، چوری، حرام خوری رشوت ظلم کذب بہتان افترا وغیرہ اس لیے حرام ہیں کہ ان میں غیر کی حق تلفی ہے تیری ماں تجھ پر حرام تیرے باپ پر حلال تیری بہن تجھ پر حرام تیرے بہنوئی پر حلال تیری بیوی تجھ پر حلال دوسروں پر حرام یہ تمام اضافات اور نسبتیں ہیں جن پر حلت اور حرمت کا مدار ہے۔ اس طرح تمام امورات دینی و دنیاوی کو شمار کرتے جائیے پھر دیکھیے کہ کوئی ایسی چیز بھی دنیا میں ہے جس میں نسبت و اضافت کا لحاظ نہ ہو۔ یہ تو امور عامہ کی بحث تھی۔

اب ہم خاص تصویر کے مسئلہ کے دونوں رخوں کو دیکھتے ہیں ایک رخ تو فطرتی ہے اور دوسرا شرعی جس نگاہ سے دیکھا جائے تو نسبت اور اضافت کا لحاظ موجود۔ پہلے فطرت میں آئیے کسی آدمی سے آدمی کی تصویر بنا کر اس کے سامنے اس کی توہین کیجئے پھر دیکھیے گا کہ وہ کس قدر غصہ اور جوش دکھاتا ہے آپ کی لمحہ مبارک کے بال نوچ کر آپ کے سامنے رکھ دے گا اگر یہ نہ ہو سکا تو گالم گلوچ سے آپ کو خوش کر دے گا۔ اگر اس میں کچھ شک ہو تو تجربہ کر کے دیکھیں یہ تو آدمی کی آدمی کا معاملہ تھا۔ اب اگر آپ میں کوئی جرات کا مادہ ہے تو کسی معزز محترم سردار یا حاکم شہر کا فوٹو لے کر اس کے سامنے یہ کام کیجئے پھر اس کا نتیجہ آپ خود دیکھ لیں گے۔ اگر یہ بھی نہیں آپ سے نہیں ہو سکتا تو ہم کسی مصور فوٹو کش سے آپ کے پیر و استاذ، والد بزرگوار کا فوٹو لے کے آپ کے سامنے کہہ دیتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ ذرا اس پر پیشاب کر دیجئے تو ہم دیکھیں گے کہ آپ اس پر کس قدر پانی ڈالتے ہیں۔ اب دو حالی سے خالی نہیں یا تو پیشاب کریں گے یا نہ کریں گے اگر کریں گے تو آپ کو اپنی ہٹ دھرمی اور بے شرمی کی مبارکبار دی کا تمغہ دیا جائے گا لیکن تمام جہاں کی لعن و طعن کا مورد بن کر بے ادب گستاخ کے نام سے موسوم ہو جائیں گے۔ اور اگر نہ کریں گے تو کیوں۔ جب حضور پاک ﷺ سرورِ دو جہاں سردارِ پیغمبران کی تصویر کے ساتھ یہ معاملہ جائز ہے اور نسبت کا لحاظ نہیں یہاں کیوں ناجائز اور نسبت ملحوظ، غرض تصویر میں بے اختیار فطرۃ و جبلۃ نسبت کا لحاظ آ جاتا ہے۔

اب ہم تصویر کا دوسرا رخ دیکھتے ہیں یعنی شرعی نگاہ میں بھی نسبت ملحوظ۔ آج سے نہیں بلکہ

نسبت کا لحاظ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے عہد مبارک سے اب تک بدستور۔ تفسیر خازن وغیرہ مفسرین تحت آیت آیۃً مَْلَکَہُ اَنْ یَّأْتِیَکُمْ التَّابُوتُ فِیْہِ سَکِیْنَةٌ مِّنْ رَبِّکُمْ • (سورۃ بقرہ، ۲۴۸) کے لکھا ہے کہ ایک صندوق شمشاد کی لکڑی کا ۳۰۲ گز کی جسامت میں حضرت آدم علیہ السلام پر اترا تھا جس میں تمام انبیاء علیہم السلام کی تصاویر تھیں اور وہ صندوق ابراہیم علیہ السلام کے عہد تک تمام پیغمبروں کے پاس اپنے اپنے زمانہ میں رہا پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام پھر یعقوب علیہ السلام کے پاس رہا، بنی اسرائیل میں رہا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا پھر اس طرح انبیاء بنی اسرائیل میں رہا دیکھیے یہ نسبت کا لحاظ جس صندوق میں انبیاء کی تصاویر تھیں اس کو انبیاء کرام نے کب محفوظ و محترم بلکہ اس سے اپنی مشکلات کے حل کا اصل ذریعہ سمجھا۔ حضرت دانیال علیہ السلام کی انگشتی کا تذکرہ پہلے ہو چکا کہ اسمیں تین تصویریں تھیں وہی انگشتی حضرت امیر عمر رضی اللہ عنہ کے پیش ہوئی لیکن آپ نے اس کی کوئی توہین و تحقیر نہ کی بلکہ نسبت کا لحاظ کر کے حضرت ابوموسیٰ اشعری کے حوالہ کر دی بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بوقت فتح مکہ جب کعبۃ اللہ کے پاس تشریف فرما ہوئے تو اندر داخل ہونے سے پہلے حضرت امیر عمر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ جو تصاویر کعبہ کے دیوار میں ہیں۔ ان کو محو کر دے چنانچہ وہ اندر گئے اور تمام تصاویر کو محو کر دیا لیکن حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام کی تصاویر کو نہ چھوا پھر جب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں موجود ہیں ان کے ہاتھ میں اِزلام تھے آپ نے فرمایا کہ خدا ان کفار کو تباہ کرے یہ جانتے ہیں کہ ان دونوں حضرت نے اِزلام سے کبھی انتقام نہیں لیا تھا پھر زمزم کا پانی منگوا کر ان دونوں تصویروں کو آپ نے اپنے ہاتھ سے دھو ڈالا یہ ہے نسبت کا لحاظ۔ حضرت امیر عمر کو باوجود تاکید کی حکم محو کرنے جملہ تصاویر کے انہوں نے ان دونوں تصاویر کی نسبت کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں نہ چھیڑا اور باقی کو محو کر دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تصاویر کو اپنے ہاتھ مقدس اور زمزم کے پانی کا شرف بخشا۔ یہ وہ شرف ہے جس پر اگر ہزار جان قربان کی جائے تو بجا ہے۔ مولانا جامی نے کیا خوب کہا

ہر گہ بقصد قلم شمشیر بر کشای
بہر بقا عمرت دست دعا کشایم

ولہ ایضاً

عمریست بیمارِ تو ام در کشم تعیل کن
زیر آنکہ غیر از تیغ تو نبود شفاء عالم
تیغ را بر گردنم بس تیز ران
کاند ریں بینم حیات جاوداں

اور سینے حضورِ اکرم ﷺ کی تصویر کی کیا بحث حضور ﷺ کی نعلین مقدسین کی تصویر کا ذکر آپ کی حیرانی کے لیے کافی ہے ذرا نظامیہ شرح شامل ترمذی ولغات شرح مشکوٰۃ و مواہب لدنیہ دیگر عشاقِ رسول اللہ ﷺ کی کتب کھول کر دیکھیے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تصویر کو جو جبرائیل علیہ السلام نے اپنی پتیلی پر یا پرزہ تحریر پر منقش کر کے حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں لا کر پیش کی تھی جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں موجود ہے کیا وہاں نسبت کا لحاظ نہیں تھا اگر نسبت کا لحاظ نہ ہوتا تو جبرائیل ایسا فضول کام کیوں کرتے اور حضور پاک ﷺ اس اذدواج کے انعقاد سے یقین کیوں فرماتے اور حضرت صدیقہ اپنے رفعتِ شان کے لیے اس واقعہ کا تذکرہ فخریہ کیوں بیان فرماتے۔

غرض تصویر میں نسبت کا لحاظ ضروری ہوا کرتا ہے فطرۃً بھی اور شرعاً بھی اس کا انکار شمس نصف النہار کے انکار کی مترادف ہے

ربا یہ امر کہ جب تصویر میں نسبت کا خاص لحاظ ہوا تو اگر مثلاً کسی بزرگ صالح کا فوٹو لیا جائے تو وہ جب وہ صالح قابلِ تعظیم ہے تو کیا اس کی تصویر کی تعظیم بھی ضروری ہے نہیں ہرگز نہیں اول تو تصویر کسی ذی روح کی بنانی شرعاً سخت منع ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا اب اگر کسی نے اس جرم

پر اقدام کر کے کسی بزرگ کی تصویر کشی کر لی تو جس طرح اس کی توہین جائز نہیں ویسے اس کی تعظیم بھی جائز نہیں بلکہ اس کے محو کرنے میں ایسی صورت اختیار کرے جس سے اس کی توہین بھی نہ ہو اور مجھ بھی ہو جائے واللہ تعالیٰ اعلم

قارئین کرام مضمون تو ابھی ختم نہیں ہوئے اور نہ ہی دل کی ہوس پوری ہوئی مگر طوالت باعث ملالت ہونے کی وجہ سے اس مضمون کو ختم کیا جاتا ہے اب دوسرا مضمون یعنی اہانت اہل بیت کی بالکل مختصر بحث کی جاتی ہے وبالله التوفیق

قال میں علی کرم اللہ تعالیٰ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جوتی کی خاک کے برابر نہیں سمجھتا۔

اقول یہ ہے وہ بکواس جس سے اگر زمین لرزہ اور آسمان زلزلہ میں آجائے تو بجائے

مرمر ایدز نمی ابارد روئے اعتقاد

ایں چنیں بدکر دن و دین پیہر داشتن

یہ اس عداوة الرسول کی آگ کے شرارے ہیں جو اس ناپاک پارٹی کے سرغنہ ان کے دلوں میں بھڑکا رکھی ہے۔ اور اس پر حسد و بغض کے دریا کی موجیں ہیں جس کو ان کے شیخ الخجد نے ان کے دلوں میں بہا رکھا ہے۔ یہ بے چارے اپنی ڈیوٹی کے فرائض ادا کرنے میں مجبور ہیں وہ بصورت سست و کاہلی جواب دہی کے خطرہ میں مقہور۔ حدیث شریف میں ہے کہ اہلیس پانی پر تخت بچھا کر اس پر بیٹھ جاتا ہے اور روزمرہ اپنے پٹھوؤں کو تمام ملک میں اپنی ڈیوٹی پر بھیج دیتا ہے ہر شام کو ہر ایک کی حاضری لے کر اس کی کارگزاری کی پڑتال کرتا ہے ان میں سے جس نے زیادہ شرارت اور خباثت کی یا کرائی ہو اور اس پر بہت راضی ہوتا ہے اور اس کو تھاپڑا کر اس سے خوش ہوتا ہے یہاں بھی وہی معاملہ سمجھیے۔ زیادہ تشریح کی حاجت نہیں۔

اس واعظ بے چارہ کی ڈیوٹی تو تھی حضور پاک ﷺ کی (العیاذ باللہ) توہین مگر کھلی توہین تمام مسلمانوں کے اشتعال سے خوف کھایا کہ اس کا بھی راجچال سا حشر نہ ہو جائے اس پر ان کے

شیخ الحدادی نے یہ تعلیم دی کہ الکنايۃ مطلب ابلغ من الصراحت اس مطلب کے صراحت کے بجائے کنایات سے پورا کیا جائے ممکن ہے کہ ایسے کرنے سے مسلمانوں کا اجتماع ٹوٹ کر تفرقہ ہو جائے اور تفرقہ سے مطلب برآمد ہونا آسان ہو جائے گا ایسی حالت میں پھر صراحت سے بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی کبھی تو حضور پاک ﷺ کو تصویر کا لباس پہنا کر آپ کی (خاک بدین دشمنان) توہین کرنی شروع کر دی۔

ان کی چالاکی اور چالبازی داد دینے کے قابل ہے کیسی دور کی سوچھی حضرت شیر خدا کی توہین کرنے سے ان کے اصلی مطلب براری کے علاوہ اور بھی بہت مقاصد حاصل ہوئے (۱) حضرت شیر خدا اکثر سلاسل اولیاء اللہ کے پیشوا مانے ہوئے ہیں ان کی توہین سے تمام اولیاء اللہ کی توہین حاصل۔ (۲) مسلمانوں کو اکابر کی توہین سننے اور برداشت کرنے کا عادی اور متحمل بنایا جس سے اس نے کسی آنے والے سنگین معاملہ کی پہلے تیاری کرنے کی سوچی۔ (۳) مسلمانوں کی باہمیں اجتماع اور اتفاق کے بجائے اس میں تفرقہ و مخالف بلکہ بغض و عداوت کا تخم بویا۔

اب یہاں شیر خدا کی بالخصوص توہین کرنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ بفضلِ خدا تعالیٰ یہاں ہمارے ہندو پنجاب میں گونداہب باطلہ مثلاً مرزائی وغیرہ نے عام غلغلہ مچا رکھا ہے اور بھولے بھالے مسلمانوں کے لیے دام تزویر بچھا کر اور سبز گھاس دکھا کر اپنے اپنے پھندے میں پھنس رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی الحق یعلو ولا یعلیٰ و لکل فرعون موسیٰ حق حق ہے اور باطل باطل تمام بد مذہب اہل سنت والجماعت کے مقابلے میں دم مارنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی کسی میدان مناظرہ میں ان کی جیت لہذا مذہب اہل سنت و جماعت کا زور ہے۔ حضرات شیعین رضی اللہ عنہما کا بھی حضور کے ساتھ گہر تعلق اور پیشوا امت ہیں مگر اہل سنت والجماعت کے مخالفین کو بی کا خوف دامن گیر ہوا۔ لیکن ایسا پلٹا کیا کہ اہل سنت کی حمایت کا رنگ دکھا کر شیعہ کے مقابلہ میں ان کے مذہب کی تردید کرتے کرتے وہ اہل بیت پاک میں سے اعلیٰ فرد پر حملہ شروع کر دیا یعنی شیر خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور بموجب خود کی بدراہبانہ بسیار نہ بہانہ یہ بنایا کہ میں تو شیعہ

کے مقابلہ میں انکی تردید کر رہا ہوں کہو اسمیں کیا جرم کیا۔ بھولے اہل سنت ایسے سبز گھاس دیکھ کر خاموش ہو گئے اور اس توہین کو سن کر برداشت کر گئے۔ لیکن جو غیرت مند سمجھ دار مسلمان ہیں وہ ضرور ان کی خباثت سے واقف ہو کر چونک اٹھے ہوں گے غالباً مسلمانوں کے دو فرقے ہو گئے ہوں گے پھر جب اس نے یہ بکو اس پچا کر ہضم کر لیے تو پھر اس نے حضور کو تصویر کا جامہ پہنا کر آپ کی توہین کی اسمیں بھی صرف غیور مسلمان نے مخالفت کی ہوگی اور جو پارٹی پہلے ہی اس کی حامی بن گئی ہوگی وہ اب بھی اس کے طرفدار ہوگی۔

مسلمانو اب اس گستاخ کی علانیہ توہین کرنے کا وقت آ گیا ہے اس نے مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ڈال کر ایک پارٹی اپنی حمایت کے لیے پہلے بنا رکھی ہے۔ وہ پارٹی اس کے ہر فعل قبیح کی حمایت میں مجبور ہے آپ اپنے اسلام اور حضرت بانی اسلام کے احترام و توقیر میں اپنے جان و مال کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائیں اور اس خناس کو پھر ایسی بکو اس بکنے کی گنجائش بھی نہ دیں اور ایسے معاملہ میں بے پرواہی اور لاابالی سے ہرگز کام نہیں لینا چاہیے۔ وما علینا الا البلاغ۔

اب یہاں امور ذیلہ تنفیج طلب ہیں۔ (۱) جس ہستی کے حق میں اس بے ادب نے گستاخی کی ہے وہ عند اللہ کس قدر محترم ہے (۲) اس ہستی کا حضور پاک ﷺ سے کس قدر تعلق ہے (۳) مسلمانو پر اس ہستی کا اکرام و احترام لازم ہے (۴) کیا ایسے ناشائستہ الفاظ ایسی ہستی کے حق میں باعث توہین ہیں۔ (۵) کیا اس توہین کا اثر حضور پاکؐ تک بھی پہنچتا ہے یہ پانچ امر دریافت اور تحقیق طلب ہیں۔ ان کی تشریح بالفاظ مختصرہ کی جاتی ہے واللہ الہادی

ان امور خمسہ کی تحقیقات کرنے سے پہلے ہم قارئین کرام کے ذہن نشین یہ امر ضروری کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے جس قدر فضائل و کمالات ذکر کیے جائیں اس سے حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوقیت ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ ان کے مدارج سے مساوات بھی ناممکن۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ فضائل اگرچہ اپنی

ذات میں موجب رفعت شان کیوں نہیں مگر پھر بھی یہ کمالات جزئیہ ہیں اور حضرات ثلاثہ کے فضائل کلیہ۔ اور فوقیت و فضیلت فضائل کلیہ ہوتے ہیں نہ جزئیہ۔ علاوہ برائیں ان فضائل کا بعض بلکہ اکثر حضرات ثلاثہ میں موجود بہر کیف حضرت شیر خدا جبکہ حضرات ثلاثہ کے بالخصوص حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی فوقیت و فضیلت کے خود قائل و معترف ہیں پھر ان پر فوقیت یا مساوات کا کیا امکان۔

لیکن بحث اس امر میں ہے کہ فوقیت اور فضیلت مفضول کو فاضل کی خاک نعلین بنانے کو مقتضی نہیں ہوتی خصوصاً جبکہ مفضل علیہ فی حد ذاتہ نہایت معزز و محترم عند اللہ ہو۔ مثلاً خداوند عالم جل جلالہ کا فرمان ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (سورۃ بقرہ، ۲۵۳) کہ یہ مغاد نہیں جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام مفضول ہیں وہ فاضلین کی خاک نعلین کے برابر یا اس سے بھی کمتر ہو کلا و حاشا۔

میرے خیال میں حضرات ثلاثہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی رفعت شان جس قدر حضرت شیر خدا کرم اللہ وجہ کی رفعت میں ہو سکتی ہے اتنی رفعت حضرت علی کے معمولی ہستی ہونے سے نہیں ہو سکتی لہذا یہاں حضرت شیر خدا کے چند فضائل امور خمسہ کے ضمن میں ذکر کر جاتے ہیں جس سے دو امر ثابت ہوں جائیں گے ایک یہ کہ حضرت شیر خدا فی نفسہ نہایت رفیع الشان ہیں کوئی معمولی ہستی نہیں۔ دوسرا یہ کہ حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا ایسی رفیع الشان ہستی سے افضل ہونا۔

امور خمسہ مستثنیٰ

امراول حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہ نے بنا بر اشہر اقوال کے دس سال کی عمر میں شرف اسلام حاصل کیا اور بنا بر اکثر اقوال کے تمام مذکور سے پہلے جامعہ اسلام پہنا جیسا کہ خود فرماتے ہیں سبقتکم الی الاسلام۔۔۔ چنانچہ دو شنبہ کے دن حضور کی بعثت ہوئی اور سہ شنبہ کو آپ مشرف باسلام ہوئے اور آپ نے کبھی بت پرستی نہیں کی جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی نہیں کی اس واسطے آپ کو خطاب کرم اللہ وجہ کا عنایت ہوا اور آپ کو فضیلت میں بعد

انبیاء کرام علیہم السلام چوتھا نمبر ہے۔ اور آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور علماء ربانین میں سے فرد کامل ہیں باب العلم ہیں باب الحکمۃ ہیں۔ اسلام کے پہلوانوں میں سے اعلیٰ درجہ کے بہادر اور زبردست پہلوان ہیں۔

صحیحین وغیرہ میں حدیث وارد ہے کہ خیبر کے دن حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ کل ایک ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر فتح ہوگی اور وہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسول اس کو دوست رکھتے ہیں تو تمام صحابہ میں رات بھر یہی تذکرہ رہا کہ دیکھیے ایسا خوش نصیب کون شخص ہوگا صبح کو تمام صحابہ کرام اسی آرزو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش ہوئے کہ یہ سعادت ہمیں نصیب ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ کو طلب فرمایا تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ آنکھوں کے درد میں مبتلا ہیں حاضری سے قاصر ہیں ارشاد ہوا کہ اس کو بلاؤ جب حاضر ہوئے تو حضور پاک ﷺ نے آپ کی آنکھوں میں لعب مبارک ڈالی اور دعا فرمائی چنانچہ اس وقت ایسے شفا یاب ہوئے گویا کوئی شکایت ہی نہیں تھی تو آپ کو ایک جھنڈا دے کر جنگ کو روانہ فرمایا چنانچہ اسی دن خیبر فتح ہوا صحیح روایت میں آیا ہے کہ آپ قلعہ کے دروازہ کو ایک ہاتھ میں لے جنگ کرتے رہے جب فیصلہ ہوا تو اس کو پھینک دیا پھر اُس دروازہ کو چالیس مرد بڑی تکلیف سے اٹھاتے۔ اور آپ اعلیٰ درجہ کے عابد و زاہد مجاہد سخی خطیب اور فصیح و بلیغ صدیق شہید ہیں۔

ان تمام امور کا ثبوت احادیث صحیحہ میں موجود اب اگر آپ کے صدیق ہونے میں کوئی تردد واقع ہو گیا ہو تو صواعق محرقة مولفہ امام ابن حجر مکی، ص ۷۴ باب فضائل علی بن ابی طالب حدیث ۳۰، ۳۱ دیکھ کر تسلی کر سکتے ہیں۔ غرض حضرت شیر خدا کے فضائل و کمالات خدا داد کسی حد و انداز میں آنے کے نہیں لہذا مشتہ نمونہ از خروار پر اکتفا کیا جاتا ہے واللہ الہادی امر دوم حضور پاک ﷺ سے آپ کا گہرا تعلق ہے جو کسی اہل عقل و دیانت پر پوشیدہ نہیں حدیث متفق علیہ میں ہے کہ حضور پاک ﷺ نے آپ کو فرمایا کہ تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں اور ترمذی میں

ہے کہ علی مجھ سے اور میں اس سے ہوں اور وہ ہر مومن کا ولی ہے اور ترمذی نسائی ابن ماجہ مسند امام احمد میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ تو میرا بھائی ہے دنیا و آخرت میں اور نسائی میں بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ کے ساتھ جو میرا مرتبہ اور منزلت ہے وہ کسی دیگر خلاق کا نہیں۔ حضور کے ساتھ آپ تمام مشاہد میں حاضر رہے الا جنگ تبوک کے موقعہ میں آپ کو مدینہ کی حفاظت کے لیے حضور پاک نے مقرر فرما دیا روتے ہوئے حضور کی جناب میں عرض کیا کہ کیا مجھے عورتوں اور معصوم بچوں میں رکھتے ہیں تو ارشاد ہوا کہ کیا تمہیں یہ امر خوش نہیں کہ تو مجھے ایسا ہے جیسا کہ ہارون موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھا مگر میرے بعد نبوت نہیں۔ آپ کے ساتھ حضور پاک ﷺ نے عقد مواخاۃ کیا آپ کو حضور پاک ﷺ کے دامادی سیدۃ النساء العالمین کے زوج ہونے کا شرف حاصل آپ اہل بیت اطہار میں داخل آیت مباہلہ کے انفسنا میں شامل خطیب بغدادی کی روایت ہے کہ حضور پاک کا ارشاد ہے کہ علی میرے سر کا بدن سے مرتبہ رکھتے ہیں جب حضور پاک نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ کے مکہ میں چند روز ٹھہرنے کا ارشاد فرمایا تا کہ امانت اور وصایا جو حضور پاک ﷺ کے پاس تھیں ادا کر کے آجائیں چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اسی معنی کے لحاظ سے آپ کو وصی کہا جاتا ہے نہ اس معنی سے جسکو بد فرقہ شیعہ شیعہ نے بنا رکھا ہے یعنی خلیفہ بلا فصل یہ انکا مثل دیگر بکواس کے فضول بکواس ہے۔ ترمذی نے حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرماتی کہ تمام لوگوں سے حضور پاک کو زیادہ پیاری بی بی فاطمہ اور تمام مردوں سے زیادہ پیارا اس کا زوج حضرت علی رضی اللہ عنہ ہے اور طبرانی میں ہے کہ حضور پاک فرماتے ہیں کہ لوگ مختلف درختوں سے ہیں اور میں اور علی ایک ہی درخت سے ہیں۔ اور دیلمی نے روایت کیا ہے کہ سابقون تین ہیں موسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت کرنے والے یوشع بن نون اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت کرنے والا صاحب یسین اور میری طرف سبقت کرنے والا علی بن طالب اور ابو نعیم وابن عساکر کی روایت میں ہے کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدیق تین ہیں حبیب نجار

جس نے کہا یَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ • (سورہ یسین، ۲۰) اور حزیل مومن ال فرعون جس نے کہا
تھا اتقتلون رجلاً ان يقول ربی اللہ علی بن ابی طالب وہو افضلکم غرض حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کے جو تعلقات حضور پاک ﷺ سے ہیں ان کو اگر تمام عمر میں شمار کرتے رہے تو ختم نہ ہوں گے۔
امر سوم آپ امیر المؤمنین و خلیفۃ المسلمین و چہارم از خلفاء الراشدین المہدیین ہیں تمام
مسلمانوں پر ان کا اتباع لازم جیسا کہ حدیث احمد ابو داؤد و ترمذی میں موجود ہے فعلیکم بسنتی
وسنة الخلفاء الراشدین المہدیین اور اہل بیت پاک میں سے ہونے کی وجہ سے جملہ اہل
اسلام پر آپ کی مودت و محبت واجب جیسا کہ کلام پاک رب العلمین و احادیث رحمۃ العالمین میں
بالتصریح موجود بلکہ ایمان اور نفاق کا امتیاز آپ کی محبت و عداوت پر بنی جیسا کہ مسلم میں
بروایت حضرت علی مروی ہے کہ مجھے اس ذات پاک کی قسم ہے جس نے دانہ کو پیدا کیا اور جی کو
زندہ نکالا کہ حضور نے میرے ساتھ عہد کیا ہے کہ میرے ساتھ محبت رکھنے والے مومن ہی ہوں
گے اور بغض رکھنے والے منافق اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ علی ہر مومن کے ولی ہیں اور نیز
ترمذی و امام احمد کی روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا جس کا میں مولا اس کا علی مولا۔ اور طبرانی و
حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت علی کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے اور خطیب بغدادی نے
روایات کیا ہے کہ حضور فرماتے ہیں کہ مومن کے صحیفہ اعمال کا عنوان علی کی محبت ہے اور طبرانی کی
روایت میں ہے حضور کا ارشاد جس نے علی سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے مجھ
سے محبت رکھی اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت رکھی اور جس نے علی سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض
رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے اللہ تعالیٰ سے بغض رکھا۔ غرض حضرت شیر خدا میں سب
لحاظات محترمہ موجود مثلاً شرف صحابیت و شرف اہل بیت ہونے کا و شرف ذوی القربیٰ۔

و شرف دامادی و شرف ابوة سیدین وغیرہ جملہ شرافات سے مشرف تو جو نص صحابہ کرام کے
اکرام میں وارد اس کے بھی یہ مصداق اور جو نص اہل بیت پاک کے احترام و محبت میں صادر وہ بھی
آپ پر منطبق اور جو نص ذوی القریٰ کی مودت میں نازل اسکے بھی آپ مستحق ازین وجہ آپ کا اکرام

وا احترام جملہ اہل اسلام پر تاکید فرض ہے جس کی عہدہ براری بدون ادائی نامکن واللہ الہادی

امر چہارم جو ناشائستہ الفاظ زید نے ایسی معزز و محترم ہستی کے حق میں کہے ہیں واقعی باعث توہین و تحقیر ہیں اولاً ایسے الفاظ کسی کے حق میں نہ قرآن شریف میں آئے اور نہ ہی کسی حدیث میں یہ اختراعی الفاظ عوام کا الانعام کے حق میں استعمال کیے جاتے ہیں تو گویا شیر خدا کو اس نے معمولی ہستی قرار دیا اور ان کو اپنے منصب سے گرا دیا اسی کا نام سب ہے ثانیاً نہ کہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسے الفاظ شیر خدا کے حق میں استعمال فرمائے اور نہ ہی شیر خدا نے کبھی ایسے خطاب سے اپنے آپ کو منسوب کیا بلکہ حضرت صدیق نے تو آپ کے اعزاز کا اعتراف کیا جیسا کہ ابن سماک نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ پل صراط پر سے گزرنے کے لیے پاسپورٹ حضرت علی کے ہاتھ میں ہوگا جس کو وہ پاسپورٹ لکھ دیں گے وہ گزرے گا اور جس کو نہ لکھیں گے وہ ہرگز نہ گزرے گا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے فضائل کا رشک کیا ہے جب کہ ابو یعلیٰ نے ابو ہریرہ سے اور احمد نے بسند صحیح ابن عمر سے روایت کی گئی ہے کہ امیر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ علی میں تین خصائل ہیں اور ان میں سے ایک بھی میرے لیے ہوتا تو سرخ جانوروں سے مجھے زیادہ محبوب ہوتا ایک سرور عالم ﷺ کی دختر نیک اختر کا آپ کے نکاح میں ہونا۔ دوسرا مسجد میں سکونت و رہائش تیسرا خیر کے دن جھنڈا عطا ہونا۔ دیکھیے یہ حضرات شیخین ہیں جو کہ آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں بھلا یہ کب ممکن ہے کہ جس کی تعریف کریں اس کو اپنی خاک نعلین کے برابر قرار دیں الحاصل بمقتضائے انزلو الناس علی قدر منازلہم ہر ایک شخص کا قدر اس کے منصب کے مناسب کرنا ضروری ہے۔ تو جو الفاظ استعمال ہوئے جنہیں معمولی آدمی بھی اپنی تحقیر سمجھے کیا یہ سب و شتم نہیں۔ ضرور ہے اور بلاشبہ ہے اور اس امر کا مستحق ہے کہ کہا جائے لعنة اللہ علی شرار کم جیسا کہ حدیث ترمذی وغیرہ میں موجود ہے۔

امر پنجم ایسے سب اور بکواس کا حضور پاک ﷺ تک بلکہ ذات پاک وحدہ لا شریک تک

پہنچتا ہے جیسا کہ حدیث مسند امام احمد میں ہے کہ حضور نے فرمایا جس شخص نے علی کو سب کیا تو اس نے مجھے سب کیا۔ اور امام شافعیؒ نے روایت کیا ہے کہ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے میرے اصحاب کو سب کیا تو اس نے مجھے سب کیا اور جس نے مجھے سب کیا تو اس نے اللہ تبارک تعالیٰ کو سب کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو سب کیا تو اس کو اللہ تعالیٰ نے ناک کے بھراگ میں اوندھا ڈالے گا اور ابولعلیٰ و بزاز نے روایت کیا ہے کہ حضور پاک نے فرمایا جس نے علی کو ایذا دیا اس نے مجھے ایذا دیا ان احادیث و دیگر ایسے احادیث سے صاف ثابت ہے کہ زید ایسے بکو اس سے لعنت کا مستحق ہے جب کہ حدیث ترمذی پہلے منقول ہوئی بلکہ در پردہ بھی حضور پاک کو ایذا پہنچایا گیا ہے ایسے کرنے والے پر نص قرآنی وارد

قال اور میرا ایمان و اعتقاد ہے کہ اگر تمام انبیاء علیہم السلام بھی علی بن کر آجائیں تو پھر بھی خلیفہ اول کی جوتی کی خاک کے برابر نہیں جانتا

اقول ناظرین نے دیکھا اس چال باز عدو الرسول کی رو بہ بازی اس نے کیسی حیلہ کاری اور مکاری سے اپنی مطلب براری کے لئے کہاں سے کہاں جا پڑا۔ کہاں حضرت صدیق و شیر خدا اور کہاں تمام انبیاء اس پٹھو نے اپنی شخ انجد کی ڈیوٹی کو کیسے ڈھنگ سے ادا کیا قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَهِهِمْ وَمَا تُخْفِي ضُدُّوهُمْ أُنْجَبُ • (سورۃ الاعمران، ۱۱۸)

میں حیران ہوں کہ جب یہی واقعہ علماء کے پیش کیا جاتا ہے تو بڑی سوچ میں پڑ جاتے ہیں کوئی اس کو پاگل و مرفوع القلم بنا کر اس کے سر سے بلا ٹال دیتا ہے اور کوئی صاحب اس کی نیت استفسار کرنے کا حکم دے کر اس کے بارے میں متوقف ہو جاتا ہے لیکن فی الاصل نہ یہ پاگل اور مرفوع القلم ہے اور نہ ہی دریافت کرنے کی ضرورت۔ بلکہ ان عقیلوں سے یہ زیادہ عقیل کیسی دور کی سوچھی اور اپنی تعیناتی کے فرض منصبی کو کیسا ادا کیا۔ اولاً تصویر کے لباس میں ثانیاً اہل بیت کے رنگ میں ثالثاً اب انبیاء کرام کے گروہ میں حضور پاک ﷺ کی (خاک بدنش) کی توہین کی اور اپنے فرض منصبی سے سبکدوشی حاصل کی اور استفسار نیت کی ضرورت کیا ہے جب صراحتہ موجود

فقہاء کا مقولہ مسلمہ ہے الصراحة لا تحتاج الى النية

مثال کے طور پر میں ان سے پوچھتا ہوں (بے ادبی معاف لامناقشہ فی المثال) کہ اگر انہوں نے کسی صاحب کے حق میں کوئی بے ادبی گستاخی کر کے کوئی ناشائستہ بکواس کر کے گزرے تو کیا وہاں بھی اس کی نیت دریافت فرمادیں گے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ غضب و قہر کا ایسا جوش دکھائیں گے جس سے زمین و آسمان لرزہ میں آجائیں گے اور تکفیر و تلعین کی ایسی بارش برسائیں گے جس سے شیاطین بھی حیران رہ جائیں گے۔ خدارا انصاف اپنے لیے تو ایسا جوش و جلال اور سرور و دوسرا و دیگر انبیاء اکیلے نیت کا سوال۔

غرض ان حضرات کے نزدیک حضور پاک یا دیگر انبیاء کرام کی عظمت صرف اس قدر ہے کہ اگر کوئی انکی تحقیر کے لیے سوق کلام کرے جس سے اور کوئی مطلب ادا کرنا مقصود نہ ہو اور پھر وہ صراحتہ اقرار بھی کرے کہ اس نے یہ الفاظ بنیت توہین کہے ہیں اور اسوقت اسے تحقیر توہین کہیں گے ورنہ ہزاروں بکواس خداوند عالم یا رسول اللہ ﷺ کے حق میں (خاک بدہن گستاخاں) بکے کفر نہیں ہو سکتا کہ سوق کلام اور مرام کے لیے ہے اور نیت تحقیر پر علم نہیں۔ اور کوئی صاحب کہتا ہے کہ یہ جاہلانہ الفاظ ہیں قابلِ اعتناء علماء نہیں۔ میں کہتا ہوں مانا کہ یہ بکواسی جاہل ہے تو معاف۔ کلا وحاشا

بلکہ حضرت امام قاضی عیاض نے شفا شریف میں لکھا اذا لا بعدر احد فی الکفر بالجهالة ولا بدعوى ذیل اللسان (شفا شریف، ص ۲۲۳)

قولہ اگر تمام انبیاء علیہم السلام بھی علی بکر آجائیں یہ جملہ پیغمبران عظام کی صریح توہین و تحقیر اور آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ العالمین تک سب کے سب اس سب میں داخل ہیں اس سے ان کی دوطرح کی تحقیر ہوئی ایک انبیاء کرام کو اپنے عالی مناصب نبوة سے گرا کر نچلے درجہ میں لایا گیا دوسرا ان کو نچلے درجہ والے شخص کی خاک نعلین سے بھی کمتر بنایا گیا

۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من شرور اعداء الرسول

یہ وہ بکواس ہے کہ جس کا ثبوت نہ قرآن شریف میں اور نہ کسی حدیث میں اور نہ کسی صحابہ نے ایسے کہا اور نہ کسی تابعی نے نہ تبع تابعی نے اور نہ کسی امام مجتہد نے اور نہ کسی عالم مقلد یا غیر مقلد نے اور نہ کسی مشائخ و اولیاء نے یہ وہ گستاخی ہے جس پر اب تک نہ اہلبیس لعین نے اقدام کیا اور نہ ہی فرعون نمرود شداد ابو جہل و راجپال نے اور نہ ہی ایسی گستاخی و جال ملعون جرات کر سکے گا۔ گستاخی اور بے ادبی میں اس پارٹی کا نمبر سب سے اول ہے

قال المستفتی کیا کتاب اللہ و حدیث شریفہ اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک زید کا بیان کردہ

اعتقاد درست ہے یا نہ؟

اقول زید بکواسی کے بکواس اور اُس کا یہ اعتقاد بد بنیاد کتاب اللہ و احادیث رسول اللہ و اجماع عباد اللہ کے بلکہ اسلام کے صریح مخالف ہے۔ اب ہم چیخ دیتے ہیں اور ڈنکے کی چوٹ سے اعلان دیتے ہیں کہ جن تین امور کا زید نے دعویٰ کیا ہے (۱) حضور پاک ﷺ کی تصویر پر۔۔۔ کرنا (۲) حضرت علی کا حضرت صدیق کی خاک نعلین سے مکر ہونا (۳) تمام انبیاء کا ایسا ہونا ان میں سے کسی امر پر کوئی آیت صریح الدلالہ یا حدیث صحیح السند یا قول ائمہ مجتہدین یا اولیاء محققین پیش کرے فاتو بالشہداء و ہاتوا برہانکم ان کنتم صادقین

قال المستفتی اور اگر نہیں تو زید اور اس کے اس اعتقاد تصدیق کرنے والے کے اور نیز توہین اول کے متعلق اصرار کر نیوالے اور زیادہ استخفاف کرنے والے کے لیے شرعاً کیا حکم عائد ہوتا ہے قول و بدا حول و علی اعدائہ اصول یہاں تین امور قابل دریافت ہیں۔ (۱) حضور پاک ﷺ کی تصویر کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو مذکور ہوا (۲) حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے اقتدار و احترام میں جو بکواس ذکر ہوا۔ (۳) تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ السلام کے حق میں وہ گستاخی جو ذکر ہوئی۔ ان ہر سہ بکواس کی نسبت قبل ازیں حسب گنجائش وقت تھوڑا تھوڑا ذکر ہوا۔ ان ہر سہ نمبرات میں حضور پاک ﷺ کی توہین مضمحل اور نمبر ۲ میں حضرت شیر خدا کی اور نمبر ۳ میں انبیاء علیہم السلام کی تحقیر مظہر جیسا کہ قبل ازیں یہ تمام تذکرہ ہو چکا۔ یہاں صرف ان امور کے

مرتب اور اس کے معاونین کی نسبت حکم شرعی بیان کرنا ہے جس کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

سب سے پہلے یہ بات واجب التسلیم ہے کہ تمام مخلوقات سے چیدہ و برگزیدہ اعلیٰ و اکرم عند اللہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام ہیں اور ان تمام میں سے حضور پاک ﷺ نہایت مکرم و افضل ہیں جیسا کہ تمام خلائق میں سے حضور پاک ﷺ کا مساوی نہیں اسی طرح حضور پاک ﷺ کی امت تمام امم سے افضل و اکرام اور حضور پاک ﷺ کی تمام امت میں سے صحابہ کبار و اہل بیت پاک کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ان میں سے مدارج کے رو سے خلفاء اربعہ کا تفاضل مطابق خلافت متفق علیہ اہلسنت و الجماعت ہے لیکن فضل جزی ہر ایک کا بحال۔ قرآن شریف میں انبیاء کرام کے فضائل عموماً اور حضور پاک ﷺ کے مناقب خصوصاً مذکور اسی طرح صحابہ کبار و اہل بیت پاک کے مناصب مسطور۔ حضرت شیر خدا آیات شرف صحابہ و اہل بیت دونوں کے عموم میں داخل اور آیات مخصوصہ کے محمل۔ اب جس کی خود خداوند عالم جل و علا شانہ اپنی پاک کلام میں تعریف کرے اس کے واجب الاقتدار و لازماً الاحترام ہونے میں کون شک کر سکتا ہے قرآن پاک نے حضور کے حقوق و ادب کا لحاظ ضروری قرار دیا ہے چنانچہ ہر ایسے لفظ کا اطلاق بھی حضور کے حق میں ممنوع قرار دیا جس کے ایہام توہین ہو گو متکلمین کی نیت نہایت ہی صاف اور مقصد عجز و نیاز بھی کیوں نہ ہو مثلاً (راعنا) چونکہ اس لفظ سے دشمنانِ دین کچھ اپنے مطلب نکالنے کی گنجائش بھی ہو خداوند عالم نے مسلمانوں کو ایسے لفظ حضور پاک ﷺ کے حق میں کہنے سے روک دیا اور حکم ہوا کہ اس کے بجائے نظر نہ کرنا کہو مسلمانوں کو حکم ہوا جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو ایسے رسول اللہ ﷺ کو مت پکارو۔ اور حکم ہوا کہ اے مسلمانو تم اپنے آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کی آواز پر بلند نہ کیا کرو نہ تمہارے عمل ضبط ہو جائیں گے اور حکم ہوا کہ کہ جو لوگ آپ کے دروازہ پر آکر چلاتے ہیں اور بلاتے ہیں اکثر جاہل ہیں۔ اگر دروازہ پر بیٹھ جائیں اور آپ کے حسب مرضی خود نکلنے تک صبر کریں تو ان کے لیے بہت اچھا کام ہے۔ یہ ہیں قرآنی آداب جن سے حضور ﷺ کا ادب منصوص یہ بھی قرآنی تعلیم ہے حضور پاک ﷺ کو ایذا اور تکلیف دینا موجب لعنت

دارین ہے۔ حضرت امام قاضی عیاضؒ نے شفاء شریف جلد دوم میں لکھا ہے کہ پہلے کتاب وسنت و اجماع امت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے جو حقوق واجب ہیں اور جو آپ کی نسبت نیکی توقیر عظمت و اکرام ضروری ہے مذکور ہو چکا ہے اور اسی مقدار کے موافق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ کو تکلیف دینا حرام کر دیا ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو مسلمان آپ کے شان میں نقصان بتلائے اور آپ کو سب کچھ برا کہے اس کو قتل کر دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بیشک وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کو ایذا و تکلیف دیتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور اُس کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ انتہی۔ محمد بن سحنون کہتے ہیں کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ کو گالی دینے اور آپ کی شان کی تنقیص کرنی والا کافر ہے اور اس پر عذاب الہی کے ساتھ وعید ہے امت کے نزدیک اس کا حکم قتل کا ہے اور جو شخص اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے (شفاء شریف ص ۲۰۸)

اب یہاں محض معاونین ایذا اس کی طرف سے یہ تاویل کریں گے کہ یہ کلمات اس کی لغزش زبان سے خطاً و بلا اختیار صادر ہوئے ہیں جس سے وہ شرعاً قابلِ مواخذہ نہ ہوگا۔ اس کا جواب دو طرح سے دیا جاتا ہے (اول) یہ عذر از قبیل تاویل القول مالیرضی بہ القائل ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔ کیونکہ بعد اختتام وعظ جب اس کو اس کو اس کی وجہ سے ملامت کیا گیا تو اس نے کوئی ندامت ظاہر نہ کی اور نہ اپنی غلطی کا اقرار بلکہ اسی بے ہودہ بکواس پر اصرار کا اظہار کیا اور اس کے ثبوت پر گوسالہ سامری کا واقعہ پیش کیا جس سے صاف ثابت ہے اس میں کوئی لغزش زبانی یا خطا لسانی نہیں بلکہ سوچکر دیدہ و دانستہ یہ گستاخی کی ہے۔

(دوم) بالفرض مانا کہ زبانی لغزش سے یہ الفاظ اُس کے منہ سے نکلے مگر تاہم مواخذہ شرعیہ سے مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا اور بعض صاحبان زید کے جانبداران اُس کی مخلصی کا یہ حیلہ سازی و رو بادہ بازی کریں گے کہ اس کلام سے اس کا مقصد حضور پاک ﷺ کی توہین کا نہیں بلکہ پہلی صورت میں تصویر کی تحقیر اور دوسری و تیسری میں صدیق اکبر کا علوشان منظور ہے اس کا جواب بھی دو طرح

سے دیا جاتا ہے (اول) الفاظ شتم و سب میں شاتم کی نیت کو کوئی دخل نہیں ورنہ ہر شاتم کہہ سکتا ہے ان الفاظ سے میری مراد شتم کی نہیں تو کیا ایسے کہنے سے وہ بری ہو سکتا ہے ہرگز نہیں شفاء شریف صفحہ ۲۲۲ میں ہے یا بے وقوفی کی باتیں کرے یا بری باتیں کرے اور آپ کی جناب میں ناشائستہ کسی قسم کے الفاظ کہے اگرچہ اُس کے دلالت حال سے معلوم ہو جائے کہ اس نے آپ کی مذمت و سب کا ارادہ نہیں کیا یا تو اس کی جہالت نے ان الفاظ کے کہنے پر اس کو برا سمجھنے کیا یا کسی پریشانی یا سستی نے اس کو مجبور کیا یا زبان کی بے لگامی نے یا کلام کی دلیری نے اس سے یہ اقدام کرایا پس اس قسم کا حکم پہلے قسم کا ہے کہ بدون توقف کے قتل کیا جائے کیونکہ کوئی شخص کفر میں جہالت اور زبان کی لغزش یا اور کسی وجہ سے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے موزوں نہیں سمجھا جاتا۔

اور شفاء میں ہے کہ کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ کے حق میں ناشائستہ الفاظ کہے تھے پھر کہنے لگا کہ میری مراد رسول اللہ ﷺ سے بچھو ہے تو جب یہ مسئلہ ابن ابی سلیمان سے کسی نے پوچھا تو انہوں نے کہا اس سائل کو اس معاملہ کا گواہ بنا کر اس کے قتل کا ثبوت دیا۔ اور حبیب بن ربیع نے کہا ہے لان ادعاء التأویل فی لفظ صراح لا یقبل لانه امتهان و هو غیر معزز لرسول اللہ ﷺ ولا موقر له فوجب اباحة دمہ۔ (الشفاء، ص ۲۰۹)

(دوم) ، مانا کہ اس کی نیت ان بکواسوں سے نہ حضور پاک ﷺ کی توہین تھی اور نہ ہی شیر خدا و انبیاء کرام کی تحقیر۔ مگر ایسی توہین کے مقام میں آپکا و نیز دیگر حضرات کا ذکر کرنا بھی داخل توہین ہے۔ اس کے چند نظائر ذکر کیے گئے جاتے ہیں (۱) ابن حاتم طہلی متفقہ نے جب دوران مناظرہ میں حضور پاک ﷺ کو یتیم اور حیدر کا خسر کہا اور آپ کے زہد کو غیر اختیاری قرار دے کر کہا کہ اگر آپ کو طیبات میسر ہوتے تو کھالیتے وغیرہ ایسے ناشائستہ الفاظ کہے تو فقہاء اندلس نے اس کے قتل کرنے اور سولی پر لٹکا دینے کا حکم دے دیا تھا۔ (شفاء شریف ص ۲۱۰ جلد دوم)

(۲) قاضی ابو عبد اللہ بن مراٹھ نے کہا ہے کہ جو شخص ہزیمت اور شکست کو حضور ﷺ کی طرف نسبت کرے اس کو اس بکواس سے تو بہ کرنا چاہیے اگر تو بہ نہ کرے تو اس کو قتل کیا جائے

کیونکہ اس میں بھی تنقیص ہے جو بالخصوص حضور پاک ﷺ پر اس کا اطلاق ناجائز کیونکہ آپ کو کمال بصیرت اور اپنی معصومیت کا یقین تھا۔ (شفاء، ص ۲۱۱)

(۳) مالک بن نویرہ نے جب حضور پاک کو صاحبکم سے تعبیر کیا یعنی تمہارا صاحب تو خالد بن ولید نے اسکو قتل کر دیا یہ زمانہ خلافت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تھا کسی نے حضرت خالد کے اس فعل پر انکار نہ کیا۔ (شفاء ص ۲۰۸)

(۴) ایک شخص کو کسی نے فقیری کی عار دلائی تو اس نے کہا کہ تو مجھے فقر کی عار دلاتا ہے حالانکہ نبی ﷺ نے ریوڑ چرایا ہے تو امام مالک نے فرمایا کہ اس نے بے شک نبی ﷺ کا ذکر بے محل کیا ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو سزا دی جائے۔ (شفاء ص ۲۳۱)

(۵) عمر بن عبدالعزیز نے ایک شخص سے کہا کہ ہمارے لیے ایک ایسا کاتب تلاش کرو کہ جس کا باپ عربی ہو تو کاتب نے کہا کہ نبی ﷺ کا باپ کافر تھا تو انہوں نے کہا کہ تم نے یہ مثال دی تو کبھی میری کتابت نہ کیجیو۔ (شفاء ص ۱۳۱/۲۳۴)

(۶) جو شخص حضور پاک ﷺ کے موئے مبارک کو صیغہ تصغیر سے ذکر کرے مثلاً تُخیر تو بعض اس کو مطلقاً کافر کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں اگر اہانت کے طریق پر کہا تو کافر ہے ورنہ (مثلاً) محبت اور پیار سے کہے) تو کافر نہ ہوگا (فتاویٰ عالمگیری جلد دوم ص ۴۱۱)

(۷) اگر کسی نے کہا کہ حضور پاک ﷺ کی چادر یا قمیض کی گھنڈی میلی ہے اور اس سے ارادہ آپ پر عیب لگانے کا ہے تو قتل کیا جاوے یہ فتویٰ امام مالک کا ہے۔ (شفاء ص ۲۰۹)

(۸) ایک شخص نے کسی کے برخلاف گواہی دی تو اس مشہود علیہ نے کہا کہ تو مجھے تہمت لگاتا ہے تو دوسرے نے کہا کہ انبیاء تہمت لگائے گئے تیرا کیا حال ہے۔ شیخ ابواسحاق بن جعفر ایسے شخص کے قتل کو واجب کہتے ہیں کیونکہ اس کا ظاہری لفظ برا ہے اور قاضی ابو محمد بن منصور اس کے قتل میں توقف کرتے ہیں۔ لیکن اس کو قید کرنے میں تشدد کیا ہے اور اس کو دیر تک قید رکھنے کا حکم دیا ہے۔ (شفاء مختصر اُص ۲۲۷/۲۲۸)

(۹) ایک شخص کا نام محمد تھا اسکو کسی دوسرے نے کوئی بیہودہ بات کہی اور پھر اپنے کتے کو پاؤں سے مارا اور کہا کہ اے محمد اٹھ کھڑا ہوا اب اس کو قاضی ابو عبد اللہ بن کی خدمت میں (جبکہ وہ عہدہ قضاء پر مامور تھے) لایا گیا اس شخص نے ان کو اسوں سے انکار کر دیا۔ تو اس پر شہادت طلب کی گئی شہادت مکمل نہ گزرنے کی وجہ سے اس کو پہلے قید میں رکھا گیا پھر اس کو کوڑے مار کر چھوڑ دیا گیا۔ (شفاء، ص ۲۲۸)

(۱۰) مالقہ کے قاضی نے کسی عورت کو رات کے وقت قسم دی تھی اس پر کسی شخص نے انکار کیا اور کہا کہ اگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی بھی ہوتی تو اس کو دن میں قسم دی جاتی۔ بعض فقہاء نے اس کے قول کو صواب قرار دیا اور امام ابو الہ طرف شعبی فقیہ مالقہ نے کہا کہ اس شخص نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی نسبت ایسی بات کہی ہے کہ جس پر ضرب سخت اور دیر تک قید میں رہنے کا ضروری مستحق ہے فقیہہ کہلانے سے۔ اور اس بارہ میں اس کو مشہور کرنا چاہیے اور اس کو جھڑکا جائے اس کا فتویٰ قبول نہ کیا جائے نہ اس کی گواہی لی جائے اور یہ اس میں جرم ثابت ہے اور اس سے اللہ کے لیے بغض رکھا جائے۔ (شفاء جلد دوم، ص ۲۹۳)

علیٰ ہذا القیاس ایسے وقائع و نظائر کتب حدیث و اخلاق میں ہزاروں موجود الا بخوف طوالت موجب ملال طبع قارئین کرام اسی پر اکتفاء ہوا۔ اہل دین و انصاف کے لیے تو یہی کافی تعصب اور عناد مرض لاعلاج ہے۔

غرض ہر معزز و محترم عند اللہ کا خصوصاً اہل بیت پاک و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و انبیاء عظام علیہ السلام سید الکائنات و منخر الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کا بے محل و بے موقعہ بلکہ خاص اہانت و استخفاف کے سیاق میں ذکر کرنا خاص سب و شتم ہے جیسا کہ نظائر مندرجہ بالا سے صاف مبرہن۔ خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ اگر زید نے بکواسات مندرجہ سوال دیدہ دانستہ کہے جب کہ اس ناپاک پارٹی کا رویہ ہے اور مشورہ و منصوبہ سے یہ کام کیا ہے پھر تو یہ شخص مرتد واجب القتل غیر مقبول التوبہ جیسا کہ در المختار علی ہواش رد المختار جلد ۳ ص ۳۰۰ میں ہے و کل مسلم ارتد فتوبتہ

مقبولة الجماعة من تكرر رده على مامر والكافر بسبب النبي صلى الله عليه وسلم من الانبياء فانه يقتل حداً ولا تقبل توبته مطلقاً انتھی یعنی جو مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کی توبہ قبول کی جاسکتی ہے۔ مگر ایک جماعت کی جن میں ایک توبہ ہے کہ بار بار مرتد ہو جائے اور دوسرا وہ جو کسی پیغمبر علیہ السلام کے حق میں سب بکنے کی وجہ سے کافر ہو تو اس کو حد میں قتل کیا جائے اور توبہ بھی مطلقاً مقبول نہ ہوگی اور شفاء شریف جلد ۲ ص ۲۰۶ میں ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا کوئی عیب لگاوے یا تنقیص شان کہے آپ کی ذات میں یا کسب میں یا دین میں یا پنی کسی مصیبت میں یا اشارہ کرے یا آپ کو کسی چیز سے بطریق گالی تشبیہ دے یا آپ کی ناحترامی کرے یا آپ کی شان کی تصغیر کرے یا آپ کے عیب لگائے تو یہ شخص آپ کو سب بکنے والا ہے اور اس کا حکم سب بکنے والے کا ہوگا جیسا کہ ہم اس کو بیان کریں گے اور اس کے کسی فعل کو اس مقصد میں ہم مستثنیٰ نہ کریں گے اور نہ ہم اس میں شک و تردد کریں گے یہ گالی صراحتہ ہو یا کنایتہ ہو۔ اور ایسا ہی جو شخص (نعوذ باللہ) آپ پر لعنت کرے یا بدعادے یا کسی ضرر کی آپ کے لیے آرزو کرے یا آپ کی طرف وہ شے منسوب کرے جو آپ کے شان کے لائق نہ ہو بطریق برائی کے یا آپ کے جناب میں خیف یا بے ہودہ یا بری بات اور جھوٹ بولے یا آپ پر جو تکالیف آتی رہیں ان کی عار دلانے یا آپ میں بعض عوارض انسانیہ جائزہ و معہودہ ہے آپ کو معیوب سمجھ کر الزام لگائے اس پر تمام علماء و امان مفتیان کا اجماع و اتفاق ہے صحابہ کرام کے عہد سے جہاں تک چلے جاؤ ابو بکر بن منذر کہتے ہیں کہ عام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے وہ قتل کیا جائے اور جن علماء نے یہ بات کہی ہے کہ وہ مالک بن انس لیث احمد اسحاق ہیں اور یہی مذہب امام شافعی کا ہے اور قاضی ابوالفضل کہتے ہیں کہ یہی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کا مقتضی ہے ان سب کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔ اور اس طرح امام ابو حنیفہ اور اس کے شاگرد سفیان ثوری و اہل کوفہ و اوزاعی مسلمانوں کے بارہ میں کہتے ہیں۔ لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ ارتداد ہے اور اس طرح ولید بن مسلم نے امام مالک سے روایت کی ہے اور طبری نے اس طرح امام ابو حنیفہ اور

انکے شاگرد نے اس شخص کے بارہ ہمیں روایت کی ہے کہ جس نے آنحضرت ﷺ کی کسرِ شان کی یا آپ سے بری ہوا یا آپ کو جھٹلایا آہ پھر لکھتے ہیں کہ محمد بن یحیٰی نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ کو گالی دینے والا آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اس پر خدا کے عذاب کی وعید جاری ہے۔ امت کے نزدیک اس کا حکم قتل کرنا ہے اور جو شخص اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

ابراہیم بن حسین بن خالد فقیہ ایسے شخص کے بارہ میں حضرت خالد بن ولید کو پیش کیا ہے کہ انہوں نے مالک بن نویرہ کو اس لیے قتل کیا تھا کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی نسبت صاحبکم کہا تھا۔ ابوسلمان خطابی کہتے ہیں کہ میں مسلمانوں میں سے کسی کو اس کے قتل کے ضروری ہونے میں مخالف نہیں جانتا تھا جبکہ وہ مسلمان ہوا تھی اور اگر ایذا کی غرض ان کلمات سے صرف تصویر کی حرمت و صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رفعت شان تھی اور انبیاء کرام یا شیر خدا یا حضور پاک ﷺ کی ذکر ضمناً آگیا جیسا کہ محض مؤلین کا اقتباس ہے اور ہم بھی کہتے ہیں خدا کرے ایسا ہی ہوتا ایسے حالت میں زید قتل سے بچ سکتا ہے لیکن سزا سنگین کا پھر بھی بدستور مستحق اور توبہ لازم اب اگر توبہ سے انکار کرے تو واجب القتل۔۔۔ اور سزا قاضی کے رائے پر منحصر ہے جو تجویز کرے۔

بہر صورت یہ بکو اس خالی جانے کے نہیں۔ جیسا کہ شفاء شریف میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ لیکن وہ شخص جس کے حق میں یہ بات (آپ کو گالی دینا) ثابت نہیں ہوئی بلکہ ایک شخص نے یا غیر معتبر لوگوں نے گواہی دی ہو یا اس کا قول ثابت ہو یا ہے لیکن اس میں احتمال ہے کیونکہ صاف طور پر نہیں اور ایسا ہی اگر اس نے توبہ کر لی اس قول کے جس میں اس کو قابل قبول توبہ قرار دیا گیا ہے تو ایسے شخص سے قتل موقوف ہوگا اور اس پر امام وقت کا اجتہاد مسلط ہوگا جو ان امور کے لحاظ کے مطابق ہوگا امور ذیلہ کو مد نظر رکھ کر اس کی سزا تجویز کرے گا۔ (شفاء شریف جلد ۲، ص ۲۴۹)

(۱) اس معاملہ کی شہرت کیسی ہے (۲) اس پر گواہی زبردست ہے یا ضعیف (۳) اس سے ایسے بکو اس عموماً ہو جایا کرتے ہیں (۴) کیا دین کے معاملہ میں سفاہت اور بے باکی سے متم ہے

اب جس کا معاملہ زبردست ہو اس کو سخت سزا دے گا۔ یعنی سنگین قید خانہ زنجیروں میں سخت جکڑ دینا جہاں تک کہ اس کی طاقت کی انتہائی انتہا ہوتا ہے کہ ضرورت کے لیے کھڑے ہونے کو نہ روکے اس کو نماز کے قیام میں ہارج نہ ہو اور یہی ہر اس شخص کا حکم ہے کہ جس پر قتل واجب ہے لیکن اس کے قتل کو دوسرے معنی کے لحاظ سے موقوف رکھا جائے جو اس کو ضروری بناتا ہے اور اس کے معاملہ میں تاخیر کی جاتی ہے کیونکہ اس میں ایک مانع ہے جس کو اس کا حال متقاضی ہے۔ سزا میں سختی کے حالات اس کے حال کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہو جایا کرتے ہیں۔ اور ولید نے امام ملک و اوزاعی سے روایت کیا ہے کہ یہ ارتداد ہے تو جب توبہ کرے تو اس پر سزا نہیں۔ اور ابو عبد اللہ بن عتاب نے اس شخص کے بارہ میں کہ جس نے نبی ﷺ کو گالی دیں اور اسپر دو گواہ گزرے ان میں سے ایک گواہ عاقل تھا یہ فتویٰ دیا تھا کہ اس کو درد اور رنجہ سزا دی جائے اور لمبی قید یہاں تک کہ اپنی توبہ ظاہر کرے اور قاضی نے اس طرح کیا ہے۔ اور جس شخص کا آخری معاملہ قتل ہو پھر کوئی مانع آجائے جو اس کے قتل میں اشکال پیدا کر دے تو اس کو قید سے چھوڑنا چاہیے بلکہ دیر تک قید میں رکھنا چاہیے اگرچہ اس کی اتنی مدت ہو کہ وہ اس مدت تک ٹھہر نہ سکے اور اس پر زنجیر اس قدر ڈالے جائیں کہ وہ اٹھا سکے۔ اور اس طرح اس شخص کے بارہ میں اس نے کہا ہے کہ جس کا معاملہ مشکل ہو جائے تو اس کو زنجیر میں سخت باندھا جاوے اور اس طرح اس شخص کے بارہ میں اس نے کہا ہے کہ جس کا اس کا حال معلوم ہو جاوے (سزا یا قتل یا چھوڑ دینا) اور دوسرے ایسے مسائل میں اس طرح کیا ہے اور سو اکھلی بات کے خون نہیں کیا جاتا۔ اور بے وقوفوں کے لیے کوڑوں اور قید خانہ کی سزا ہوتی ہے اور سخت سزا دی جایا کرتی ہے اور جس پر سواء دو گواہوں کے اور کوئی گواہ نہ گزرا اور مجرم نے ان دونوں کی عداوت ثابت کر دی یا ایسی جرح کی جس کے ان دونوں کی شہادت ساقط کر دی اور یہ بات سواء ان دونوں کے دیگر کسی نے بیان نہیں کی تو ایسے شخص کا معاملہ خفیف ہے کیونکہ اس سے یہ حکم ساقط ہو جائے گا تو گویا اس پر شہادت ہی نہیں گزری مگر اس صورت میں کہ مجرم اس کے لائق ہے اور گواہ مشہور ہوں پھر ان دونوں کی گواہی کو عداوت کی وجہ سے ساقط

کرنا چاہتا ہے سوا گرچہ ان کی گواہی ہے اس پر حکم جاری نہ ہوگا لیکن ان کی سچائی کو یہ بدلتی دور نہ کرے گی اور حاکم کے لیے اس کی سزا دینے میں اجتہاد کا موقع ہے اور اللہ تعالیٰ راہ نمائی کا مالک ہے انتہی۔

یہ تمام ماجرے تو صرف حضور پاک ﷺ و انبیاء عظام کے گستاخی کرنے کے تھے اب رہا حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ اکرم اللہ وجہہ کے حق میں جو اس نے بے ادبی کی ہے واقعی یہ الفاظ نہایت توہین کے ہیں ایسے الفاظ کسی عام اور معمولی مسلمان کے حق میں بھی کہیں وارد نہیں ہوئے چہ جائیکہ ایسی چیدہ و برگزیدہ ہستی جو کہ شرف صحابیت و اہل بیت ہونے سے مشرف حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے قبلہ کی طرف تھوکا آپ نے فرمایا کہ اس نے خدا اور اس کے رسول کی توہین کی ہے آئندہ یہ شخص کبھی کسی نماز کی امامت نہ کرائے اور فقہاء شامی وغیرہ لکھتے ہیں حرمة المسلم الواحد رجح من القبلة اور خود خداوند فرماتا ہے وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ • (سورۃ منافقون، ۷) تو جب ایک مسلمان کی اس قدر عند اللہ احترام ہے تو ایسے جلیل القدر اصحاب اہل بیت اور مقتداء اسلام کو خاک نعلین سے نسبت بلکہ اس سے کمتر کہہ دینا کیسی توہین و تحقیر بلکہ سب و دشنام ہے شفاء قاضی عیاض کے اخیر میں ہے کہ جو شخص اس آدمی کو سب کرے جس کو اہل بیت سے نسبت ہے تو اس کو دردناک ماردینی چاہیے اور اس کو مشہور کیا جائے اور دیر تک قید میں رکھا جائے حتیٰ کہ اس کی توبہ ظاہر ہو کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں خفت ہے انتہی۔ واللہ المہادی

الحاصل زید اپنے بکواس میں معزز محترم عند اللہ ہستیوں کی توہین کی ہے اور ہر ایک توہین کی اس کو علیحدہ علیحدہ سزا دینی چاہیے لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اقامت حدود و تعزیرات ہر ایک کا کام نہیں ہے بلکہ حاکم وقت یا جو اس کی طرف سے اس کام کے لیے تعینات کیا گیا وہ منجانب حاکم۔ ہاں البتہ اقدام جرم کے وقت اگر کوئی مسلمان اس پر قادر ہو جائے تو تعزیر دے سکتا ہے اور وہ وقت گزر گیا تو پھر سوائے حاکم سے اقامت تعزیر ناممکن جیسا کہ در المختار

جلد ۳ ص ۱۸۶ میں ہے وبقیمہ کل مسلم حال مباشرة المعصية قنية و فلما بعده فليس ذلك تغير الحاكم یعنی ہر مسلمان تعزیر کی اقامت کر سکتا ہے بوقت اقدام جرم کے اور اس کے بعد سوائے حاکم کے دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔ اور شامی میں ہے کہ اگر اس نے اس مجرم کو اس وقت تعزیر دی جبکہ وہ اس جرم کے ارتکاب میں مشغول تھا تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ نہی عن المنکر اور نہی عن المنکر کے تمام مسلمانان مامور ہیں۔ اور اگر فراغت کے بعد تعزیر دی تو یہ نہی میں داخل نہیں ہے کیونکہ جو فعل گزر جائے اس سے نہی ناممکن تو یہ سوائے امام کے دیگر کوئی نہیں کر سکتا۔

اب زید اور اس کے ہم خیال تمام کے تمام اس جرم میں شریک اور مساوی الحال لیکن دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ وقت میں حکومت غیر مسلم ہے جس نے ایسے لوگوں کو ایسے گستاخی و بے باکی کی جرات دلائی تمام مسلمانان ایسے لوگوں کو سزا دینے اور دلانے سے بے بس ہیں۔ ہاں البتہ ایسے معاملہ میں قانونی سزا بھی متصور ہے ممکن ہے کہ کوئی حاکم شرع اہل انصاف درد دل رکھنے والا غیرت مند اس معاملہ کو محسوس کر کے دفعہ ۵۰۴ تعزیرات ہند میں لاکر زید اور اس کے ہم خیال پارٹی کو سزا مناسب دے کر کفرِ کردار تک پہنچائے۔ کسی لائق بارسٹر وکیل مسلم سے مشورہ لے کر اس کام کو چلانا تمام غیر مسلمانان کا فرض اولین ہے۔ حضور پاک ﷺ کی شان عالی میں ایسی گستاخیاں اور بے ادبیاں سن کر مسلمانان کو چپ چاپ بیٹھنے کا کوئی حق نہیں بلکہ غیرت اسلامی کی رگ کو جنبش دے کر تمام اہل اسلام اتفاق کر کے حضور پاک ﷺ کے حقوق کی حفاظت کے لیے سرگرم ہو جائیں اور قانونی حدود کے اندر رہ کر خوب مقابلہ کریں اولاً تو مقدمہ میں ہر ایک مسلم چارہ جو اور مدعی اور اس مقدمہ کے مصارف کے تمام اہل اسلام متکفل۔ اور اس مقدمہ کو انتہائی مدارج تک پہنچانا چاہیے۔

اگر خدا نخواستہ مقدمہ چل نہ سکے مگر اہل اسلام میں اتنی جرات نہ ہو کہ اسکو چلائیں تو کم از کم اخیرى اور نچلا درجہ امر معروف کا بایکاٹ اور قطع تعلقات ہے خداوند عالم جل شانہ کا خاص ارشاد ہے فَلَا تَقْعُدُوا بَعْدَ الذِّكْرِى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ • (سورة الانعام، ۶۸) ان سے تمام تعلقات قطع

کر دیے جائیں اگر امام ہیں تو امامت سے معزول اور اگر کسی مکتب اسلامیہ کے مدرس ہیں تو ان کو اس سے علیحدہ کر دیا جائے نہ اس سے کلام نہ سلام اور نہ نشست و برخاست غرض کسی مجلس اسلامی میں ان کو ہرگز نہ آنے دیں۔

ضياء شمس الانوار

في تحقيق

سماع الابرار والفجار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العلمین - والعاقبة للمتقین - و الصلوة السلام علی سید المرسلین رحمته للعلمین محمد و علی الو اصحابه و اولادوه اجمعین - اما بعد مسکین احمد الدین بن الشیخ غلام علی الحق الشیسی السیوی عرض پرداز ہے کہ ان دنوں میں ایک رسالہ موسومہ بہ خیر النواہی فی حرمتہ الملاہی مولفہ مولنا، مولوی محمد عین القضاة حیدر آبادی بذریعہ بعض احباب بخد مت اقدس سلطان التارکین برہان العارفین امام السالکین قدوة الواصلین ورثۃ الانبیاء والمرسلین طباء الغرباء والمساکین امیر الامراء والسلاطین دلیل المتحیرین انیس المضطربین غوث زمان قطب العالمین سید العلماء سند الاولیاء الکاملین زبدۃ المحققین عمدۃ المدققین قبلہ عالم منظور حق حافظ المملۃ والدین حاجی الحرمین الشریفین سید المجاہدین غازی الاسلام حامی المسلمین سید ناسدنا مولانا و مرشدنا حضرت غازی حافظ شیخ الاسلام خواجہ محمد ضیاء الحق والدین ادام اللہ تعالیٰ برکاتہم و فیوضاتہم علینا و علی سائر المسترشدین الی ایوم الدین آمین یا رب العالمین مسند آراء بلدہ طیبہ سیال شریف کے پہنچا۔ حضور مدوح نے اُس رسالہ کا جواب تو سر دست جناب منشی غلام حیدر صاحب (جو کہ ایک لائق فائق چیدہ برگزیدہ روزگار ہیں۔ اور مدرسہ شریفہ ضیاء شمس الاسلام سیال شریف کا محرر ہونے کے علاوہ تمام کاروبار نوشت و خواند اور لنگر شریف کے املاک کی غور و پرداخت انہیں کے سپرد ہے) کو بلا کر مطابق تحقیق رئیس المحققین فخر المدققین جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے لکھوا کر ارسال فرما دیا۔ خود حضور مدارج النبوت کو مد نظر رکھ کر تقریر فرماتے رہے۔ اور منشی صاحب موصوف تحریر میں لاتے گئے۔ چنانچہ حدیث میں رسالہ تیار ہو گیا۔ جو سراپا احقاق حق و ابطال باطل مجسم تھا۔ اُس کے ہوتے ہوئے سالکین مسالک علیہ و عارجلین معارج رفیعہ کو اپنے معمولات میں رکاوٹ پیدا نہ ہوگی۔ اور نہ ہی مخالفین کو اس کے برخلاف دم مارنے کی طاقت رہے گی۔ حضور قبلہ عالم کا ارادہ مبارک تو اس مسئلہ میں لکھنے کا بہت کچھ تھا۔ الا مشاغل ضروریہ نے اس قدر فرصت دینے سے انکار کیا۔ لہذا اس ناچیز بے بضاعت کم استطاعت کو رسالہ خیر النواہی

مذکورہ کی تردید کا ارشاد فرمایا تاکہ مخالفین گیدڑ کا پروانہ ہاتھ میں لے کر صوفیہ کرام کو ستاتے اور اہل حق کی ایذا رسانی کے گیت نہ گاتے پھریں۔ گو میری حیثیت اور لیاقت تو اتنی نہ تھی کہ ایسے بار گراں کا بوجھ پر سر پر اٹھاؤں۔ جیسا کہ خواجہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

آسمانِ بارِ امانت نتوانست کشید

قرعہ فالِ بنامِ من دیوانہ زدند

خصوصاً وہ مسئلہ جس کی تنقید پہلے وہ مبارک ہستیاں فرما چکی ہیں جو کہ علوم معقولہ و منقولہ کے ماہر ہونے کے علاوہ دریائے معرفت کے اعلیٰ شناور ہیں۔ گویا مجمع الاسرار ہیں۔

پائے من لنگ است و مرل بس دراز

دستِ من کوتاہ خرما پر تنخیل

مگر مقتضاء المامور مجبور ارشاد واجب الانقیاد کی تعمیل میں ہوشیار ہمت باندھ لی۔ ہرچہ بادا باد ماکشتی در آب انداختم یہ خام تحریر اس رسالہ کی جس کو حضور قبلہ عالم نے تالیف فرمایا تفسیر ہے۔

میں امید کرتا ہوں بلکہ یقین سے کہتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ بامدادِ ظاہری و باطنی آں قبلہ دو جہاں کے اللہ تعالیٰ جل جلالہ مجھے اس کارِ عظیم میں کامیابی اور سرفرازی بخشے گا۔

بلبل از فیضِ گل آموخت سخن ورنہ نبود

ایں ہمہ قول و غزل تعبیه در منقارش

اور اس رسالہ کو جو محض بغرضِ احقاقِ حق لکھا گیا ہے۔ زیورِ مقبولیت پہنائے گا۔

فعلی اللہ تو کلت والیہ انیب اس رسالہ کا نام ضیاء شمس الانوار فی تحقیق سماع الابراہم و الفجار رکھا ہے۔ اس کی تحریر گو کتب معتبرہ متفرقہ سے امداد لی گئی ہے۔ الا دو کتابیں جو کہ دو جلیل القدر فاضلوں کی تصنیف ہیں جن کی رفعت و جلالت اطہر من الشمس ہے بمقتضاء فرمان واجب الاذعان تو اس کی تعیین قبل از استدلال ضروری تھی۔ کیونکہ بگملہ شرائط صحت دعوے جمعین مدعا بھی ہے۔

جیسا کہ عامہ کتب فقہ میں موجود ہے۔ اور کتب مناظرہ میں بخوبی مذکور ہے۔ بہر حال یہ دعویٰ جناب کا نہ شرعاً قابلِ سماعت ہے اور نہ رواجاً۔ اب اس مسئلہ کی تحقیق بنا بر اقوال محققین کے کی جاتی ہے۔ جس سے حقیقت منکشف ہو جانے کے بعد معلوم ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ کہ فاضل معاصر نے کس قدر گستاخی اور بے باکی سے کام لیا ہے۔ وباللہ التوفیق

بیا نِک دہلِ گویِ نیم آں حکایتِ

کہ از نہفتنِ او دیکِ سینہ میزد جوش

تحقیق المرام فی هذا المقام یہ ہے کہ سماع میں قدیماً وحديثاً قولاً وفعلًا بڑا اختلاف ہے۔ محدثین وفہما وصوفیاء کرام کے اقوال میں اس میں اپنے اپنے مشرب کے مطابق متفرق ہیں۔ اور آئمہ مجتہدین کے افعال و اقوال بھی اس بارہ میں مختلف ہیں۔ اور روایات بھی اس میں بکثرت وارد ہیں۔ بعض حرمت اور بعض کراہت اور بعض اباحت اور بعض استحباب پر دلالت کرتے ہیں اور علماء محققین نے جانبین سے رسائل اور فتاویٰ لکھے ہیں ولکل وجہ ہو مو لہا لیکن اگر انصاف کا سرمہ آنکھوں میں لگا کر نظر دقیق سے دیکھا جائے تو حق بین بین ہے۔ جس پر فریقین کا اتفاق ہو سکتا ہے۔ اور اختلاف بالکلیہ مرتفع ہو سکتا ہے۔ مگر یہ ہر ایک کا کام نہیں۔ بلکہ خاص حقائق دان نکتہ شناس کا کام ہے۔

ہزار نکتہ باریک تر ز مواہجاست

نہ ہر کہ سر بتر اشد قلندری داند

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سماع خواہ مجرد غنا ہو یا مع المزامیر فی حد ذاتہ مباح اور حلال ہے۔ اس کی ذات میں نہ کوئی حرمت ہے نہ قباح۔ الا بوجہ لحوق عوارض ذمیمہ کے مذموم ہو جاتا ہے۔ اور اگر ان عوارض سے معری ہو تو اپنی حلت پر رہتا ہے۔ گویا اس کے دو قسم ہوئے۔ ایک مشروع اور دوسرا غیر مشروع۔ مشروع ان روایات کا محمل ہے جو اباحتِ سماع پر دال ہیں۔ بناء علیہ علی الاطلاق حرمت سماع کا فتوے دینا بھی غلط۔ اور علی الاطلاق اباحت سماع کا فتوے بھی غلط۔

سماع مشروع وہ ہے کہ مجلس صلحاء میں بغرض صالح استعمال کیا جائے تو اس کی تعیین قبل از استدلال ضروری تھی۔ جیسا کہ عامہ کتب فقہ میں موجود ہے۔ اور کتب مناظرہ میں بخوبی مذکور ہے۔ بہر حال یہ دعوے جناب کا نہ شرعاً قابلِ سماعت ہے اور نہ رواجاً۔ اب اس مسئلہ کی تحقیق بنا بر اقوال محققین کے کی جاتی ہے۔ جس سے حقیقت منکشف ہو جانے کے بعد معلوم ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ کہ فاضل معاصر نے کس قدر گستاخی اور بے باکی سے کام لیا ہے۔ وباللہ التوفیق

سماع مشروع وہ ہے کہ مجلس صلحاء میں بغرض صالح استعمال کیا جائے اس کی اباحت میں تو کوئی بھی اہل حق شک نہ کرے گا۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ اور کبار صحابہ کے افعال و اقوال اس کی سرکوبی کر دیں گے اور غیر مشروع وہ ہے جو مجلس فساق میں بغرض لہو و لعب مستعمل ہو۔ اس کی حرمت میں کوئی بھی شک نہیں کرتا۔ اب پہلا قسم سماع بلا تفاق حلال اور دوسرا بلا تفاق حرام فادفع الاختلاف من البین باذن رب الخافقین اس مدعا کے اثبات میں وجوہات و دلائل پیش کیے جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ الا پہلے وجہ اختلاف علماء کرام اس سماع میں ذکر کرنی ضروری ہے۔ بعدہ حقیقت حال پر روشنی ڈالی جائے گی وباللہ التوفیق۔

وجہ الاختلاف فی السماع:

امام غزالی نے احیاء العلوم میں اور محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں وغیرہما فی غیر ہما میں ذکر کیا ہے۔ کہ سماع زمانہ قدیم سے عموماً فاسقوں اور شراب خوروں میں رائج تھا۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں بھیجا گیا ہوں اور امر کیا گیا ہوں کہ معارف کو محو کردوں اور زنا اور شراب سے منع کردوں ازیں سبب غنا کا نام بھی لہو ہو گیا۔ اور ملایہ کے باب میں اس کو ذکر کرنے لگے۔ پھر جب بحسب تعلیم حضور اقدس ﷺ ان امور منکرہ یعنی شراب خوری کے آثار محو ہو گئے۔ اور منکرات کا ازالہ ہو گیا۔ اور یہ رسم و عادت مسلمانوں میں نہ رہی۔ تو صالحان اور پارسایان بھی اس میں پڑ کر محظوظ ہونے لگے۔ اور فسق و منکرات اور ان کی مجالس سے پرہیز میں رہے۔ اور دوسری جماعت نے جب دیکھا کہ یہ عادت فاسقوں کی ہے۔ اور اس میں شامل ہونے

سے ان سے مشابہت لازم آئے گی۔ اور یہ بھی لحاظ تھا کہ ہمارے خیالات بھی ویسے نہ ہو جائیں۔ تو اس سے پرہیز میں رہے۔ اب اگر شارع سے بایں غرض کوئی وعید یا تہدید وارد ہوئی ہو تو بعید نہیں۔ اور یہ جو محدثین کہتے ہیں کہ سماع کی حرمت میں کوئی نص شارع سے ثابت نہیں ہوئی۔ اور نہ حدیث صحیح آئی ہے۔ ان کی اس سے مراد یہ ہے کہ علی الاطلاق حرمت سماع کی ثابت نہیں ہوگی۔ خواہ مجالس فساق ہو یا صلحاء اور نہ اس کی حرمت ذاتی ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ زنا و شراب کی حرمت ذاتی ثابت ہوئی ہے بلکہ حرمت صرف اسی حالت میں ہے جب مجلس فساق بغرض تماشا اور لہو و لعب کے ہو۔

اس حال کی مثال قصہ برتنوں کا ہے۔ جن میں قدیم زمانہ میں شراب کا استعمال کیا جاتا تھا۔ جن کے نام ختم مزفت فقیر دیا تھے۔ جب شراب حرام ہو گئی۔ تو ان برتنوں کے استعمال سے بھی ممانعت آگئی۔ نہ اس واسطے کہ ان میں کوئی ذاتی قباحت و نجاست تھی۔ ورنہ بعد میں ان کا استعمال مباح نہ ہوتا۔ بلکہ بغرض مٹانے آثار شراب کے پھر جب شراب کی حرمت مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھ گئی۔ اور لوگ اس سے بالکل منحرف ہو گئے۔ اور آثار کے مٹانے کی حاجت نہ رہی تو ان برتنوں کے استعمال کی اجازت آگئی۔ مگر پھر بھی ان برتنوں کے بارہ میں علماء کرام کی دو جماعتیں ہو گئیں۔ بعض ان کی حرمت سابقہ پر رہے۔ اور ان کو اجازت جدید نے کچھ بھی نہ ہلایا۔ اور بعض نے اجازت جدید کو قابل عمل تصور کر کے اس کو اپنا معمول بہ قرار دیا کما ہو مصرح فی موضعہ

اب اس مسئلہ سماع میں بھی علمائے کرام کے دو فرقے ہو گئے۔ ایک تو بنظر عادت و رسم قدیم جو کہ مجلس فساق کے فروغ و دہ ہونے کی وجہ سے احتیاط پر پابند ہو کر ایسے ہی ٹھہر گئے۔ اور تقویٰ اور ورع نے ان کو ایسی مجالس کی حاضری سے روک رکھا۔ تاہم اس سے حرمت سماع ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر کوئی شخص اطعمہ لذیذہ کھانے سے اس غرض سے پرہیز کرے۔ کہ شاید نفس امارہ تازگی میں آکر کہیں غالب نہ ہو جائے۔ تو اس سے اس کھانے کی حرمت کب ثابت ہوتی ہے کلا و حاشا اور دوسرے فریق نے حقیقت حال سے واقف ہو کر یہ فیصلہ کر دیا۔ کہ اگر اس میں علامات

فسق و فجور ہیں تو حرام ہے ورنہ حلال ہے۔ اصل حقیقت حال تو یہ ہے۔ آگے فاضل معاصر جیسے فہیم انسان کے ہاتھ میں قلم آگئی جو دل میں آیا لکھ دیا۔

الاستدلال علی اباحۃ السماع:

پیشتر مذکور ہوا۔ کہ سماع کے دو قسم ہیں۔ مشروع وغیر مشروع۔ غیر مشروع کے دلائل و جواہات تو فاضل معاصر نے اپنے رسالہ میں بڑی دھوم دھام سے بھرپور کر دیے ہیں۔ ان کے دوہرانے کی کوئی حاجت نہیں۔ لہذا سماع مشروع کے چند جواہات و دلائل بطور مشتم نمونہ خروارے ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں۔ اور اس کا فیصلہ ان کی فطرت سلیمہ پر رکھا گیا ہے۔

الاول اصل حلت و اباحت سماع کی دلیل یہ ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں ذکر کیا ہے۔ کہ خود جناب سرور کائنات ﷺ نے فتح مکہ کے روز سورۃ فتح کو ترجیع کے ساتھ تلاوت فرمایا۔ گو بعض شراح اس حدیث کی یوں تاویل کرتے ہیں کہ یہ ترجیع اختیاری یعنی غنا نہیں تھا۔ بلکہ اضطراری بوجہ جنبش ناقہ جس پر آپ سوار تھے ہوئی تھی۔ لیکن اس تاویل کو شیخ محدث نے رد کر دیا۔ اور کہا کہ اگر ترجیع اختیاری نہ ہوتی تو عبد اللہ بن مغفل اس کو حکایت نہ کرتے۔ تاکہ لوگ اس کے ساتھ اقتدا کریں۔ اور ترجیع کو حضور کی طرف نسبت نہ کرتے۔ علاوہ ازیں احادیث ذیلہ قولیہ میں صریحاً تغنی بالقرآن کی ترغیب دی گئی ہے۔ (۱) زَيْنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ یعنی زینت دہید قرآن را با آواز ہائے خود۔ یعنی قرآن شریف کو خوش آواز سے پڑھ کر زینت دیا کرو۔ (۲) لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ یعنی جو شخص قرآن کو بغیر راگ کے پڑھے گا وہ ہمارے سے نہیں ہے۔ (۳) لِكُلِّ شَيْءٍ حَلِيَّةٌ وَ حَلِيَّةُ الْقُرْآنِ حُسْنُ الصَّوْتِ۔ یعنی ہر چیز کے لیے زیور ہیں۔ اور قرآن شریف کا زیور خوش آوازی ہے۔ (۴) ایک رات ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (کہ بڑے خوش آواز تھے۔ اور خوش خواں بھی۔ اور حضور کریم ﷺ نے اس کے حق میں فرمایا ہے اعطی مزمارا من مزامیر ال داود) قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ اور جناب رسول خدا ﷺ خفیہ طور سنتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے ابو موسیٰ کو اطلاع دی۔ ابو

موسیٰ نے کہا کہ افسوس اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ میرا قرآن شریف سنتے ہیں۔ تو میں زیادہ خوش الحانی سے پڑھتا۔ فائدہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض غناء کے ساتھ قرآن شریف کو پڑھنا جائز قرار دیتے ہیں۔ خواہ اس میں افراط اور شباع حرکات میں کیوں نہ آجائے خواہ قوانین موسیقی یعنی راگ کے ساتھ بھی پڑھا جائے۔ اور بعض مطلقاً منع کرتے ہیں۔ اور حق جو کہ انصاف کا دائرہ کا مرکز ہے۔ وہ یہ ہے کہ خوش الحانی اور تغنی بالقرآن کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ بدون تکلف و تصنع کے خود بخود صادر ہوتی جائے۔ جیسا کہ ابو موسیٰ سے ہوتی تھی۔ دوسرے یہ کہ تصنع کے ساتھ ہی کیا جائے۔ پہلا قسم جائز بلکہ مستحسن ہے۔ اور دوسرا ناجائز الکمل فی الممدار ج۔

الثانی یہ کہ امام بخاری نے ربیع بنت معوذ سے روایت کیا ہے کہ جب میری شادی ہوگئی تو سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لا کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں دولڑکیاں آ کر دف بجانے اور شہداء بدر کے محاسن گانے شروع کر دے۔ اتنے میں ان میں سے ایک نے یہ مصرع پڑھا۔
و فینا نبی یعلم ما فی الغد یعنی ہمارے بیچ میں نبی ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اس لفظ کو چھوڑ دو۔ اور پہلا مضمون گاتے چلیو

الثالث یہ کہ امام بخاری نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے۔ کہ ایک عورت کی شادی ایک مرد انصاری کے ساتھ کی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ لہو یعنی گانا بجانا کیوں نہیں۔ کیونکہ انصار لوگ لہو کو پسند کرتے ہیں۔

الرابع یہ کہ امام مسلم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ کہ ایک دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور میرے پاس دولڑکیاں گاتی اور دف بجاتی تھیں۔ اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ مبارک پر کپڑا اوڑھا ہوا تھا۔ ابو بکر نے ان کو منع کیا آپ نے منہ مبارک سے کپڑا اتار کر فرمایا۔ چھوڑو ان کو اے ابو بکر عید کے ایام ہیں۔

الخامس یہ کہ امام احمد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ حاطب سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فصل ما بین حلال و حرام کے آواز (گانا) اور دف کا بجانا ہے۔ مطلب اس

حدیث کا یہ ہے کہ جس نکاح میں گانا اور بجانا ہو وہ جائز ہوتا ہے۔ اور جس میں یہ نہ ہوں تو وہ نکاح کا عدم ہے۔

السّادس یہ کہ ابن ماجہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک رشتہ دار عورت کی کسی انصاری کے ساتھ شادی کر دی۔ حضور کریم ﷺ جب تشریف لائے پوچھا کہ تم نے عورت کو بھیج دیا ہے یعنی اس کی شادی ہو گئی۔ عرض کیا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ کوئی گانے والی بھیجی یا نہ۔ عرض کیا کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قوم انصار کو گانے کا بڑا شوق ہے۔ اگر اس کے ساتھ کوئی ایسا آدمی ہوتا۔ تو یہ شعر گاتا جاتا تو اچھا ہوتا۔

اتینا کم اتینا کم

فحیانا و حیاکم

یعنی آتے ہیں ہم تمہارے پاس آتے ہیں ہم تمہارے پاس۔ پس مبارک ہو ہمیں اور مبارک ہو تمہیں۔

السّابع یہ کہ ابن ماجہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول خدا ﷺ مدینہ طیبہ کے کسی محلہ میں تشریف لے جا رہے تھے۔ وہاں عورتیں یہ شعر دف اور راگ کے ساتھ گاتی تھیں

نحن جوار من بنی النجار

یا حبذا محمد من جار

یعنی ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں۔ محمد ﷺ ہمارا عجیب پڑوسی ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ کہ میں تم کو دوست رکھتا ہوں۔

الثامن یہ کہ بیہقی نے دلائل النبوة میں روایت کیا ہے کہ جب رسول خدا ﷺ جنگ تبوک سے بفتح و نصرت واپس تشریف لائے تو عورتوں نے مبارک باد میں یہ شعر پڑھا۔

طلع البدر علينا من ثنية الوداع

وجب الشكر علينا ما دعى الله الدع

یعنی ثنیۃ الوداع سے ہم پر چاند طلوع کیا۔ ہم پر شکر واجب ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے والا دعا مانگے۔

التاسع یہ کہ صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خندق کی کھودائی کے وقت صحابہ یہ شعر پڑھتے تھے۔

نحن الذين بايعوا محمدا

على الجهاد مابقينا ابدًا

یعنی ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جہاد پر بیعت کی جب تک زندہ رہیں گے۔ اور حضور کریم ﷺ ان کے جواب میں یہ شعر پڑھتے تھے۔

والله لو لا الله ما اهتدينا

ولا تصدقنا ولا صلينا

وانزلن سكينه علينا

وثبت الاقدام ان لا قينا

ان الاولي قد بغوا علينا

اذا اراد و افتنه احينا

اور کلمہ اچینا کو بار بار دوہراتے۔ اور آواز کو بلند فرماتے تھے ترجمہ ان اشعار کا یہ ہے۔ خدا کی قسم ہے کہ اگر خدا نہ ہوتا تو ہم ہدایت پر نہ آتے۔ اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔ یا اللہ ہمارے اوپر سیکنت نازل کر۔ اور جب ہم دشمنوں کا مقابلہ کریں تو ہمارے قدموں کو ثابت رکھ۔ یہ لوگ ہمارے اوپر بغاوت کرتے ہیں۔ جب فتنہ کا ارادہ کریں تو ہم انکار کرتے ہیں۔

فتلك عشرة كاملة

علیٰ ہذا القیاس اس مضمون کی احادیث کو اگر لکھا جاوے تو ایک دفتر وسیع چاہیے لہذا اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے والعقل تکفیه الاشارة

الحاصل ان احادیث کی عبارت النص نے مواععات ذیلہ میں گانے بجانے کو ثابت کر دیا (۱) شادی کے وقت عام ازیں کہ خاس بوقت انعقاد نکاح ہو جیسا کہ احادیث میں مروی ہے ایلنو النکاح ولو بالدف یعنی ظاہر کرو نکاح کو اگرچہ دف کے ساتھ بھی ہو۔ یا بوقت زفاف یا بعد ازاں (۲) خوشی مباحہ کی مبارکبادی کے وقت (۳) خوشی پہنچنے کے وقت (۴) دوستوں کی ملاقات کے وقت (۵) کسی نیک کام کی تحریص و ترغیب کے وقت اور ان کی اشارة النص نے مواععات ذیلہ میں گانے بجانے کی اجازت دے دی۔ اور حقیقت بتلادی۔ (۶) ولیمہ کے وقت (۷) عقیقہ کے وقت (۸) ختنہ کے وقت (۹) اعراس بزرگان دین کے وقت (۱۰) ختم قرآن شریف کے وقت (۱۲) ولادت لڑکا کے وقت جیسا کہ احیاء العلوم میں ہے۔

فائدہ واضح ہو کہ اعراس بزرگان دین میں جو سماع مروج ہے وہ بھی انہیں احادیث سے مستنبط ہے۔ جیسا کہ حضرت مولانا شیخ الہند مولوی امداد اللہ مہاجر کی قدس سرہ نے فیصلہ ہفت مسئلہ میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ لفظ عرس اس حدیث سے ماخوذ ہے نم کنومة العروس یعنی بندہ صالح سے کہا جاتا ہے کہ عروس کی طرح آرام کر، کیونکہ موت مقبولان الہی کے حق میں وصال کی دو لحاظ سے مشروعیت ہوگی اول یہ کہ اس دن اس بزرگ کا وصال ہوا ہے الموت جسرو یوصل الحبيب الی الحبيب چونکہ دوستوں کی ملاقات کے وقت سماع ماثور و منقول ہے کہ جیسا کہ احادیث سابقہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ تو اولیائے کرام جنہوں نے تمام عمر محبت الہی میں فنا کر دی۔ جب وہ اپنے محبوب کو ملیں اس دن سماع نہایت مستحسن ہوگا۔ وہ نہایت ہی خوشی کا دن ہے۔

خرم آں روز کزین منزل ویران بردم

راحت جان ظلم بردر جاناں بردم

دوئم یہ کہ ایسے موقعہ میں ہزاروں صلحاء و اولیاء جمع ہو کر آپس میں ملتے جلتے ہیں یہ دن ان

کے لیے وصال مجبورین کا روز ہے۔ تو اس لحاظ سے بھی سماع مستحسن ہوگا۔

الحاصل اس بیان بسط سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ حضور کریم ﷺ کے سامنے آپ کی اجازت سے غنا مع المزامیر کا استعمال کیا گیا۔ بلکہ خود حضور ﷺ نے کلام الہی کو خوشی فتح میں اسی لہجہ سے پڑھا اور ابو موسیٰ اشعری سے بھی خوش الحانی سے سنا۔ اور خوش الحانی سے پڑھنے کی ترغیب بھی دی۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اس طرح نہ پڑھے گا وہ ہمارے سے نہیں اور اشعار مناسبہ خود بھی پڑھے۔ اور صحابہ کبار کے ساتھ مشاعرہ بھی فرمایا۔ اب بتلائیے کہ وہ کون سی چیز باقی رہی جس کو فاضل معاصر حرمت کا حکم لگا بیٹھے ہیں۔ فعل رسول اکرم ﷺ کو تو کسی کی مجال نہیں کہ حرام کہ سکے۔ اب قرآن شریف کو راگ سے پڑھنا اور اس کو کان دھر کر سننا اور اشعار کا پڑھنا اور سننا اور دف بجانا یہ سب تو طیب حلال ہیں۔ باقی حرمت کس کے حصہ میں آئے گی۔ البتہ وہ اشعار جن کا مضمون مذموم ہو یا وہ سماع جو محافل فساق میں بغرض لہو و لعب ہو تو اس کی حرمت و قباحت پر توافق ہے۔ لیکن غنا کو علی الاطلاق حرام کہہ دینا ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

من نمیدانم کہ ایں سخن ترا تقریر چیست

خود بگو آخر ز تقریر سخن اے بو الہوس

قال اور ایسا ہی جتنے آلات ملا ہی ہیں جن کو معازف کہتے ہیں۔ سب حرام ہیں۔

اقول وباللہ التوفیق یہاں تو جناب نے حرمت معازف کی ایسی تعیم کی جس سے کسی جزئی کے نکلنے کا احتمال تک نہ چھوڑا۔ لیکن آگے جا کر بعض معازف کو اس حرمت سے مستثنیٰ کر بیٹھے۔ لہذا اس قدر عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر اس حرمت کی تعیم ہی مقصود تھی تو پھر تخصیص کیسی۔ اور اگر تخصیص ہی منظور تھی۔ تو یہاں ایسی تاکید کی تعیم کیسی۔ بہر کیف یہ دعویٰ بھی قابلِ ترمیم ہے۔

مزن بے تامل بکشتار و م

نکو گوے گردیر گوئی چہ غم

باقی رہی معازف کی حلت یا حرمت۔ اس کی نسبت ذرا کان رکھ کر سنئے۔

تحقیق المرام فی هذا المقام یہ ہے کہ فی الاصل و فی حد ذاتہ تمام انواع معارف و مزامیر مباح ہیں۔ ان میں ذاتی حرمت ہرگز نہیں۔ بلکہ عوارض ماحقق کی وجہ سے کبھی حرمت عارض ہو جاتی ہے۔ اور ان عوارض مذمومہ کا عنقریب ذکر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ تو گویا مزامیر بھی دو قسم ہیں ایک مشروع دوسرے غیر مشروع۔ یعنی اگر عوارض ذمیمہ سے معری ہیں تو مشروع ہیں۔ اور اگر عوارض ذمیمہ کے ساتھ ملحق ہیں تو غیر مشروع۔ اب جن روایات کا مفاد اباحت ہے ان کا محمل پہلا قسم ہوگا اور جن کا مدلول حرمت ہے ان کا محمل دوسرا قسم ہوگا فحصل الوفاق و ارتفاع الشقاق اور چونکہ فاضل معاصر نے روایات محرمہ کو اپنے رسالہ میں بکثرت ذکر کر دیا ہے۔ اس لیے ان سے اعراض کر کے صرف روایات محللہ کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے جس سے ناظرین خود فیصلہ کر کے میرے مدعا کی تائید کر دیں گے۔

الاستدلال حدیث شریف میں ہے کہ ایک عورت نے حضور کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس نذر کی وفا کرو یعنی میرے روبرو دف بجارواہ ابوداؤد اور یہ بھی حدیث شریف ہی لا نذر فی معصیۃ رواہ ابو داؤد و الترمذی و النسائی یعنی گناہ کے کام کی اگر نذر مانی جائے تو اس کی وفا لازم نہیں ہوتی۔ تو ان دونوں صورتوں سے مابہ الاشتراک اباحت دف علی الاطلاق ثابت ہو گیا۔ ورنہ وفاء نذر کا حکم نہ فرماتے نیز احادیث مقدمہ سے بخوبی روشن ہوا کہ حضور کریم ﷺ کے زمانہ میں دف مواقع مختلفہ میں آپ کے حکم سے بجائی گئی ہے۔ اگر حرام ہوتی تو آپ بنفس نفیس اس کو ہرگز نہ سنتے دوسرا قسم معارف کا عود ہے جس کو بربط بھی کہتے ہیں۔ اور اس کی تاریخیں ہوتی ہیں۔ جنکو زیروم کہتے ہیں۔ اور غیاث اللغات میں ہے کہ عود کو ہندی میں طنبور اور رباب کہتے ہیں۔ شیخ محدث دہلوی نے کہا ہے کہ عبد اللہ بن جعفر و عبد اللہ بن عمرو و عبد اللہ بن زبیر و معاویہ بن ابی سفیان و عمرو بن عاص و حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان جملہ صحابہ کبار سے منقول ہے کہ بربط کو سنا کرتے تھے۔ اور غیر صحابہ سے عبد الرحمن بن حسان و خارجہ بن زید جو

فقہاء سبعہ مدینہ میں سے ہیں ان سے بھی اس کا سماع منقول ہے۔ اور استاد ابو منصور نے زہری و سعید بن مسیب و عطاء بن ابی رباح و شعبی و عبد اللہ بن ابی عتیق و اکثر فقہاء مدینہ منورہ سے اس کا سماع نقل کیا ہے۔ اور جلیلی نے عبد العزیز بن ماجنون سے نقل کیا ہے۔ کہ وہ عود کے سننے میں رخصت دیتے تھے ابراہیم بن سعد نے ایک دن رشید کے پاس آ کر عود طلب کیا۔ رشید نے پوچھا کہ عود مرمر یا حجر۔ ابراہیم نے کہا کہ عود مرمر۔ تو رشید نے سرود عود حاضر کر دیا۔ جس کو اس نے خوب بجایا۔ اور غنا و عود کے جواز کا فتویٰ بھی دے دیا۔ اور ابن سمعانی نے طاؤس سے اس کے جواز کو نقل کیا ہے۔ اور فاکہی نے تاریخ مکہ میں ذکر کیا ہے کہ ایک دن موسیٰ بن معمر نے عطاء بن ابی رباح کو بلایا۔ جب وہ آئے تو وہاں کچھ لوگ گاتے تھے۔ اور عود بجاتے تھے۔ ان کے آنے سے وہ رک گئے۔ انہوں نے کہا کہ جب تک گائیں بجائیں نہیں تو ہرگز نہ بیٹھوں گا۔ پھر انہوں نے اسی طرح گانا بجانا شروع کر دیا۔ وہ بیٹھ کر سنتے رہے۔ ان روایات سے عود کا جواز بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ اگر حرام ہوتا ایسے جلیل القدر صحابہ و تابعین و فقہاء و متورعین و محدثین اس کو ہرگز نہ سنتے۔ یہ ہمارے مقتداء و پیشوا ہیں۔ اُن کے افعال و اقوال ہمارے لیے سند ہیں۔ ان کے افعال ہوئے شہوانی و خواہش نفسانی پر ہرگز محمول نہیں ہو سکتے۔ تو ضرور ہے کہ ان اکابر کو شارع کی اجازت کا علم ہوگا۔ ورنہ ایسا کام جو خلاف شریعت ہو ان سے البعد بمراہل ہے فنبت ان العود حلال مباح سماعھا۔

جب دف اور عود کی اباحت و حلت صریحاً ثابت ہو گئی۔ تو باقی جمیع اقسام مزامیر و معازف کو ان پر قیاس کر کے جملہ مزامیر کو حلال و مباح سمجھا جائیگا۔ اور جہاں تک ان سے کوئی عوارض ذمیرہ عارض نہ ہو تو اُن کو حرام نہ کہا جائے گا و جب اس کی یہ ہے کہ جملہ مزامیر کے آواز دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا تو ان سے غرض تشہیر ہوتی ہے یا تطریب۔ پہلی صورت دف میں موجود ہے۔ اور دوسری عود میں۔ پس جو آلات مشہور ہیں وہ تمام دف پر مقیس ہوں گے۔ اور جو مطربہ ہیں وہ عود پر۔ اور ماہ الاشتراک ان کے وہی دو امر ہیں جو مذکور ہوئے۔ ہاں اگر بغرض لہو و لعب بجائے جائیں تو اُن

کی حرمت عارضی ہوگی نہ ذاتی۔ اور یہ حرمت جمیع انواع مزامیر کو شامل ہوگی خواہ دف ہو یا عود یا غیر اس کے۔ اب اس مدعا کی تصدیق کے لیے روایات فقہیہ ذکر کیے جاتے ہیں۔

علامہ شامی نے رحمۃ اللہ علیہ کہاہے والطبل اذا كان لغير اللهو فلا باس به كطبل الغرارة والعرس لمافي الاجناس ولا باس ان يكون ليلة العرس دف يضرب به ليعلن به النكاح وفي الو لولو الحية يعنى طبل اگر بغرض لہونہ ہو تو تو کوئی خوف نہیں مثل طبل غازیوں اور شادی کے کیونکہ اجناس میں ہے کہ کوئی خوف نہیں کہ شادی کی رات دف بجائی جائے۔ تاکہ اس نکاح کا اعلان کیا جاوے۔ اور و لولو الحیۃ میں ہے

وان كان للغزو والقافلة يجوز اتقانی ملخصاً انتھی کتاب الاجارہ
کہ اگر غازیوں اور قافلہ کے لیے ہے اسی طرح اتقانی میں مختصراً۔

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے رجل استاجر رجلاً ليضرب الطبلان كان للهو لا يجوز وان كان الغزو والقافلة يجوز كذا في غاية البيان انتھی اور و لولو الحیۃ میں ہے رجل استاجر رجلاً ليضرب له الطبل ان كان للهو لا يجوز وان كان للغزو والقافلة يجوز لانه طاعة انتھی ونقل من العتاب قال ابو بكر الوراق لكل قوم مزامير ومزامير العرب والعراق والخراسان الدف وما يلتوى به كالضج والناء ومزامير البدوى الدهل وما يلتوى به ومزامير اهل الهند الدخص وهو ثني يتخذ من الخذف مجوف مطول له طرفان يمينه اشد صوتاً من اليسار يقال له بالفارسية مندل وهو دهل الهند وما يلتوى به والشرع اباحه حالة التزوج اما قبله وبعده فحرام كذا في ملتقط النسفی انتھی۔

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے اگر کسی نے کسی طبل بجانے کے لیے اجیر بنایا۔ اگر بغرض لہو تو جائز نہیں اور اگر غازیوں اور قافلہ کے لیے ہو تو جائز ہے۔ اسی طرح غایۃ البیان میں ہے اور و لولو الحیۃ میں ہے اگر کسی نے کسی کو طبل بجانے کے لیے اجیر بنایا۔ اگر لہو کے لیے ہو تو ناجائز ہے اور اگر غازیوں یا قافلہ کے لیے ہو تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ طاعت اور عبادت ہے اور عتاب ہے۔ منقول

ہے کہ ابوبکر وراق نے کہا ہے کہ ہر قوم کے مزامیر ہیں اور عرب و عراق و خراسان کا مزامیر دف ہے۔ اُس کے مشابہ مثل ضج اور بدوی کے مزامیر دہل یعنی ڈھول ہے یا اس کے مشابہ اور اہل ہند کا مزامیر خض ہے۔ وہ ایک خذف سے بنی ہوئی میان خالی۔ جس کی دو طرفیں ہوتی ہیں۔ دائیں کا آواز بائیں سے زیادہ ہوتا ہے اس کو فارسی میں سندل کہتے ہیں۔ وہ ہندی ڈھول ہے یا اس کے مشابہ اور شریعت نے اس کو شادی میں مباح کیا ہے۔ آگے پیچھے حرام۔

میرے مدعا کی فقہاء (حنفیہ نے پوری پوری تصدیق کر دی ہے۔ یعنی شادی وغیرہ امور شرعیہ میں صرف دف کی خصوصیت نہیں بلکہ جملہ مزامیر اس میں علی السوجائز۔ غرض بہر حال کسی آلات مزامیر کی حرمت ذاتی نہیں۔ اگر ہے تو بوجہ عوارض ذمیمہ لاحق ہو جاتی ہے۔ اگر اس پر بھی آپ کو تسلی نہ ہوئی ہو تو ہم اس کی سند پیش کرتے ہیں جس سے بشرط انصاف آپ کو پورا اطمینان ہو جائے گا۔ شامی رد المحتار میں لکھتے ہیں:

هذا يفيد ان آلة اللهو ليست محرمة لعينها بل لقصد اللهو منها اما من سامعها او من المشتغل بها وبه تشعر الاضافة الاترى ان ضربة تلك الآلة بعينها حل تارة وحرم اخرى باختلاف النية والامور بمقاصدها وفيه دليل لساداتنا الصوفية الذين يقصدون ان يسماعها امورا هم اعلم بها فلا يبادر المعترض بالانكار وكيلا يحرم بركتهم فانهم السادة الاخبار امدنا الله تعالى بامداداتهم واعاد علينا من صالح دعواتهم وبركاتهم انتهى۔

یعنی اس سے ثابت ہوا کہ مزامیر میں ذاتی حرمت کوئی بھی نہیں۔ بلکہ لہو کی نیت ہونے سے آ جاتی ہے۔ خواہ سننے والے سے یا بجانے والے سے اور لہو کی اضافت حدیث کی طرف سے بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ دیکھئے کبھی یہ خاص مزامیر حلال ہوتے ہیں اور کبھی حرام بوجہ اختلاف نیت کے اور کام نیت پر منحصر ہوتے ہیں۔ اس میں ہمارے صوفیائے کرام کی دلیل ہے کہ ان کی نیت اس سماع میں وہ ہوتی ہے جو خود ہی جانتے ہیں۔ پس کسی کو مناسب نہیں کہ ان پر انکار کرے

مبادا کہ ان کی برکات سے محروم ہو جائے۔ وہ اچھے لوگ ہیں اللہ تعالیٰ ان کی امداد ہم پر بھیجے اور ان کی نیک دُعا میں و برکات ہم پر اُتارے۔

لیجیے اب تو علامہ شامی نے آپ کے تمام شکوک رفع کر دیے اور فاضل کے دعوے کی بیخ کنی کر دی۔ پھر سنئے امام غزالی نے اہیاء میں لکھا ہے کہ کسی مزامیر کی حرمت بالکل ثابت نہیں۔ خواہ دف ہو یا طبل یا غیر اس کا مکروہ کہ جس سے منع شرعی وارد ہوئی ہو۔ نہ اس واسطے کہ ان سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ ورنہ تمام لذیذ چیزیں حرام ہوتیں۔ بلکہ واسطے مقارنت محرمات یعنی لہو و لعب و شراب وغیرہ کے۔ میں حیران ہوں کہ فاضل معاصر کس گھمنڈ میں اگر علی الاطلاق حرمت جمیع انواع مزامیر کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں۔ محدثین اور فقہاء کی بات نہ سننے کے علاوہ اپنے استاد مولانا مولوی عبدالحی لکھنوی کی بات کی پروا نہ کی۔ بلکہ صاف مخالفت کی جیسا کہ وہ مجموعۃ الفتاویٰ جلد ۲ ص ۲۵ میں لکھتے ہیں:

وما نقل عن بعض انہم یحرمون المعازف کلہا ویستدلون بالحديث قول لا یعباء بہ منشائہ عدم معرفتہم بکتب الحديث و الفقه انتہی
یعنی یہ جو بعض سے منقول ہے کہ جملہ معازف کو حرام کہتے ہیں اور حدیث شریف سے استدلال پکڑتے ہیں یہ قول ان کا غیر معتبر ہے۔ اس کی منشا اور وجہ یہ ہے کہ کتب حدیث اور فقہ کی مہارت نہیں رکھتے۔

اس بیان سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ مزامیر فی الاصل حرام نہیں ہیں۔ بلکہ مباح ہیں بوجہ عوارض لاحقہ کے البتہ حرام ہو جاتے ہیں۔

العوارض المحرمة للسمع

پہلے مشرحاً مذکور ہوا کہ غنا خواہ مجرد ہو یا مع المزامیر فی نفسہ مباح ہے۔ اس میں ذاتی حرمت یا کراہت ہرگز نہیں۔ البتہ عوارض مذمومہ کے سبب سے حرمت یا کراہت لاحق ہو جاتی ہے اور جب ان عوارض سے مبرا ہو تو نہ حرام ہے نہ مکروہ بلکہ مباح ہے اور عوارض بحسب تصریح امام غزالی

پانچ ہیں اور ایک زیادہ کیا گیا ہے۔ کل چھ ہیں:

- 1 یہ کہ مغنیہ عورت نامحرمہ ہو جس کی طرف نظر کرنا اور اُس کا آواز سننا بوجہ خوف فتنہ شرعاً ناجائز ہو۔ یا نابالغ لڑکا صبیح الوجہ ہو جو محلِ شہوت ہونے کی وجہ سے مثل عورتوں کے ہو۔ ان سے سننا حرام ہے نہ اس واسطے کہ غنا حرام ہے۔ بلکہ خوف فتنہ سے۔ کیونکہ ایسوں سے بات چیت کرنا بلکہ قرآن شریف کا سننا بھی ناجائز ہے۔ اب اگر خوف فتنہ نہ ہو تو حرام نہیں ہے۔
- 2 یہ کہ مزامیر ایسے ہوں جن کی خصوصیت شراب خوروں اور مخمخوں کے ساتھ ہو جن کے استعمال سے اُن کی مشابہت لازم آتی ہو اور اگر ایسے نہ ہوں تو حرام نہیں۔ یعنی جو مزامیر صلحاء کی مجالس میں مروج ہو گئے ہوں تو ان کی حرمت نہیں رہتی۔
- 3 یہ کہ اس مجلس میں قوال ایسی غزلیں پڑھیں جن میں فحش اور بے ہودہ بکواس ہو یا کسی مسلمان کی بھو ہو یا خداوند تعالیٰ یا رسول پاک ﷺ پر افترا ہو یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہتان ہو جیسا کہ ردِ فاضل وغیرہ کرتے ہیں۔ ایسا سماع خواہ منظومہ ہو یا منشورہ خواہ خوش الحانی سے ہو یا نہ، سب حرام ہے۔ قائل اور سامع دونوں شریک فی لاثم ہوں گے یا کسی عورت خاصہ کی وصف مردوں میں کی جائے یہ سب کے سب حرام ہیں۔
- 4 یہ کہ سننے والے پر شہوت غالب ہو اور بدخیال ہو۔ اس حد تک کہ اشعار محمودہ کو محافل مذمومہ پر متہمل کر کے اپنی عاقبت خراب کرے۔
- 5 یہ کہ سننے والا عامی شخص ہو جس کو حلاوت عشق ہرگز نہیں صرف قوالوں کے منہ کی طرف تکتا رہے اور مضامین تک اُس کی رسائی نہ ہو۔ (احیاء)
- 6 قوال یا سامعین کی نیت لہو و لعب ہو اور مجلس فساق و اوباش ہو۔ جو کھیل کی غرض سے منعقد ہو اور اوقات مخصوصہ میں عبادات مفروضہ کی ادائی میں قصور ہو جائے۔ اسی کی طرف کلام الہی کا اشارہ بحسب تصریح بعض مفسرین ہے لیصل عن سبیل اللہ ان عوارض کے لحوق کی وجہ سے سماع حرام ہو جاتا ہے اور اسی پر محمول ہیں تمام عبارات کتب فقہ و حدیث جن میں

حرمت سماع مذکور ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مواقع السماع

امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ سات موقعہ ہیں جن میں اغراض مخصوصہ کے لیے سماع مشروع و مروج ہے:

(اول) غناء الحجاج یعنی حاجیوں کے لیے گانا۔ کیونکہ وہ پہلے شہروں میں طبل اور شاہین لے کر گاتے بجاتے ہیں۔ چونکہ اس میں ایسے اشعار و نظمیں پڑھے جاتے ہیں جو وصف کعبہ و مقام ابراہیم و حطیم و زمزم و باقی مشاعر پر شامل ہوں جس سے سامعین کو حج بیت اللہ کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ سماع محمود و مستحسن ہوگی۔ لان الباعث علی الخیر خیر

(دوئم) غناء القراءۃ یعنی نمازیوں کا راگ چونکہ اس میں بھی تحریص و ترغیب جہاد کی ہوتی ہے۔ لہذا یہ غنا بھی اعلیٰ درجہ کا مشروع و مستحسن ہوگا۔ الا اس میں راگ کچھ قدر جوشیلا اور الفاظ بھی ایسے ہوتے ہیں جن سے شجاعت بھڑکے اور کفار پر غصہ و غضب جوش مارے۔ یہاں تک کہ اپنی جان و مال کو اُن کے مقابلہ میں ناچیز سمجھے۔ جیسا کہ دیوان متنبی میں ہے:

یری الجبناء ان الجبن حزم

وتلك خديعة الطبع اللئيم

یعنی بزدل گمان کرتا ہے کہ بزدلی اچھی چیز ہے اور یہ طبع نامبارک کی فریب ہے۔

(سوئم) وہ غنا جو بہادران اسلام بوقت مقابلہ کفار کے کہا کرتے ہیں۔ غرض اُن سے تقویت قلوب مجاہدین و تضعیف دل کفار ہوتی ہے لیکن اس میں یہ بھی شرط ہے کہ راگ اور آواز نرم اور باریک نہ ہوں اور نہ مزامیر ایسے ہوں جن کے نرم اور حسین آواز ہوتے ہیں۔ بلکہ جابر آواز ہونا چاہیے اور یہ غنا جہاد مباح میں مباح ہے اور واجب میں واجب اور اگر اہل اسلام کے ساتھ مقابلہ ہو تو حرام ہے اور یہ غناء بہادران اسلام صحابہ وغیرہ سے بکثرت منقول ہے۔ حضرت علی کے اشعار زبان زد خلافت ہیں۔

(چہارم) غنائیاحت: یہ دو قسم ہے۔ مذموم و محمود، مذموم وہ ہے کہ کسی چیز کے تلف ہونے یا کسی شخص کی وفات پر کی جاوے قال اللہ تعالیٰ لکیلا تأسوا علی ما فاتکم اور حدیث شریف میں بھی اس کی مذمت موجود ہے اور محمود وہ ہے جو انسان اپنے قصورات دینی پر افسوس ظاہر کرے اور اپنے گناہوں پر روئے اور نوحہ کرے۔ جیسا کہ حضرت آدم و نوح و داؤد علیہم السلام کے واقعات مشہور ہیں۔

فائدہ: بناء علیہ یہ جو دو عظیم منبر پر چڑھ کر آواز مرقق و محزن سے تقریریں کرتے ہیں جن سے لوگوں کے دلوں میں اثر پیدا ہوتا ہے اور روتے ہیں یہ بھی محمود ہے۔

(پنجم) غنا السرد یعنی خوشی کے اوقات میں گانا بجانا۔ جیسے پہلے اس کی تشریح ہو چکی ہے۔ مثلاً عید، شادی ولیمہ، عقیقہ، اعراس بزرگان، کسی دوست کی آمد مبارک بادی، لڑکا کی پیدائش و ختنہ، قرآن شریف کا ختم وغیرہ وغیرہ جو جو خوشیاں محمود ہیں اُن کا اظہار بھی بذریعہ غنا محمود ہے۔ (ششم) سماع العشاق۔ واسطے تحریک شوق و بھڑکانے عشق کے اگر عشق محمود ہے تو غنا بھی محمود ہوگا ورنہ مذموم۔

(ہفتم) غنا عاشقان انوار الہی و غریقان اسرار نامتناہی ایسے لوگوں کے حق میں سماع ایک روحانی غذا ہے۔ جب تک نہ لے جاں بلب ہو جاتے ہیں مراتب میں عقدے پڑ جاتے ہیں۔ مل جائے تو تروتازہ ہو جاتے عقدے کھل جاتے ہیں۔ عبادت میں چست و چالاک ہو جاتے ہیں۔ تمام خیالات سوائے لقاء محبوب کے مٹو جاتے ہیں جیسا کہ حضرت خواجہ حافظ فرماتے ہیں:

خاطر مرقق و قتی ہوس کر دے کہ ینم چیز ہا

تا ترا دیدم نکردم جز بیدارت ہوس

اس حال کی آگاہی صرف اسی شخص کو ہوگی جس نے اس کا مزہ چکھا اور جس کو اس نعمت عظمیٰ سے محرومی ہے وہ انکار کر کے اپنے آپ کو دائمی بد نصیبی کا سزاوار بناتے ہیں۔ اس حال کو صوفیا کی اصطلاح میں وجد کہا جاتا ہے جو وجود سے مانخوڑ ہے۔ یعنی سماع سے پہلے یہ حالت نہ تھی۔ اب

سماع کی برکت سے موجود ہوئی۔ اس سے دل تمام کدورات سے مصفا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ سونا و چاندی کی کدورت آگ میں ڈالنے سے جل جاتی ہے اور وہ صاف ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً سونا ہاگہ ملانے سے بھی زیادہ شفاف ہو جاتے ہیں اسی طرح مجلس شیخ کامل میں سماع کا سننا سونا ہاگہ کا کام دیتا ہے۔ پھر اس تصفیہ کے بعد مشاہدات اور مکاشفات حاصل ہوتے ہیں جو کہ اصلی مطالب عشاق ہیں۔

غرض سماع اُن کے حق میں ایک سیڑھی ہے جس کے ذریعہ مطالب علیا کو پہنچ جاتے ہیں یا آئینہ ہے جس کے ذریعہ اپنے محبوب کا نظارہ کر لیتے ہیں۔ یہ وہ حالت ہے جسے دیکھ کر آسمان کے ستارے بھی رقص کرتے ہیں۔ بلکہ مزامیر بھی مست ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ حافظ نے فرمایا ہے:

در طرب خانہ عشاق الہی بنگر کہ
چساں رقص کند زہرہ بہنگامِ سماع
طبل در غلغلہ آید کہ کجا شد منکر
چنگ در قہقہہ آید کہ کجا شد مناع

اب اگر بلید جامد قاسی القلب اس وجد اور اضطراب سے تعجب کرے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ عنین لذت جماع سے اور نادان لڑکا لذت ریاست و اسباب سے اور جاہل معرفت الہی کی لذت سے بھی تعجب کرتے ہیں۔ ان تمام کا ایک ہی سبب ہے۔ وہ یہ کہ لذت فرع ادراک کی ہوتی ہے۔ جس کو جس چیز کا ادراک نہ ہو اس کو اس کی لذت خاک آئے۔ مثلاً جس کی قوت ذائقہ نہ ہو اس کو مطعومات کی لذت نہیں ہوتی اور جس کی قوت سامعہ مفقود ہو۔ اس کی لذت مسموعات کہاں کی اور جس کا عقل کا فور ہو۔ اُس کو لذت معقولات ندارد اور جس کی حسن باصرہ معدوم ہو اس کو مبصرات کی لذت ناموجود ہوتی ہے۔ اسی طرح جو لوگ وجد اولیاء کے منکر ہیں وہ ان اسرار سے بے خبر ہیں:

اسرار محبت را هر دل نبود لائق
در نیست بهر دریا زر نیست بهر کانے

مولانا روم صاحب فرماتے ہیں:

گونیا موزی صفیہ طبلے
توجہ دانی کوچہ دارد با گلے

اب اس مضمون کو اس بیت پر ختم کرتا ہوں:

سخن عشق نہ آنست کہ آید بزبان
مطر با خوش بگو کوتاہ کن این گفت و

شنفت

ضمیمہ در المختار میں ہے کہ نقارہ نوبت کا بجانا اگر بغرض تفاخر ہو۔ (جیسا کہ عام متکبرین دنیا داروں کی چال ہے) تو حرام ہے اور اگر بغرض تنبیہ ہو تو کوئی خوف نہیں ہے۔ جیسا کہ تین وقتوں میں ہر ادا یاد دہانی نجات صورت کے بجائے جاتے ہیں۔ واسطے مناسبت اُن وقتوں کے اُن نفحات کے ساتھ۔ مثلاً عصر کے بعد فقہ فزع اور عشاء کے بعد فقہ موت اور نصف رات کے بعد فقہ بعثت کی طرف اشارہ ہوگا اور شرح ملتقی میں ہے کہ بوق جو حمام کی فراغت کے واسطے بجایا جاتا ہے وہ بھی جائز ہے اور شامی میں ہے کہ جو طبل رمضان شریف میں سحور کے وقت بغرض بیدار کرنے لوگوں کے بجایا جاتا ہے وہ بھی جائز ہے۔ لیجیے حضرات! اب تو فقہا کرام نے گوناگوں مزامیر کو اغراض صالحہ کی وجہ سے مباح کر دیا۔ علامہ شامی نے طبل نکاح و طبل غازیان و نقارہ تنبیہ اوقات ثلاثہ و بوق حمام و طبل رمضان کو اور ولولہ الجیہ اور فتاوے ہندیہ اور غایۃ البیان نے طبل غازیان و طبل قافلہ کو اور ابو بکر و راق نے دف اور ضج اور نے اور دخص اور ڈھولک کو شادی کے واسطے حلال کر دیا اور صحابہ کبار و تابعین و تبع تابعین نے ظنبور کو حلال کر دیا۔ نامعلوم کہ فاضل معاصر کس خیال سے تمام مزامیر کو حرام کر بیٹھے ہیں۔ شاید کبر سن نے ان کو کتابیں دیکھنے کا موقعہ نہیں دیا۔ آپ کے

استاذ صاحب نے ان کی قلمی کھول دی ہے۔ جیسا کہ کہا کہ جو لوگ تمام معارف کو حرام کہتے ہیں اور حدیث شریف سے دلیل پکڑتے ہیں ان کا قول **لا یعابہ** ہے۔ اس کا منشا اُن کی عدم معرفت کتب حدیث وفقہ ہے تو گویا اس بے چارہ کے اپنے استاذ صاحب نے کتب حدیث وفقہ سے بے خبر ہونے کی شہادت دے دی ہے۔ ہمیں تو یہ اُمید نہیں تھی مگر بمضمون اہل البیت اداری بمافیہ کے حضرت مولانا کی شہادت پر وثوق کر کے یقین کیا جاتا ہے اور آپ کو ان معاملات سے معذور سمجھا جاتا ہے۔ واللہ العالی

قال قال الله تعالى ومن الناس من يشتري هو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم ويتخذها هزوا اولئك لهم عذاب مهين اتنی مراد ابو الحدیث سے غنا ہے۔ اس پر بعض صحابہ اور بعض تابعین کے آثار جو کہ متعدد طریق سے پہنچے ہیں دلالت کرتے ہیں۔

اقول اس کلیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت مقدسہ کا شان نزول صرف یہی ہے جس کو جناب نے ذکر کیا ہے۔ حال آنکہ مفسرین نے اس کے شان نزول میں مختلف روایات ذکر کیے ہیں۔ اس لیے مناسب تھا کہ اس کی تقریب میں یوں فرماتے کہ بحسب تصریح بعض مفسرین کے اس آیت سے مراد الخ

اولاً تو اس آیت سے نصاً حرمت غنا ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اس کے شان نزول میں مفسرین نے اقوال مختلفہ ذکر کیے ہیں۔ چنانچہ تفسیر خازن میں اُس کی تفصیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض کا قول ہے کہ آیت نصر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی جس نے فارس کے بادشاہوں کے قصے خرید لائے تھے اور قریش کے محافل میں پڑھ کر سناتا تھا اور کہتا کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) عاد و ثمود کا قصہ سناتے ہیں اور میں رستم و اسفندیار کا قصہ پڑھتا ہوں اور قریش اس کو سن کر بڑے محظوظ ہوتے تھے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی جو کہ ٹھیک ٹھیک مضمون مطابق ہے اور بعض کا قول ہے کہ یہ آیت غنا کے بارہ میں نازل ہوئی جو کہ لونڈیاں مغنیہ خرید کر کے اُن سے راگ سنا کرتے تھے اور بعض کا قول ہے کہ یہ ہر لہو و لعب میں اُتری اور بعض کا قول ہے کہ شرک

کے بارہ میں اُتری۔ جب اتنے موارد آیت مبارکہ کے ہوئے تو صرف ایک ہی مورد کو لے کر مقام استدلال میں الفاظ محتملۃ المعانی کو لانا مناسب ہے۔ علماء کا قول ہے اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال یعنی جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

ثانیاً بالفرض مان لیا جائے کہ اس آیت سے مراد غنا ہی ہے جیسا کہ بعض صحابہ اور بعض تابعین کا قول ہے تاہم جناب کے مدعا کا اثبات اس سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آیت شریفہ میں لہو الحدیث جن جن قیود کے ساتھ مقید ہے سب کے سب ملحوظ ہوں گے۔

1 لہو کی اضافت حدیث کی طرف جس کا مفاد یہ ہے کہ غنا بغرض لہو ہو جیسا کہ علامہ شامی نے اس کی تصریح فرمائی ہے اس کی حرمت میں تو اتفاق ہے۔

2 لیضل عن سبیل اللہ میں جو لام ہے وہ علیہ ہے یعنی اشتراء لہو الحدیث کی علت اضلال عن سبیل اللہ ہو جس کا مفاد یہ ہے کہ لہو الحدیث کو اس غرض سے خرید کرتا ہے تاکہ اللہ کے راستہ (دین اسلام) سے گمراہ کرے اور سننے قرآن شریف سے انغوا کرے۔ مطلب اس کا یہ ہو کہ قرآن شریف بے رونق اور اسلام کمزور ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسا راگ جس کی قرآن شریف نے وصف بیان کی ہے اس کی حرمت میں کوئی اہل اسلام بھی شک نہیں کر سکتا۔

3 ویتخذھا ہزوا یعنی آیات قرآنی پر استہزاء بنانے کی غرض سے راگ کو خرید کرے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسے راگ کی حرمت میں کون اہل اسلام شک کر سکتا ہے۔ بلکہ اگر اسی غرض سے قرآن شریف پڑھا جاوے تو بھی حرام ہے غنا کی خصوصیت نہیں۔ تو جس غنا میں یہ تینوں اوصاف نہ پائے جائیں اُس کی حرمت کہاں سے آئی۔ فاضل معاصر کی یہ چال بازی قابلِ تہقیر ہے۔ کیونکہ دعویٰ تو یہ کیا کہ غنا اور معازف سب حرام ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کی جس کا معازف سے تو مساس بھی نہیں۔ البتہ بنا بر اقوال بعض مفسرین غنا پر صادق تو ہے لیکن وہ بھی مقید بچند قیود۔ دلیل خاص کو دعویٰ عام میں لانا فاضل معاصر جیسے

جری آدمی کا کام ہے۔ شاید بعض صحابہ کے قول سننے سے خوشی میں آکر اصل مطلب کو بھول گئے اور جو دعویٰ کیا تھا اس کی اصلیت یاد نہ رہی۔

قدر مجموعہ گل مرغ سحر داند و بس

نہ کہ ہر کو ورقے خواند معانی دنسنت

فائدہ: زمانہ حال میں جو مجالس بزرگان دین کے اعراس پر ہوتی ہیں اولاً قرآن شریف خوش الحانی و حسن ترتیل سے پڑھا جاتا ہے۔ تمام حاضرین با وضو نہایت منانت و سکون و خضوع و خشوع سے سرنگوں بیٹھ کر بڑی محبت سے سنتے ہیں۔ بعدہ سماع (جس میں حضور سرور کائنات ﷺ کے محامد اور اولیاء کرام کے اوصاف اور محبت الہی کے بھڑکانے والے کلمات ہوتے ہیں) ہوتا ہے اور پھر کلام الہی سے مثل سابق ختم کیا جاتا ہے۔ اب بتلائیے کہ اس سماع میں کون سا اضلال و استہزا و استخفاف دین اسلام و کلام الہی ہے اور حرمت کہاں کی۔

ثالثاً میں پوچھتا ہوں کہ جس غنا و معارف کو بارگاہ نبوی میں یا مجالس صحابہ و تابعین میں عمل میں لایا گیا ہے وہ اس آیت کے مدلول میں داخل ہیں یا نہ۔ بصورت اول یہ تمام حضرات (خاک بدہن دشمنان) مرتکب حرام کے ٹھہرے نعوذ باللہ من ذالک و بصورت ثانی تقریب تام نہیں۔ کیونکہ مدعا تو یہ تھا کہ جملہ معارف و غناسب حرام ہیں اور دلیل سے یہ ثابت ہوا کہ بعض حلال و بعض حرام ہیں فکیف یثبت منه المطلوب

قال اخرج البخاری فی الادب المفرد و البیہقی عن ابن عباس لہو الحدیث هو الغنا و الاشباعہ انتہی و اخرج ابن ابی شیبہ باسناد صحیح ان عبد اللہ بن سئل عن قولہ تعالیٰ و من الناس من یشتری لہو الحدیث قال الغناء واللہ الذی لا الہ غیرہ انتہی و اخرجہ الحاکم و البیہقی ایضاً و قال الحاکم صحیح الاسناد و اخرج ابن ابی الدنیا و ابن جریر عن شعیب بن یسار قال سالت عکرمۃ عن لہو الحدیث قال هو الغناء انتہی و اخرج ابن ابی الدنیا و ابن جریر و ابن المنذر عن مجاہد و من الناس من یشتری لہو

الحديث قال هو الغناء وكل لهو ولعب انتهى واخرج ابن ابي حاتم عن عطاء ومن الناس من يشتري لهو الحديث قال الغناء والباطل انتهى واخرج ابن ابي حاتم عن الحسن قال نزلت هذه الآية في الغنا والمزامير انتهى واخرج ابن ابي الدنيا عن ابراهيم ومن الناس من يشتري لهو الحديث قال الغناء انتهى واخرج البغوي عن سعيد بن جبیر قال لهو الحديث الغناء والمزامير والمعازف انتهى •

اقول اولاً تو ان آثار کے اسناد میں مقال ہے جس کی تشریح کی گنجائش نہیں ہے۔ ثانیاً جس طرح لہو الحدیث کی تفسیر بعض صحابہ غنا کے ساتھ کرتے ہیں اسی طرح بعض صحابہ اُس کے اور معانی بھی لیتے ہیں۔ صرف ایک ہی معنی پر جزم کر کے استدلال کرنا جناب ہی کے شایان شان ہے۔

ثالثاً ہم تسلیم کرتے ہیں کہ لہو الحدیث کا معنی غنا بلکہ معازف ہی تھی۔ تاہم اس سے جناب کا مدعا ثابت نہیں ہونے کا۔ کیونکہ غایت مافی الباب ان آثار سے یہی ثابت ہوگا کہ لہو الحدیث سے مراد غنا اور معازف ہیں۔ تو جب لہو الحدیث کی حرمت مقید بقیو و ثلاثہ ہے جیسا کہ مذکور ہوا تو اُن کی عموم حرمت کہاں سے لائیں گے۔ بلکہ آیت شریفہ و آثار صرف اُسی غنا و معازف کی حرمت ثابت کریں گے جن کی اباحت کا کوئی بھی اہل اسلام قائل نہیں ہے اور جس کی اباحت کے قائل ہیں اس کو نہ آیت نے ہلایا اور نہ آثار نے۔

تکمیل چونکہ فاضل معاصر نے حرمت غنا کو صحابہ کرام و تابعین باحسان کی طرف نسبت کیا ہے لہذا مناسب نظر آتا ہے کہ صحابہ کبار کا معمول ذکر کیا جائے۔ تاکہ قارئین کرام کو حقیقت حال کھل جائے اور فاضل معاصر کے مغالطہ سے بچ جائیں۔

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں

سبک سربن کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

شیخ محدث دہلوی نے مدارج میں کہا ہے کہ اباحت سماع اکابر صحابہ سے منقول ہے جن میں چند کس عشرہ مبشرہ بھی ہیں اور جم غفیر تابعین و تبع تابعین و علماء محدثین و فضلاء دین جو

کہ اہل زہد و تقویٰ و عبادت تھے اور ان کی حکایات و روایات کافی طور منقول ہیں اور امام غزالی نے کہا ہے کہ ابوطالب مکی نے اباحت سماع کو ایک جماعت سے نقل کیا ہے اور کہا کہ صحابہ کبار سے عبد اللہ بن جعفر و عبد اللہ بن زبیر و غیرہ بن شعبہ و امیر معاویہ و غیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سماع کو مباح جان کر سنا اور کہا کہ اسی طرح کیا بہت سلف صالحین سے صحابہ اور تابعین با حسان نے اور کہا کہ ہمیشہ سنا کرتے تھے سماع کو حجازیوں سے مکہ معظمہ میں ان ایام میں جو کہ تمام سال میں افضل ہیں۔ وہ ایام معدودات ہیں۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عبادت و ذکر کا حکم فرمایا ہے۔ وہ ایام تشریق ہیں انتہی مختصراً۔ مدارج میں ہے کہ سعید بن مسیب جو کہ افضل التابعین ہیں اور ورع و تقویٰ میں ضرب المثل ہیں غناء کو سنتے اور اس سے محفوظ ہوتے تھے اور اسی طرح سالم بن عبد اللہ بن عمر اور قاضی شریح بھی لونڈیوں سے راگ سنا کرتے تھے۔ باوجود کہ برسن اور جلالت قدر کے۔ اسی طرح سعید بن جبیر جو کہ اعظم تابعین سے ہیں لونڈی سے سنا جو راگ گاتی اور دف بجاتی تھی۔ اسی طرح عبد الممالک بن جریج جو کہ علماء حفاظ اور فقہاء عباد سے ہیں اور ان کی عدالت و جلالت پر اجماع ہے وہ بھی راگ سنا کرتے تھے۔ بلکہ راگ کے واقف بھی تھے اور ابراہیم بن سعد جو کہ اپنے زمانہ میں فقہ کے امام تھے طلباء کو سبق حدیث نہ دیتے جہاں تک غنائہ سنتے۔ بلکہ رشید کی مجلس میں اباحت سماع کا فتویٰ بھی دے دیا اور احیاء العلوم میں ہے کہ قاضی ابو مروان کی لونڈیاں مغنیہ تھیں۔ اور اسی طرح عطاء بن ابی رباح کی بھی دو لونڈیاں مغنیہ تھیں اور ابو الحسن بن سالم کو کسی نے کہا کہ آپ سماع کا کس طرح انکار کر سکتے ہیں۔ حالانکہ جنید بغدادی و سری سقطی و ذوالنون مصری بھی سنتے تھے۔ اُس نے کہا کہ میں کس طرح انکار کر سکتا ہوں حالانکہ عبد اللہ بن جعفر جو مجھ سے بہتر تھے انہوں نے سنا ہے اور اجازت بھی دی۔ بلکہ میں تو صرف اُسی غناء کا انکار کرتا ہوں جس میں لہو و لعب ہو اور ابن مجاہد جس دعوت میں سماع نہ ہوتا تو اس کی اجابت ہرگز نہ فرماتے۔ بلکہ خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان بن ثابت کو منبر پر چڑھا کر اُس کے اشعار جن کو اُس نے جو کفار میں بنایا تھا اُس سے سنتے اور فرماتے اللھم ایدہ بروح القدس (الکل من الممدارج والاحیاء مع

(الانقطاع)

خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم وتابعین و تابع تابعین و محدثین و علماء دین سے سماع کا سننا اور اس کی اجازت دینی عام مشہور ہے اور کتب صحیحہ میں مذکور ہے۔ یہ تو صرف چند روایات بطور نمونہ پیش کیے گئے ہیں۔

اگر تمام کی احصاء کی جائے تو رسالہ کے حجم بڑھ جانے سے ملال طبع ناظرین کرام کا باعث ہو جائے گا۔ لہذا اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ فاضل معاصر نے ہاتھ پاؤں تو بہت مارے۔ ماسواء چند روایات کے جن میں ابوحدیث کی تفسیر غناء سے کی گئی ہے کچھ بھی نہ بن سکا اور اس تفسیر میں اس کو حاصل بھی کچھ نہ ہوا۔ حضرت خواجہ حافظ فرماتے ہیں۔

خیال زلف چمن نہ کار خامان سے

کہ نہ سلسلہ فتن طریق غیاری ست

قال غناء کا لہو الحدیث سے مراد ہونا جو کہ مدلول ان کا ہے چونکہ بکثرت طرق سے ثابت ہوا لہذا قوی ہو گیا۔

اقول ہاں ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر جناب کو اس میں کیا فائدہ۔

قال اور آیت مجملہ مذکورہ کے لئے مفسر ہوگا کیونکہ مفسر آیت کو ظنی کا ہونا کافی ہے قطعی ہونا ضروری نہیں۔ اقول ان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً و اما قل تکفیه الاشاک

قال قال الامام البخاری فی کتاب الاشربة من صحیحہ و قال هشام بن عمار حدثنا صدقة بن خالد قال حدثنا عبدالرحمن بن یزید بن جابر قال حدثنا عطیہ بن قیس الکابی حدثنی عبدالرحمن بن غنم الشعری قال حدثنی ابو عامر و ابو مالک الشعری و اللہ ما کذبنی سمع النبی صلی اللہ علیہ و سلم یقول لیكونن من امتی اقوام یستحلون الحرو الحریر و الخمر و لمعازف و لینزان اقوام الی جنب علم یروح علیہم بارحہ لهم یتاہم یعنی الفقیر الحاجة فیقولون ارجع الینا عدا فیبتہم اللہ و یضع

العم ویمسخ اخرن قردة و خنازیر الی یوم القیمہ انتھی معنی اس حدیث مرفوع کہ یہ ہیں کہ البتہ میری امت سے وہ اقوام ہوں گے کہ حلال کریں گے زنا کو اور ریشمی کپڑے کو اور شراب کو اور آلات ملاہی کو اور البتہ اتریں گے اقوام پہلو میں پہاڑ کے کہ شب کریں گے ان پر مویشی ان کے۔ آئے گا ان کے پاس کوئی محتاج کسی حاجت سے پس کہیں گے کل لوٹ کر آنا ہمارے پاس پس ہلاک کر دے گا اُن کو اللہ تعالیٰ رات میں اور کہہ دے گا پہاڑ کو اُن پر کہ دب کر مر جائیں گے اور مخ کرتا رہے گا اوروں کو جو ہلاک نہیں ہوئے۔ بندر اور سور کی طرف قیامت تک اس حدیث میں لفظ معازف کی چونکہ معرف بلام استغراق واقع ہوئی ہے اور اُس کے حلال کرنے والوں پر وعید آگئی ہے۔ لہذا تمام معازف یعنی آلات ملاہی خواہ دف اور طنبور کی قسم ہو یا کوئی اور قسم حرام ہوں گے صرف وہ آلہ ہوجس کی رخصت حدیث میں بسبب عوارض مخصوصہ کے آگئی ہے۔ علت اس کی بعد متحقق اسی عارضی کے بطور رخصت ہوگی نہ بطور غریست۔ لہذا وہی آلہ اگر اُس عارض کے ساتھ نہ ہو تو اپنی حرمت سابقہ پر بطور عزیمت قائم رہے گا۔

اقول اولاً تو یہ حدیث منقطع ہے۔ جیسا کہ نقاد فن نے اس کی تصریح کی ہے۔ ثانیاً معازف کو معرف بلام استغراق قرار دینا ایک نیا طرز تضحیک اطفال ہے بچہ وجوہ اول یہ کہ ان کے باقی رفقائے ثلاثہ یعنی حرو حریہ و خمر جو اُس کے معطوف ہیں اور معرف بالام بھی ہیں ان پر کون سالام ہے۔ استغراقیہ ہے یا غیر استغراقیہ۔ بصورت اول لازم آوے گا کہ جمیع افراد کا اشیاء ثلاثہ کے مقام اُمت پر حرام ہو جائیں۔ حالانکہ واقع میں اس طرح نہیں۔ کیونکہ حریر مثلاً عورتوں پر تو علی الاطلاق حلال ہے اور مردوں پر بھی بعض مواقع میں حلال ہے۔ مثلاً جہاد کے وقت بلکہ اگر کسی کے کپڑے کا حلم ریشم کا ہو وہ بھی بقدر چار انگشت حلال ہے اور جس کپڑے کا صرف تانہ ریشم کا ہو اور باناسوت وغیرہ کا ہو تو وہ بھی حلال ہے اور مچھروانی وغیرہ بھی ریشم کی حلال ہے وغیرہ وغیرہ۔ بہت ریشم کی چیزیں مردوں پر بھی حلال ہیں بصورت ثانی نظم الکلام کے قواعد کا خلاف لازم آئے گا۔ جو افصح العرب والجم کے شان سے بعید ہے۔ دوئم یہ کہ یہ قول اس کا تب صحیح مانا جاسکتا ہے۔ جب پہلے

اس امر کو ثابت کر دیں کہ جو لام صیغہ جمع پر داخل ہو ہمیشہ استغراقیہ ہوا کرتا ہے۔ والا امر ليس كذلك كما لا يخفى على من تمارس بالآيات القرآنية والاحاديث النبوية والمحاورات العربية سوم یہ کہ لام استغراقیہ کے کہنے سے ایک صعوبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس سے عموم و شمول جمیع افراد معاذف کہنے پڑے۔ بعدہ دف وغیرہ کو استثناء کرنا پڑا۔ جس کی تکلیفات خود جناب کو کرنی پڑی۔ اگر لام استغراقیہ نہ کہتے تو ایسی تکلیفوں کے منہ میں نہ آتے۔

ع اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی۔

چہارم یہ کہ بفرض تسلیم کرنے لام استغراقیہ کے بھی مثبت مدعا نہیں۔ کیونکہ اس استغراق نے تو جمیع افراد معاذف کو گھیرا۔ الا دوسری احادیث صحیحہ نے بعض معاذف کو اس حکم سے مستثناء کر دیا۔ تو یہ عام مخصوص البعض ہوا جو مفید ظن ہوتا ہے۔ پہلے بھی خبر واحد ہونے کی وجہ سے ظنی تھا۔ اب ظن در ظن آ گیا جو مقام استدلال میں قابل کار نہ رہی۔ یہ تمام جوابات الزامی تھے جواب تحقیقی یہ ہے کہ اگر المعاذف کا لام استغراقیہ مانا جائے تو اس عبارت حدیث کا یہ معنی ہوگا کہ ایسے اقوام ہوں گے جو تمام معاذف کو حلال سمجھیں گے۔ وہ مستحق وعید ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ تمام معاذف کو حلال نہ جاننا چاہتے تو اس وعید سے بچنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ تمام معاذف کو حرام جانے۔ دوسرے یہ کہ بعض کو حلال اور بعض کو حرام جانے۔ ہم تمام معاذف کو کب حلال جانتے ہیں۔ بلکہ جو معاذف مجالس صلحاء میں مستعمل ہوں صرف انہیں حلال جانتے ہیں۔ باقی جو محافل فساق میں مستعمل ہوں ان کو ہم بھی حرام جانتے ہیں۔ تو اس حدیث شریف نے فاضل معاصر کے مدعا کا اثبات تو ہرگز نہ کیا۔ کیونکہ اُن کا دعوے تو یہ تھا کہ تمام معاذف حرام ہیں۔ البتہ ہمارے مدعا کا اثبات بخوبی کر دیا۔ ہمیں فاضل معاصر کا ممنون احسان رہنا چاہیے:

اگر خدا بسے سازد از تفضل خویش

ز دست دشمن بدخواہ می رسد امداد

حاصل جواب تحقیقی یہ ہے کہ حدیث شریف میں جو لفظ یستحلون المعازف مثلاً ہے۔ اب اگر اس لام کو جو المعازف پر ہے استغراقیہ مانا بھی جائے جیسا کہ فاضل معاصر نے کہا ہے تو یہ معنی ہوگا کہ ایسے اقوام ہوں گے جو تمام معازف کو حلال جانیں گے وہ مستحق وعید ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ تمام معازف حلال نہیں خواہ تمام حرام ہوں یا بعض حلال اور بعض حرام لیکن خارج سے معلوم ہے کہ تمام معازف تو حرام ہرگز نہیں۔ کیونکہ بعض معازف کی تو خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کبار و تابعین رضی اللہ عنہم نے اجازت فرمادی ہے۔ مثلاً دف وعود وغیرہ جیسا کہ سابقاً شرعاً مذکور ہوا۔ تو بعض کا حرام ہونا متیقن ہوا۔ وہ بعض وہی ہے جس کی حرمت قرآن شریف میں بنا بر بعض روایات کے ہے۔ اب لام استغراقیہ نے جناب کو کوئی فائدہ نہ دیا۔ کیونکہ رفع ایجاب کلی سلب کلی کو مستلزم نہیں ہوتا۔ بلکہ سلب جزئی کو مستلزم ہوتا ہے مثلاً لیس کل حیوان انساناً کا مفہوم صریح تو رفع ایجاب کلی ہے۔ الا اُس کو سلب جزئی لازم ہے۔ اس واسطے کہ رفع ایجاب کلی کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ سلب کلی یا سلب جزئی اور دونوں صورتوں میں سلب جزوی لازم ہے وہی لازم ہوگی۔ پس سلب جزئی ضروریات مفہوم و لوازم رفع کلی سے ہے۔ غرض کہ حدیث شریف نے بھی جمیع انواع معارف کی حرمت کو ثابت نہ کیا۔ اگرچہ معازف کو معرف بلام استغراقیہ بھی مانا گیا اور واقعی حدیث شریف کو ایسی تعمیم شایان بھی نہیں۔ کیونکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض معازف کو سنا اور قرآن شریف نے بھی اس حرمت کو قیود و ثلثہ کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ لام عہدی ہے۔ اس کا اشاریہ ان معازف کی طرف ہے جو حرام ہیں۔ افسوس کہ فاضل معاصر نے بہت کچھ سہ مارا اور بے جاتا و یلیں کیں۔ مگر ویسے ہی خالی کے خالی رہ گئے۔

تہیدستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل

کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

ہاں اگر اس حدیث شریف میں لفظ حرمت معازف کا ہوتا۔ جس سے نسبت ایجابی بنا کر لام استغراقیہ سے کلیت حاصل کر کے ایجاب کلی بنا لیتے تو البتہ جناب کی مطلب براری ہو

جاتی۔ گو اس میں فعل رسول اکرم ﷺ و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تخصیص آیت کریمہ کا مخالف
آہی جاتا۔ مگر جناب جیسے آدمی کو کیا پروا۔ سب کچھ چلا جائے مگر بات نہ جائے۔ معاذف کا لفظ
دیکھ کر اُس کے استغراق میں آگئے لیکن اس کا سیاق نہ دیکھا:

راز دروینا پردہ زمستان دوست پرس

کایں حال نیست قاہ

قال مثلاً حلت دف کی بعوارض عید و نکاح وغیرہ کے پر ثابت ہوئی ہے۔ لہذا جب یہ
عوارض پائے جائیں گے تو فرمان بطریق رخصت ہوگا اور نہ پائے جانے کی تقدیر پر دف حرام
بطریق عزیمت رہے گا۔ اقول:

نہ پائمال کرو مل کے ہاتھ مہندی کو

کسی کا خون کرے گی حنا سنو تو سہی

اولاً تو بیان نہ کوئی عزیمت ہے نہ رخصت کیونکہ عزیمت اُن احکام کا نام ہے جو پہلے وارد
ہوں اور رخصت وہ جو بعوارض اعذار بعد میں شرعاً صادر ہوں۔ اب چونکہ دف کی حرمت میں کوئی
نص شرعی وارد ہرگز نہیں ہوئی۔ تو پھر عوارض معذور کی وجہ سے اُس کی رخصت لینے کی ضرورت کیا
ہے اور اگر کہیں کہ جمیع انواع معاذف میں دف بھی داخل ہے اور اُن کی حرمت سے دف کی حرمت
بھی آگئی۔ میں کہتا ہوں کہ جمیع انواع معاذف کی حرمت تو پہلے ثابت کریں۔ یہ تو نہ قرآن شریف
سے ثابت ہوتی اور نہ حدیث شریف سے جیسا کہ پہلے یہ متحقق ہو گیا ہے۔ اب اعادہ کی حاجت نہیں
اور اگر بحسب زعم خود عموم نص بنا کر اس میں دف کو داخل کر کے حرام بنا دیں اور پھر احادیث سے
اس کی تخصیص کریں تو اس سے جناب کو دو گونہ سستی آ جائے گی۔ ایک تو بوجہ عام مخصوص البعض
ہونے کے عام کی قطعیت رخصت دوسرے دف ہمیشہ کے لیے حلال ہو گئی۔ ثانیاً دف کی
احادیث میں تو جناب نے عزیمت و رخصت سے جان چھڑالی۔ مگر عود وغیرہ جن کو بڑے جلیل
صحابہ و تابعین و تبع تابعین نے سنا ہے اور ان کی حلت کا فتویٰ بھی دے دیا۔ جس کی تفصیل سابقاً

مذکور ہوئی اس کا جواب کس عزیمت و رخصت میں لائیں گے۔

قال اور باقی رہا اعتراض انقطاع کا حدیث پر جیسا کہ حافظ ابن حزم ظاہری اور اُن کے اتباع نے کیا۔ منشا اس کا تساہل و تشدد واقع ہوا ہے۔ ترویج مذہب فاسد یعنی تحلیل غناء و معازف ہیں اور حدیث فی نفسہ صحیح ہے متصل الاسانید بطریق متعددہ ہے قال ابن الصلاح فی مقدمتہ ولا التفات الی ابی محمد بن حزم الظاہری الحافظ فی رد ما اخرجه البخاری من حدیث ابی عامر و ابی مارک الاشعری عن رسول اللہ ﷺ لیکون فی امتی اقوام یستحلون الحر و الحریر و الخمر و المعازف (الحديث) من جهة ان البخاری اور وہ قائلان قال هشام بن عمار و ساقہ باسنادہ فزعم ابن حزم انه منقطع فيما بين البخاری و هشام و جعله جوابا عن الاحتجاج به على تحريم معازف و اخطأ فی ذالک من وجوه و الحديث صحيح معروف بالاتصام بشرط الصحيح انتهى وقال ابن حجر المکی فی الزواجر عن اقتراف الكبائر صح من طرق صحيحة لا مطعن فيها و صححه جماعة آخرون من الائمة كما قاله بعض الحفاظ و من عجب لتساهل ابن حزم و اتباعه لهواه انه بلغ من التعصب الی ان حکم علی هذا الحديث و کل ما وارد فی الباب الوضع و هو کذب صراح منه فلا یحل لاحد التعویل علیہ فی شیء من ذالک انتهى ملتقطا و قال السخاوی فی فتح المغیث حکم بعدم اتصاله بل و ما اکتفی حتی صرح لا جل تقریر مذہبه الفاسد فی اباحة الملاحی بوضع مع کل ما فی الباب و اخطاء فقد صححه ابن حبان و غیرہ من الائمة و وقع لی من حدیث عشرة من اصحاب هشام عنه بل و لم ینفرد به کل من هشام و صدقه ابن جابر انتهى ملتقطا و قال الاستاذ العلامة اذخلة اللہ تعالیٰ فی دار السلام فی ظفر الامانی فی مختصر الجر جانی و قول ابن حزم انه لا یصح فی هذا الباب شیء خطأ فان الحديث المذكور معروف بالاتصال بشرط الصحيح عند ائمة الحديث انتهى جبکہ معترضین حفاظ نے حدیث مذکور کی تصحیح کر دی تو جتنے اعتراض ماسوا انقطاع

کے مثل تضعیف صدقہ کی اور اضطرابات لفظیہ اور معنویہ کے اس پر کیے گئے وہ بھی دفع ہو گئے۔
کیونکہ حدیث درجہ صحت کو اس وقت پہنچتی ہے کہ جب اس قسم کے علل قاعدہ سے خالی ہو۔

اقول چونکہ اس حدیث کا مفاد نہ فاضل معاصر کو مفید اور نہ ہمیں مضر بلکہ ہمیں مفید جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ لہذا اس کی جرح تعدیل سے بحث کرنی فضول سمجھ کر اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔
ورنہ قاعدہ اصول حدیث الجرح اذا کان مفسر مقدم علی التعدیل کے رو سے اس حدیث کی فاضل کے جوابات سے ضعف سے جان نہیں چھوٹی۔

قال علاوہ اس تصحیح کے شواہد حدیث کے جامع ترمذی وغیرہ میں موجود ہیں کہ جن سے تقویت اس کی من حیث اثبات مدعا کے بخوبی ہوتی ہے۔

اقول اس حدیث کی سند میں علی بن یزید ہے اور اس کو محمد بن اسماعیل بخاری نے ضعیف کہا ہے۔

قال یہ شواہد اگرچہ اپنے ثبوت میں فی نفسہا ضعیف ہیں۔

اقول اچھا ہوا کہ جناب نے اپنے منہ سے اپنے دلائل کو ضعیف کہہ دیا۔

قال مگر حدیث مذکور سے کاسب قوتہ ضرور ہیں۔

اقول جب حدیث بنا بر تصریح نقاد الفتن کے منقطع ہوئی اور منقطع اقسام مردود سے ہوئی اور شواہد بھی ضعیف ہوئے جس کو خود جناب پہلے تسلیم کر بیٹھے ہیں۔ تو قوت کہاں سے لا کر دے گی۔

قال پس شواہد اور حدیث ہر ایک سے دوسرے کی تقویت ہوگی۔ فرق اس قدر ہوگا کہ شواہد سے تقویت حدیث کی من حیث ظہور مرام و اثبات مدعا کے ہوگی اور حدیث سے تقویت شواہد کی من حیث اُن کے ثبوت کے ہوگی۔

اقول حدیث ضعیف بحسب تصریح اصولیین مقام استدلال میں یعنی اثبات حرام و حلال میں ہرگز کارگر نہیں ہوتی۔ البتہ فضائل اعمال میں کام دے سکتی ہے اور حدیث منقطع جو اقسام مردود سے ہے وہ بھی قابل عمل نہیں ہوتی۔ اب نہ وہ حدیث جس کو امام بخاری نے روایت کیا قابل کار

اور نہ وہ احادیث قابل عمل جن کو ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ تو ایک نے دوسرے کو کیا مدد دی۔ علاوہ ازیں یہ احادیث ہمارے مدعا کے برخلاف نہ ہونے کی وجہ ہم چنداں بحث کرنی مناسب نہیں جانتے۔ گو قبل ازیں حرمت سماع کے بارہ میں محرمین نے بہت کچھ تگ و پوک کیا اور نہ بننے دلائل کو پیش کر کے پھر اُن کی اُلٹ پلٹ تاویلیں کر کے اپنا مدعا اپنے زعم میں ثابت کر دیا لیکن جو چال فاضل معاصر چلے ہیں کالغریق بتشبث بکل حشیش شاید ایسی چال پہلے سے کوئی بھی نہ چلا ہو۔ چنانچہ خود آخر رسالہ میں انصافاً اس امر کا اعتراف بھی کیا ہے میں اُمید کرتا ہوں کہ محرمین کہ جن کے پاس سوائے چند سادہ تقریروں کے کوئی ذخیرہ دلائل موجود نہیں تھا۔ اب اُن کے پاس انبار و جوبات خواہ خلاف واقعہ کیوں نہ ہوں تیار ہو گیا ہے۔

مزار شہیدوں پہ قاتل یہ بولا

یہ سب گھر ہمارے بسائے ہوئے ہیں

قال اور یہ شواہد و حدیث صرف اتنی ہی قوت پر محصور نہیں بلکہ یہ ہر عصر میں جمہور محدثین و فقہاء کے معمول بہا ہونے کے سبب سے قوت میں حد تو اترا عملی کو پہنچ گئے۔ لہذا ہر ایک بوجہ متواتر العمل ہونے کے قطعی ہوگا۔ گوئی نفسہ اس درجہ کا نہ ہو۔

اقول کلا و حاشا بلکہ ہر عصر میں محدثین و فقہاء کا دستور العمل اباحت سماع پر رہا ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔

قولہ تو اترا عملی آہ اقول اہل حرمین شریفین کا اتفاق اور جلیل القدر صحابہ اور علماء مجتہدین و مقلدین کا عملدار اور اس کے برخلاف ہونے سے تو اترا عملی کیا ہوا۔

قال اسی وجہ سے مقام اثبات حرمت میں اسی قسم کی احادیث نقل کی جاتی ہیں۔ حال آنکہ مثبت حرمت ضعیف کیا بلکہ ظنی بھی نہیں ہوتا۔ اقول یہی تو جناب کی زبردستی ہے کہ خود جانتے بھی ہیں کہ اثبات حرمت کے لیے دلائل تو یہ کا ہونا ضروری ہے پھر بھی دیدہ و دانستہ روایات ضعیفہ اپنے مدعا کے اثبات کے لیے پیش کرتے ہیں:

نیت جر مش ز بانگ بے ہنگام

چہ کند بینوا ہمیں وارد

قال اور شاہد اس تو اتر عملی اور تحقق قطعیت اور ثبوت حرمت پر محدثین اور فقہاء کی عبارات کثیرہ ہیں۔ اقوال ہر ایک عبارت کی توضیح و جواب ساتھ ہی سنتے چلے:

حدیث قال اقوال است درد سر مطرب

بیا بہ زیر و بم آسانیم چنگ و رباب

قال فی شرح السنة للبعوی اتفقوا علی تحریم المزامیر والملاهی

اقول اس عبارت سے جناب نے کیا سمجھا۔ اگر جمع انواع مزامیر و ملاہی سمجھے ہیں تو یہ مزامیر جناب کے نزدیک بھی مباح ہیں۔ وہ بھی اس حرمت میں آگئے جس سے صحیح احادیث کا مقابلہ کرنا پڑا اور اگر بعض سمجھے ہیں تو جناب کے مدعا کا برخلاف بلکہ ہمارے مدعا کا اثبات ہو گیا۔ کیونکہ بعض مزامیر جو بغرض ابھولعب یا مجالس فساق میں بجائے جائیں تو ہم بھی حرام کہتے ہیں۔

قال وفي المذهب ويحرم استعمال الآلات المطربة من غير غناء كالعود و الطنبورة الكوبة والطبل والمزمار اقول یہ عبارت جناب کو کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ کیونکہ اس کا مفاد یہ ہے کہ صرف مزامیر بجائے جائیں۔ طور سخن وغیرہ ہرگز نہ بولا جائے۔ اس میں تو بحث بھی نہیں۔ بلکہ بحث اس میں ہے کہ راگ کے ساتھ اگر مزامیر بجا کر اہل حال کو محظوظ کیا جائے کیا یہ حلال ہے یا حرام۔ ظاہر اس عبارت کا اس امر کو مقتضی ہے کہ مزامیر اگر گانے کے ساتھ بجائے جائیں تو جائز ہے۔ کیونکہ حرمت مزامیر کو من غیر غنا کے ساتھ مقید کر دیا ہے تو اس کا مفہوم ضرور معتبر ہوگا۔ میں حیران ہوں کہ ایسی عبارتوں کو جو نہ منطوق مثبت مدعا ہوا ورنہ مفہوم بلکہ مخالف ہو رسالہ میں درج کرنے سے کیا فائدہ اور زیادہ تعجب اس عبارت کے ترجمہ پر ہے جو جناب کے شان سے تو بعید ہے۔ شاید کسی شاگرد رشید نے یہ ترجمہ کر کے اپنے استاد کو بدنام کر دیا ہو۔

قال وفي الغنية فان حضر منكر كالطبل والمزمار والعود والساهي والرباب

والمعازف والطنابير والسين والشابة والجمع ان درک يلعب به الترك لا يجلس
هناك لان جميع ذالك محرم

اقول اس عبارت میں جس قدر آلات شمار کیے ہیں اُن میں بعض تو ایسے ہیں جن کو صحابہ کبار
اور علماء نامدار نے بھی سنا۔ اب اُن سب کو حرام کہہ دینا یا تو اس وجہ سے ہے کہ بغرض ابو ولعب
مستعمل ہوں یا اس وجہ سے کہ مجالس فسق میں بجائے جائیں۔ ورنہ جس چیز کو صحابہ کرام استعمال
کریں اس کو حرام نہیں کہا جاسکتا۔

قال وفي مدخل بن الحاج واما العود والطنبور وسائر الملاهي محرم
ومستمعه فاسق

اقول ہاں بشرطیکہ بغرض فاسد ہوں والا نہ۔

قال وفي شرح للنظومة والانكحة التي تنعقد في مجالس لملاهي والمزامير
تكون مختلفا فيها بوجهين احدهما بفسق الولي لانه الذي احضر الملاهي
والمعازف وامرهم بذالك واعطى للغنين على ذالك الاجرة الثاني ان الحاضرين
صاروا فسقة لاستماعهم ذالك فلم يبق الولي وليا ولا الحاضرون شهود عنده فلا
ينعقد عند الشافعي النكاح وليحترز عن ذالك

اقول ان ملاہی اور مزامیر میں دف داخل ہے یا نہ اگر داخل ہے تو حدیث الفصل بین
الحلال والحرام الدف والصوت اس کی بیخ کنی کر دے گی اور اگر داخل نہیں ہے تو جس
تاویل سے جناب اس کو اس عبارت کے عموم سے خارج یا مستثنا کریں گے ہم بھی اسی تاویل سے
بعض مزامیر مر وجہ کو نکال لیں گے۔ جس سے جناب تکتے رہیں گے اور مدعا ہاتھ سے چلا جائے گا۔
قال وفي حاشية درالمختار للطحطاوى وفي الذخيرة الرقص كبيرة وفي

البزاة حرمة بالاجماع وافتي جلال الملة والدين الكرمانى بان مستحله كافر
اقول اب جناب رقص میں آگئے۔ اس عبارت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جمیع انواع رقص

حرام ہیں۔ بلکہ وہی رقص حرام ہوگا جو بغرض فاسد ہو۔

تحقیق المرام فی هذا المقام یہ کہ رقص اضطراب اور حرکات غیر عادیہ کا نام ہے یہ دو قسم پر ہے۔ مذموم و محمود رقص مذموم کی چند صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ مجلس فساق میں سماع یا غیر سماع میں اوباش کھیل کود کریں۔ جس کو ہماری پنجابی میں ⁷جھمبر کہتے ہیں۔ اس سے ان کی غرض ابھولعب ہی ہوتی ہے اور اس میں حرکات موزونہ ہوتے ہیں۔

دوسری یہ کہ رقص پیشہ لوگ عام ازیں کہ مرد ہوں یا عورتیں تماشا بنا کر حاضرین کو خوش کریں۔ اس سے ان کی غرض حصول دنیا ہوتی ہے۔

تیسری یہ کہ مجلس سماع میں کوئی عامی آدمی جس کو درد دل کا احساس تو ہرگز نہیں الا ہمدانمائش رقص کر کے لوگوں کو دکھائے۔ اس کا مقصد ریا ہوتا ہے۔ یہ تمام صورتیں رقص مذموم کی ہیں۔ ایسا رقص شرعاً حرام ہے۔ یہی رقص محل اُن تمام روایات کا ہے جن میں حرمت بلکہ بعض روایات میں تو کفر بھی مذکور ہے اور زیادہ مذموم وہ رقص ہے کہ ہمارے زمانہ میں شادی وغیرہ کے موقعہ میں عام طور پر عورتیں جمع ہو کر جھمر مارتی ہیں۔ ان کے درمیان میں مغنی مرد ڈھولک بجاتا ہے اور ان کے ارد گرد مردوں کی صفیں ہوتی ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک القباحۃ ان تمام صورت کی حرمت میں تو کوئی بھی اہل اسلام شک نہیں کرتا۔ کیونکہ ان کے مقاصد فاسد ہیں اور اغراض کا سد و الامور بمقاصدھا اور رقص محمودہ ہے۔ جو کسی اہل حال پر بسبب سماع سخن لطیف و جدوارد ہو اور اُس کے ضبط سے مغلوب ہو جائے جس سے بے اختیار ہو کر اضطراب و حرکات غیر عادیہ اُس سے صادر ہوں۔ یہ رقص نہایت ہی محمود ہے۔ اس کا انکار تو حیوانات غیر ناطقہ بھی نہیں کر سکتے۔ چہ جائیکہ انسان اونٹ کا رقص کرے کہ جو بوقت سماع حداد کے تمام عجم و عرب میں مشہور و معروف ہے۔ مولانا مولوی سعدی شیرازی نے گلستان میں اسی مضمون کی ایک حکایت لکھی۔ اس کا یہاں نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

حکایت وقتے در سفر حجاز طائفہ جوانان صاحب دل ہمراہ ما بودند۔ ہمد و ہم قدم وقتہا زمزمہ

بکروندے۔ و بیٹے محققانہ برگفتندے۔ و عارفی برسبیل منکر حال درویشاں بود و بے خبر از درد
ایشاں۔ تا برسیدیم بخیل بنی ہلال کو دک سیاہ از جی عرب بدر آمد۔ آوازے بر آورد کہ مرغ از ہوا
آورد و اشتر عابد را دیدم کہ بر قص اندر آمد و عابد را بیند اخست و راہ بیابان گرفت و برفت۔ گفتم اے
شیخ در حیوانے اثر کرد و ترا پچھاں تفاوت نمی کند

دانی چه گفت مرا آں بلبل سحری
تو خود چه آدمی کز عشق بے خبری
اشتر بشعر عرب در حالتست و طرب
گر ذوق نیست ترا کثر طبع جانوری
عند هبوب النشرات علی الحمی
یمیل غصون البان لا الحجر الصلا
بذکرش ہر چه بینی در خروش است
ولے و اند دریں معنی کہ گوش است
نہ بلبل بر گلشن تسبیح خوانے ست
کہ ہر خارے بہ تسبیح زبانی ست
جہاں پر سماع است و مستی و شور
ولیکن چه بیند در آئینہ کور

ان حالات کی وقعت اسی شخص کو ہوتی ہے جس کو درد دل کا کچھ احساس یا اثر ہو بے درد کا کام
نہیں کہ ایسی باتیں سمجھے:

گفتن از زنبور بے حاصل بود
با یکے در عمر خود ناخوردہ نیش

مخمیل چونکہ رقص کے دوران میں وجد کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ لہذا بہت مناسب ہے کہ

قارئین کرام کی آگاہی کے واسطے اس کی تفصیل بھی کی جائے۔

جاننا چاہیے کہ سماع کے دو مقام ہیں (اول) الفاظ سموحہ کا فہم جس کے باعتبار اختلاف احوال سامعین چار حالتیں ہیں:

حالت اولیٰ یہ کہ سامع سوائے تلذذ خوش الحانی کے اور کچھ نہ جانتا ہو

کہ صاحب سیر المشائخ نے لکھا ہے کہ جب حضرت شیخ ابواسحاق شامی چشتی سماع میں ہوتے تمام حاضرین مجلس وجد کرنے لگتے اور درو دیوار سب جنبش اور حرکت کرنے لگتے اور جو کوئی آپ کی مجلس سماع میں حاضر ہوتا۔ پھر وہ ہرگز گناہ کے گرد نہ ہوتا اور آپ اہل دول اور امیروں کو مجلس میں حاضر نہیں ہونے دیتے تھے۔ اگر کسی کو غرض ہوتی اول دنیا سے ہاتھ دھوتا بعد مجلس پاک حضرت شیخ ابواسحاق میں حاضر ہوتا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ اہل دنیا کو آپ مجلس سماع میں کیوں نہیں آنے دیتے۔ آپ نے کہا اہل سماع تمام اہل لطافت ہیں اور اہل دنیا سب اہل کثافت، لطافت اور کثافت میں ضد اصلی ہے الضدان لایجتمعان اہل لطافت سب طالب خدا ہوتے ہیں اور اہل کثافت سب طالب دنیا ہیں۔ طالبان خدا و طالبان دنیا کے درمیان مناسبت نہیں کہ آپس میں جمع ہوں۔ آپ نے کہا کہ سماع کے واسطے اخوان شرط ہے۔ اُس دم سب کے دل حق کی طرف متوجہ ہوں اور طالب دیدار دوست کے ہوں اگر ایک کا دل سماع میں متفرق ہو سب کا دل متفرق ہو جاتا ہے الفقراء کنفس واحد سر اس بات کا ہے۔ پس اہل دنیا کہ طالب دنیا ہیں اہل سماع کے لائق نہیں کہ اُن کو مجلس میں حاضر کرے۔ کیونکہ اس وقت اہل سماع سماع میں ہوتے ہیں اور سماع میں اسرار الہی ظاہر ہوتے ہیں اور دل اہل سماع کا آئینہ کی طرح مصفا ہو جاتا ہے اور عکس پذیر ہوتا ہے اور اہل سماع روشن ضمیر ہو جاتے ہیں۔ اُس وقت اگر اہل دنیا حاضر ہوئے کہ وہ دوستدار دنیا ہے صورت دنیا مدار کی اہل دنیا کی دل پر منقش ہے۔ حضوری دل اہل دنیا سماع کے وقت کا شوش ہے۔ اس سبب سے اہل سماع اہل دنیا کو مجلس میں نہ آنے دیں تو فراغ خاطر سے سماع نہیں علیٰ ہذا القیاس بہت اولیاء کرام و صفیائے عظام اس مجلس سماع میں بہرہ

درو کا میاب ہوئے۔ بلکہ بہتوں نے اس وجد میں اپنی جان دے کر وصال محبوب حاصل کر لیا۔ جیسا کہ خواجہ قطب عالم بختیاراوشی کا کی رحمۃ اللہ علیہ اس وصیت کے سننے سے واصل بحق ہوئے:

کشتگان خنجر تسلیم را

ہر زماں از غیب جان دیگر است

احیاء العلوم میں ہے کہ سید الطائفہ جنید بغدادی اور سری سقطی و ذوالنون مصری سماع سنتے تھے۔ ایک شخص شیخ جنید بغدادی کی رفاقت میں تھا جب سماع سنتا تو چیخ مارتا تھا۔ ایک دن شیخ جنید نے اس کو فرمایا کہ اگر تم نے پھر چیخ ماری تو میں تجھے اپنی رفاقت سے ہٹا دوں گا۔ بعدہ جس مجلس میں بیٹھے تو وہ اپنے وجود کو ضبط کر لیتا۔ یہاں تک کہ اس کا سینہ پھٹ گیا اور واصل بحق ہوا۔ علی ہذا القیاس اس وجد کے اضطراب میں ہزاروں اہل اللہ کی جانیں مقصد اعلیٰ کو پہنچیں۔ حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں:

عجب از کشتہ نباشد بدر خیمہ دوست

عجب از زندہ کہ چوں جاں بدرم آورد سلیم

امام غزالی نے کہا ہے کہ وجد دو قسم ہے۔ اوّل یہ کہ اس کا اثر حواس ظاہرہ پر ہو اور حالت مستمعان پر تغیر آجائے۔ جیسا کہ شوق یا غم یا خوشی یا قبض یا بسط وغیرہ کے آثار جو ارح میں نمودار ہوں۔ مثلاً رقص یا تصفیق یا جزع فزع و گریہ زاری وغیرہ حرکات غیر عادیہ صادر ہو جائیں۔ یہ رقص چونکہ وجد کا اثر مرتب ہے۔ لہذا یہ حق ہے اس کو حرام یا باطل کہنا سراسر جہالت و ضلالت ہے۔ بلکہ بعض رقص ایسے بھی ہیں جو کہ اس وجد کے سوا ہیں اور وہ بھی شرعاً جائز ہیں۔ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمان اقدس میں مسجد نبوی میں حبشیوں کا رقص کرنا اور بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پہلو کے ساتھ کھڑا کر اُن کا تماشا دکھانا جیسا کہ صحیح احادیث میں موجود ہے اس کی اول دلیل ہے۔ علاوہ بریں احیاء العلوم میں ہے کہ خود صحابہ کبار رضی اللہ عنہم سے

بوقت فرحت و سرور کے رقص کرنا منقول ہے۔ جب امیر حمزہ کی لڑکی کی پرورش میں حضرت علی و جعفر و زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم نے تنازعہ کیا تو آپ ایک ایک لفظ ہر ایک کو فرماتے گئے اور وہ اس لفظ کی خوشی میں آ کر رقص کرنے لگے۔ یہ بھی رقص کی دلیل ہے۔ جس کی تفصیل آگے آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ میں حیران ہوں کہ فاضل معاصر کس جرأت سے رقص کی حرمت کے قائل الا ان یوادم

الرقص هو القسم الاول ولا شک فی قباحته ثانی یہ کہ اُس وجد کا اثر خواں باطنہ ہی پر متصور ہو۔ یعنی مطالب علیا کو پہنچ کر مکاشفات و مشاہدات محبوب حقیقی کی لذت میں محظوظ ہو جائیں اور جوارح پر بالکل کوئی بھی اثر نہ ہو۔ یہ نہایت کمالیت کا درجہ ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول کنا کذا الک کما انتم الیوم کا اسی طرف اشارہ ہے۔ امام غزالی نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو اضطراب جوارح وجد میں ہو اُس کو ساکن سے زیادہ وجد میں گمان نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ کبھی ساکن کا وجد متحرک کے وجد سے زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ شیخ جنید سے ابتدا حال میں بہت حرکات و اضطرابات وجد میں صادر ہوتی تھیں۔ پھر بعد میں وہ حالات و حرکات نہ رہے۔ کسی نے آپ سے اس کا سبب پوچھا۔ فرمایا کہ دل متحرک ہے اور جوارح ساکن اور ابوالحسن محمد بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے سہل بن عبد اللہ سے ساٹھ سال صحبت کی۔ کبھی ان کو ذکر اور قرآن شریف کے سننے میں تغیر نہیں آیا تھا۔ آخر عمر میں ایک دن یہ آیت فالیوم لایؤخذ منکم فدیۃ سن کر کانپنے لگے اور گرنے کے قریب ہو گئے۔ جب اپنی حالت افاقہ پر آئے تو میں نے اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے کہا کہ اب میں ضعیف ہو گیا ہوں اس لیے تغیر آ گیا ہے۔ الحمد للہ علی احسانہ کہ میرے قبلہ و کعبہ سیدی و سندی ماہر انوار شریعت واقف اسرار طریقت مخزن رموز حقیقت سید السالکین امام العارفین غوث زمان قطب عالم حامی الاسلام و المسلمین شیخ مرشدی مولائی حضرت خواجہ حافظ غازی حاجی محمد ضیاء المملۃ والدین مسند آرائے سیال شریف قدس اللہ تعالیٰ اسرارہ العزیزہ کو بھی یہی منصب حاصل ہے۔ یعنی حضور کو بھی بوقت سماع کبھی جوارح میں تغیر نہیں آیا اور نہ کبھی حرکت غیر عادیہ یا اضطراب ظاہری وجود مسعود سے سرزد ہوئیں۔

مت تڑپنا دیکھو خنجر تلے اے صید دل
 عشق کے مقتل میں دست و پا ہلانا منع ہے
 صرف حضور کی چشمان مبارک سے وجد کے علامات معلوم ہوتے ہیں جو نہایت سرخ و لعل
 ہو جاتی ہیں:

چہ گوئمت کہ ز سوز دروں چہ می بینم
 ز چشم پرس حکایت کہ من نیم غماز
 الحاصل سماع، وجد اور رقص حق ہیں۔ اُن کا انکار صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس نعمت
 عظمیٰ سے محرومی ہے۔ زیادہ تر شقی وہ شخص ہے جو علاوہ کفار کے اولیاء اللہ کے حالات پر طعن کی
 زبان دراز کرتا ہے:

گر خدا خواهد کہ پردہ کس درد
 میلش اندر طعنہ پا کاں کند
 اور یہ نہیں جانتے کہ ان بزرگان پر طعن کرنا خداوند تعالیٰ کے غضب کا سزاوار بنا ہے۔
 حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

گنج قاروں کہ فرد میرد داز قعر ہنوز
 خواندہ باشی کہ ہم از غیرت درویشان است
 اس کی وجہ علامہ شامی لکھتے ہیں فیہ دلیل لساداتنا الصوفیۃ الذین یفسدون
 بسماعھا امور اہم اعلم بہا فلا یندر المعترض بالانکار کیلایحرم برکتھم فانھم
 السادات الاخیار ایدنا اللہ تعالیٰ مجداداتھم واعاد علینا من صالح دعواتھم
 وبرکاتھم انتھی مع ترجمہ اور حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

اے دل آنجا بادب باش کہ سلطان و ملوک
 ہمہ در بندگی حضرت درویشان است

قال وفي الدر المختار ومن يستحل الرقص قالوا بكفره ولا سيما بالدف يلهو

ویزمر

اقول اس رقص سے رقص مذموم مراد ہے جس کی تفصیل عنقریب گزری اور سیاق عبارت بھی اسی کا مقتضی ہے اور علامہ شامی نے اس کی شرح میں پوری تحقیق کر کے فیصلہ کر دیا ہے کہ جو رقص یا وجد محمود ہے وہ شرعاً جائز ہے جیسا کہ عنقریب ذکر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

قال وفي رد المختار قوله ومن يستحل الرقص، المراد به اتمائل واخفص والرفع بحرکات موزونة كما يفعله من ينتسب الى التصوف

اقول لیجیہ علامہ شامی نے میری سابقہ تقریر کی حرف بحرف تصدیق کر دی ہے۔ کیونکہ رقص اضطرابی میں حرکات و سکنات و خفص موزونہ نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ تمام اوصاف رقص اختیاری یعنی مذموم کے ہیں۔

قال وقد نقل في البزازیة عن القرطبی اجماع الائمة على حرمة الغناء وضرب القضيبي والرقص

اقول فاضل معاصر نے اس عبارت کے نقل کرنے میں اپنی ایمانداری کی قلعی کھول دی اور دیانت داری کا شیرازہ بکھیر دیا جو رد المختار ہمارے پنجاب میں مطبع میمنہ مصر سے چھپ کر آئی ہے اس میں تو بجائے (حرمة الغناء) کے حرمة هذا الغناء ہے لیکن جناب نے ہذیئۃ اپنے مدعا کے برخلاف جان کر چھوڑ دیا اور مطلق غنا کی حرمت ذکر کر دی واقعی جناب کا مطلب تو اطلاق ہی سے نکلتا تھا۔ وہ ہذیئۃ کو کب پسند کرتے۔ اعتبار جائے تو چلا جائے لیکن بات کیوں جائے۔ اب میں کہتا ہوں کہ جو غنا اور ضرب القضیب اور رقص مخصوص مذکور ہیں ان کی حرمت پر اجماع کا ہونا قابل تسلیم ہے۔ کیونکہ یہ سماع مجالس فساق یا ریاکاران کا ہے اور اس کی مذمت و قباحت بارہا مذکور ہوئی لیکن اس سے علی الاطلاق حرمت ثابت نہیں ہوتی جس سے فاضل معاصر کامیاب ہوتے اور خوشی کے گیت گاتے۔

قال رأيت فتوى شيخ الاسلام جلال الملة والدين الكرمانى ان متحلل هذا

الرقص كافر وتمامه فى الوهبانية

اقول اس عبارت سے بھی مطلق رقص کی حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ رقص کو مخصوص بالاشارة کر کے وہی رقص مراد لیا جو پہلے مذکور ہوا جو شرعاً مذموم ہے نہ مطلق رقص۔ علاوہ بریں ہمارے ملک پنجاب کی شامی میں تو تمامہ فی شرح الوهبانیہ ہے اور جناب فی الوهبانیہ لکھتے ہیں۔ شاید ہندوستان جنت نشان کی شامی میں اسی طرح ہو جس طرح جناب لکھتے ہیں:

قال وايضا فيه وقال شارح زاد وفى الجوهره وما يفعله متصوفة زماننا حرام لا

يجوز الفصل والجلوس اليه ومن قبلهم لم يفعل ذلك

اقول وبالله التوفيق

واعظ کہ دی نصیحت میگرد عاشقان

امروز مست دیدم تقوے بہاد دادہ

فاضل معاصر نے اپنے رسالہ کے آخر میں جہاں وجوہات معاملین سماع کی تردید کرتے ہیں فرماتے ہیں۔ ثامن یہ کہ تحلیل بعض معازف میں بعض اکابر علماء کے قول کو نقل کر کے سکوت کرتے ہیں اور ان کے قول محرم کو پیش نہیں کرتے۔ انتہی افسوس کہ اس مقام میں خود جناب نے یہی سلوک کیا۔ کیونکہ رد المحتار کی عبارت جہاں تک تو جناب کو اپنے مطلب کے مفید نظر آئی اس کو نقل کر لیا اور جب قول محقق تصفیہ کن آ گیا۔ جس کو جناب نے اپنے مطلب کے برخلاف سمجھا تو اس کو بالکل ترک کر دیا۔ اب اگر اس کا نام ایمان داری ہے تو جناب محللین کو اس کا الزام لگا کر عیب کیوں جانتے ہیں اور اگر اس کا نام خیانت ہے تو اس میں جناب کا نمبر اول نکلا۔ بہر حال یہ چال مذموم ہے۔ یا ایہا الذین امنوا لم تقولون ما لا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون اب ہم اس عبارت رد المحتار کو بتام نقل کر کے پیش کرتے ہیں جس سے قارئین کرام کو روشن ہو جائے گا کہ فاضل معاصر نے کس قدر ایمان داری سے کام لیا ہے:

قوله (ومن يستحل الرقص قالوا بكفره) المراد به التماثل و الخفض و الرفع بحرکات موزونة كما يفعله من يناسب الى التصوف وقد نقل في البرازية عن القرطبي اجماع الائمة على حرمة هذا الغناء و ضرب القضيب و الرقص قال ورايت فتوى شيخ الاسلام جلاله الملة و الدين الكرمانى ان مستحل هذا الرقص كافر و تمامه في شرح الوهبانية و نقل في نور العين عن التمهيد انه فاسق لا كافر ثم قال التحقيق القاطع للنزاع في امر الرقص و السماع يستدعى تفصيلا ذكره في عورف المعارف و احياء العلوم و خلاصة ما اجاب به العلامة التحرير ابن كمال باشا بقوله

ترجمہ کا خلاصہ: یعنی رقص سے مراد ڈیڑھا ہونا اور نیچا اونچا ہونا حرکات موزونہ کے ساتھ جیسا کہ وہ لوگ کرتے ہیں جو اپنے آپ کو صوفی کہلاتے ہیں اور بزازیہ میں قرطبی سے اس غنا اور قضیب کے مارنے اور رقص پر اجماع اماموں کا منقول کیا ہے۔ کہا میں نے دیکھا ہے شیخ الاسلام جلال الملة و الدين کرمانی کا فتویٰ کہ اس رقص کے حلال جاننے والا کافر ہے اور تمام اس عبارت کا شرح و رہبانیت میں ہے اور نور العین میں تمہید سے منقول ہے کہ فاسق ہے کافر نہیں۔ پھر کہا کہ تحقیق نزاع کے قطع کرنے والی رقص اور سماع کے بارہ میں تو تفصیل کو تقاضا کرتی ہے جو کہ عوارف المعارف اور احياء العلوم میں مذکور ہے اور خلاصہ اس کا وہ ہے جو شیخ الاسلام ابن کمال باشا نے ذکر کیا ہے۔

مَا فِي التَّوَّاجِدِ أَنْ حَقَّقَتْ مِنْ حَرَجٍ وَلَا التَّمَائِلِ أَنْ أَخْلَصَتْ مِنْ نَاسٍ فَقَمَّتْ تَسْغِي عَلَى رِجْلِ فَحَقِّ لِمَنْ دَعَاهُ مَوْلَاهُ أَنْ يَسْغِي عَلَى الرَّأْسِ الرِّخْصَةَ فِي مَا ذَكَرَ مِنَ الْأَوْضَاعِ عِنْدَ الذِّكْرِ وَالسَّمَاعِ لِلْعَارِفِينَ الصَّارِفِينَ أَوْقَاتِ هُمْ إِلَى أَحْسَنِ الْأَعْمَالِ السَّالِكِينَ الْمَالِكِينَ لَضَبْطِ أَنْفُسِهِمْ عَنْ قَبَائِحِ الْأَحْوَالِ فَهَمْ لَا يَسْتَمْعُونَ إِلَّا مِنَ الْإِلَهِ وَلَا يَشْتَاقُونَ إِلَّا لَهُ أَنْ ذَكَرُوهُ فَاجُوا وَأَنْ شَكُرُوهُ بِأَحْوَاوَانٍ وَجَدُوهُ صَاحُوا وَأَنْ شَهِدُوهُ اسْتَرْحُوا وَأَنْ سَرَحُوا فِي حَضْرَةِ قُرْبَةٍ حَوَا وَإِذَا غَلَبَ عَلَيْهِمُ الْوَجْدُ بِغَلْبَاتِهِ وَشَرِبُوا مِنْ مَوَارِدِ

اراداته فمنهم من طرقة طوارق الهيبة فخر و ذاب ومنهم من برقت له بوارق اللطف
فتحرك و ظاب ومنهم من طلع عليه الحب من مطلع القرب فسكرو غاب۔ هذا ما
عن لى فى الجواب والله تعالى العلم بالصواب

وَمَنْ يَكْ وَجْدُهُ، وَجَدَا صَحِيحًا فَلَمْ يَخْتِجْ إِلَى قَوْلِ الْمُغْنَى لَهُ، مِنْ ذَاتِهِ طُرْب
قَدِيمٍ وَسَكَّرَ دَائِمٍ مِنْ غَيْرِ دَيْنٍ

شعر کا ترجمہ: وجد اگر محقق اور سچا ہو تو اس میں کوئی جرح نہیں اور تمائل یعنی نچا اونچا ہونا اگر
خالص ہو (یا وغیرہ نہ ہو) تو اس میں بھی کوئی خوف نہیں یعنی جائز ہے پس تو کھڑا ہو کر دوڑتا ہے
پاؤں پر اور جس شخص کو اپنا مولیٰ پکارے اور بلائے اس کو سر پر دوڑنا حق ہے ان اوصاف مذکورہ
میں رخصت ہے وقت ذکر اور سماع کے اُن عارفوں کے لیے جنہوں نے اپنے اوقات کو نیک عملوں
پر خرچ کیا۔ سالک ہیں اور برے اعمال سے اپنے نفسوں کو ضبط کرنے کے مالک ہیں پس وہ
نہیں سنتے مگر اللہ تعالیٰ سے اور نہیں شوق رکھتے مگر اسی کے واسطے اگر ذکر کرتے ہیں یا حب کرتے
ہیں اور شکر کرتے ہیں تو باحہ کرتے ہیں اور اگر اس کو پالیتے تو فریاد کرتے ہیں تو اگر مشاہدہ کرتے
ہیں تو آرام پاتے ہیں اور جب اُس کے حضور میں آئیں تیرتے ہیں اور جب ان پر وجد غلبہ کرے
اور اس کے ارادہ کے موارد سے پائیں بعض ان میں ہیبت میں آ کر گر جاتے ہیں اور بعض لطف
محسوس ہو کر حرکت کرتے اور بعض جب منہ دکھاتا ہے تو مست ہو کر غائب ہو جاتے ہیں یہ وہ ہے
جو مجھے جواب کی سوجھی۔ واللہ اعلم بالصواب

اور جس شخص کا وجد صحیح ہو تو مغنی کی قوالی کی طرف محتاج نہیں ہوتا۔ اسی کے واسطے اللہ تعالیٰ کی
ذات سے طرب قدیم ہے اور مستی دائم سوائے اس دن کے۔

سبحان اللہ علامہ شامی نے تواجدا اور تمائل کا خوب فیصلہ کر دیا ہے اور سماع حق کو بھی باحسن
الوجوہ حلال کر دیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اس نزاع کے قطع کرنے والا مذکورہ تو احياء
العلوم و عوارف المعارف میں ہے لیکن خلاصہ اور حاصل اس کا یہی ہے جواب ذکر کیا گیا ہے۔

ناظرین کرام! اس عبارت کو دیکھ کر اندازہ لگایا ہوگا کہ فاضل معاصر نے اس عبارت کے ترک کرنے میں کس قدر خیانت ورزی کی ہے لیکن وہ بیچارے تو حُرمت سماع میں ایسے محو ہو گئے ہیں جو حلال کی طرف اُن کی آنکھ بھی نہیں پھرتی۔ سچ ہے جبک الشیء یعمی ویبسم

قال وایضاً فیہ اس میں ایک اور خیانت ہے۔ کیونکہ اس عبارت کے ماقبل وہ روایات ہیں جو اباحت سماع پر صریحاً دال ہیں ہم اُن کو ناظرین کرام کے پیش کرتے ہیں:

اقول وفي شهادات الفتح القدير بعد كلام عرفنا من هذا ان التغنى المحرم ما كان في اللفظ ما لا يحل كصفة الذكور والمرأة للعينة الحية ووصف الخمر المهيح اليها والحانات والمجاء لمسلم او ذمی اذا اراد المتكلم هجاءه لا اذا اراد انشاده للاستشهاد به او ليعلم فصاحته وبلاغته او كان فيه وصف امرء ليست كذا لك او الزهريات المتضمنته وصف الرياحين والازهار والمياه فلا وجه يمنعه على هذا نعم اذا قبل ذالك على الملاهي متنوع وان كان مواعظ وحكما للالات نفسها لا كذا لك التغنى اه ملخصاً وتامه فيه فراجعوه وفي للتقى وعن النبي ﷺ انه كره رفع الصوت عند قراءة القرآن والجنائز والزحف والتذكير فما طنك به عند الغناء الذي يسمونه وجداء ومحبته فانه مكروه لا اصل له في الدين قال الشارح زاده الخ

یعنی فتح القدیر میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ غنا حرام وہ ہے جو ناجائز الفاظ میں ہے جیسا کہ کئی مرد یا عورت معینہ زندہ کی وصف یا شراب کی ایسی تعریف کی جائے جس سے اس کی طرف شوق پیدا ہو اور رانگی اور مسلم یا ذمی کی شکایت ہو اور جب اشعار کا پڑھنا بغرض استشہاد کے ہو یا بغرض اظہار فصاحت و بلاغت ہو یا اس میں عورت کی وصف تو ہے مگر نہ اس طرح جس طرح مذکور ہوا یا زہریات جس میں بوٹیوں اور پھولوں اور پانیوں کے اوصاف ہوں تو جائز ہے۔ اس کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں اگر یہ بغرض ملاہی ہوں تو ناجائز ہوگا۔ اگر چہ وعظ و حکمت ہو آلات کے لیے نہ غنا کے لیے اور ملتقی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مکروہ جانا آواز کا بلند کرنا وقت

تلاوت قرآن کے اور جنازہ کے اور زحف اور تذکیر کے پس کیا گمان ہے تیرا ایسے وقت غنا کے جسے وجد اور محبت کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ مکروہ ہے اس کا دین میں کوئی اصل نہیں۔

اب ناظرین کرام کو اس بات کا خوب اندازہ ہو گیا ہوگا کہ جناب نے صرف ایک کتاب کی روایات نقل کرنے میں کس قدر خیانتیں کی ہیں۔ یہ بطور مشتم نمونہ خروار ہے۔ تمام روایات منقولہ کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیے۔ تمام کا احصاد باعث طوالت و ملال ہے۔

قال وما نقل انه عليه السلام سمع الشعر لم يدل على اباحة السماع
اقول یا تو حضور کریم ﷺ کے شعر سننے کا انکار کر دیں تو ہم اس کا جواب دیں گے اور اگر
انکار نہ کریں تو اباحت سماع کا ضرور قائل ہونا پڑے گا۔ کیونکہ حضور کے افعال و اقوال عین شرع
ہیں۔ اگر آپ کے سننے سے اباحت ثابت نہ ہوئی۔ تو کیا کسی دوسرے شخص سے ثابت ہوگی۔

قال يجوز حملة على الشعر المباح المشتمل على الحكمة والوعظ
اقول ہماری بحث بھی صرف اشعار مباحہ میں ہے جو اشعار محرمہ ہیں اُن کی حرمت میں تو کوئی
شک نہیں کرتا۔ فاضل معاصر کو اس عبارت نے کیا فائدہ دیا ہوگا جو اپنے رسالہ میں لکھ بیٹھے ہیں۔
یہ اُس کے مدعا کے برخلاف ہے۔ کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں الشعر المباح سمعه النبی ﷺ
وكلما سمعه النبی ﷺ فهو ليس بحرام اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اشعار المباح لیس بحرام جس
سے ہمارا مدعا ثابت ہو گیا اور جناب کا دعویٰ باطل ہو گیا۔

قال وحديث تواجد عليه السلام لم يصح
اقول بلکہ اس میں کلام تو طویل ہے مگر غیر ضروری سمجھ کر متروک ہوئی۔

قال وايضاً فيه في التاتار خانيه عن العيون ان كان السماع سماع القران
والموعظة يجوز وان كان سماع غناء فهو حرام باجماع العلماء

اقول اس عبارت سے فاضل معاصر نے کیا سمجھا۔ اگر جمیع انواع غنا حرام سمجھے تو سید الکونین
صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کبار وفقہاء و محدثین کے اقوال و افعال اس کا معارضہ کریں گے اور اگر بعض غنا حرام

سمجھا تو اس سے آپ کا مدعا پورا نہ ہو سکے گا۔

قال وايضا فيه والحاصل انه لا رخصة في السماع في زماننا لان الجنيد عليه السلام

تاب عن السماع في زمانه

اقول اولاً تو جناب نے نقل عبارت میں پھر خیانت کیا ہے۔ کیونکہ پہلے قول اور اس قول کے درمیان میں جو روایات محلہ تھیں ان کو ترک کر دیا اور صرف روایات محرمہ نقل کر لیے وہ عبارت یہ ہے ومن اباحه من الصوفية فلمن تخلى عن اللهو وتحلى بالتقوى واحتاج الى ذالك احتياج المريض الى الدواء وله شرائط ستة (۱) ان لا يكون فيهم امر د (۲) وان تكون جماعتهم من جنسهم (۳) وان تكون نية القوال الا خلاص لا اخذ الاجر والطعام (۴) وان لا يجتمعوا لاجل طعام او فتوح (۵) وان لا يقوموا الا مغلوبين (۶) وان لا يظهروا وجد الا صادقين ترجمہ اور جس نے صوفیہ میں سے سماع کو مباح جانا وہ اُس شخص کے واسطے ہے کہ لہو و لعب سے خالی ہو اور تقویٰ اور اخلاص سے موصوف ہو اور سماع کی طرف ایسا محتاج ہو جیسا کہ مریض دوائی کی طرف محتاج ہوتا ہے اور اس کے لیے چھ شرطیں ہیں۔ اول یہ کہ اُن میں حسین نابالغ لڑکا نہ ہو۔ دوم یہ کہ تمام جماعت ایک ہی جنس کی ہو یعنی (تمام حاضرین میں سے نقشبندی نہ ہو) سوئم یہ کہ قوال کی نیت اخلاص کی ہو مزدوری یا کھانے کی وجہ نہ ہو۔ چہارم یہ کہ اجتماع جماعت بغرض طعام یا آمدنی کے نہ ہو۔ پنجم یہ کہ سوائے مغلوبیت کے کھڑے نہ ہوں۔ ششم یہ کہ وجد صادق کا اظہار کریں۔

ثانیاً جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہرگز سماع سے توبہ نہیں کی۔ اور نہ اس کو اس سے توبہ کرنی مناسب تھی کیونکہ خود ان کا مقولہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس طائفہ پر تین موقعہ میں نازل ہوتی ہے ان میں ایک موقعہ سماع بھی ہے جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ایسا جلیل القدر ولی رحمت کے نزول سے تائب ہو جائے یا معاذ اللہ جھوٹ بولے۔ اگر سماع ان کے نزدیک گناہ ہوتا تو اتنی مدت گناہ میں مبتلا ہونا اس کو ولایت کے درجہ میں نہ چھوڑتا۔ بلکہ ان کا اس سماع کو ترک

کر دینا اس وجہ سے تھا کہ ایسے منصب کو پہنچ گئے جہاں سماع کی حاجت نہ رہی کیونکہ سماع اہل حق کے واسطے سیرھی ہوتی ہے جس کے ذریعہ مناسب علیا کو پہنچتے ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ جب کسی مقام عالی پر چڑھنا مقصود ہو۔ تو سیرھی کی ضرورت ہوتی ہے اور جب چڑھ گیا تو سیرھی کو ہٹا لیا جاتا ہے۔ یا بوجہ نہ ملنے اخوان الطریقت متحد الجنس کے جیسا کہ احیاء العلوم میں ہے۔ وبعضہم نقل عنہم ترک السماع و یظن انه کرہ و کان سبب ترکہ استغناء ہ عن السماع بما ذکرناہ و بعضہم کان من الزہاد و لم یکن لہ حظ روحانی فی السماع ولا کان ہو من اہل الہو فترکہ لئلا یكون مشغولاً بما لا یعینہ و بعضہم ترکوا الفقد الاخوان قیل لبعضہم لم لا تسمع فقال مَمَّنْ و مَعَ مَنْ انتہی ترجمہ: اور بعض سے منقول ہے کہ سماع کو ترک کر دیا اور گمان کیا جاتا ہے کہ شاید انہوں نے اس کو کمزورہ جانا حالانکہ ان کے ترک کرنے کا سبب یا تو سماع کی حاجت نہ رہنی ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور بعض زاہد تھے اور ان کو روحانی حظ نہیں تھا۔ اور نہ صاحب لہو تھے سماع کو ترک کر دیا۔ تاکہ بے فائدہ چیز کے ساتھ مصروف نہ ہوں اور بعض نے بوجہ مفقود ہونے ہم جنس کے سماع کو ترک کر دیا۔ بعض اولیاء کو کہا گیا ہے کہ سماع کیوں نہیں سنتے کہا کس سے اور کس کے ساتھ۔

قال و فی الہندیۃ و من التیمیۃ سئل الحلوانی عن سَمَوِ الْفَسْہِمِ بِالصُّوفِیۃِ
فَاخْتَصَبُوْهُ لِبَسۃٍ و اشْتَغَلُوْا بِالْهَوٰی و الرِّقْصِ و ادْعَوُا لَانْفَسْہِمِ مَنْزِلَۃَ الْفَقَالَ اَفْتَرٰ و اَعْلٰی
اللہ کذاب

اقول یہ عبارت ہمارے مدعا کی ہرگز مزاحم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جو شخص اپنے آپ کو صوفی کہلاتا پھرے اور ایسا لباس پہنے جس سے وہ صوفی کہلانے کا مستحق بنارہے اور لہو و رقص کے ساتھ مشغول ہو اور اپنے منزلت کا دعویٰ کرے وہ ہمارے نزدیک بھی برائی ہوگی فان اللہ لا یقبل عمل المرءین ایسے شخص کی حرمت تو اتفاقی ہے۔

قال قال السماع و القول و الترقص الذی یفعلہ المتصوفہ فی زماننا حرام لا

يجوز القصد اليه والجلوس عليه وهو الغنا ولمز امير سوا

اقول اس عبارت کے مابعد اس رقص اور سماع کی تفصیل کر دی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو رقص اور سماع اہل حق کا ہے اس کے جواز میں تو کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور اہل باطل اور فساق کا ہے وہ ہرگز جائز نہیں عبارت یہ ہے

و جَوَزَ اهل التصوف واحتجوا بفعل المشايخ من قبلهم قال وعندي ان ما يفعلو نه غير ما يفعلوهؤلاء فان في زمانهم ربما ينشد واحد شعرا فيه معنى يوافق احوالهم فيوافقه ومن كان له قلب رقيق اذا سمع كلمته توافقه على مرهوفيه ربما يغشى على عقله فيقوم من غير اختيار وتخرج حرركات منه من غير اختياره و ذالك مما لا يستبعد ان يكون جائزا اممالا يؤخذ به ولا يظن في المشايخ انهم فعلوا مثل ما يفعل اهل زماننا من اهل الفسق والمباحين والذين لا علم لهم باحكام الشرع وانما يتمسك بافعال اهل الدين كذا في جواهر الفتاوى وسئل ابو يوسف عند الدف اكرهه في غير العرس بان تضرب المرافة في غير فسق للصبي قال لا اكرهه واما الذي يجيء منه اللعب الفااحش للغناء فاني اكرهه كذا في محمد السر خسي ولا باس بضرب الدف يوم العيد كذا في خزانه للمتقين اس عبارت سے امور ذیلہ حاصل ہوئے الاول اہل حال کے لیے سماع اور رقص کا جائز ہونا والثانی جہاں اور فساق کے لیے سماع اور رقص کا ناجائز ہونا والثالث شادی وغیرہ کے ماسوا بھی دف کا بجانا حلال ہونا بشرطیکہ نیت فاسد نہ ہو والرابع مجلس لعب فااحش میں غنا کا مکروہ ہونا والخامس عید کے دن دف کا بجانا اور سننا مباح ہونا۔ اب بتائیے کہ فتاویٰ ہندیہ نے فاضل معاصر کے دعویٰ کا اثبات کیا کہ ہمارے مدعا کا فاضل معاصر تو حرمت سماع علی الاطلاق کے قائل ہیں۔ اس کے دعوے کی تو بالکل بیخ کنی کر دی۔ البتہ ہمارا چونکہ مدعا ہی تفصیلی تھا۔ یعنی بغرض صالح اگر استعمال کیا جائے تو مباح ہے اور اگر بغرض فاسد ہو تو حرام تو اس کی تصدیق بھی کر دی۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

یہیں کہ رقص کناں میرودینالہ تک

کسے کہ اذن ندا دے باستماع سماع

عجب تو یہ ہے کہ فاضل معاصرے سیاق عبادت فتاویٰ ہندیہ کو ایسا توڑا کہ پہلی روایات جو میں نے اب کہی ہیں اپنے مدعا کے برخلاف سمجھ کر چھوڑ دیا اور بیچ میں صرف ایک فقرہ اپنے خیال کے مطابق سمجھ کر نقل کر لیا۔ اور اس کے بعد جو روایات ان کے مخالف تھیں ان کو بھی ترک کر دیا جن کا خلاصہ یہ ہے کہ غنا مجرد میں اختلاف ہے۔ شیخ الاسلام تو اس کو مطلقاً حرام کہتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اگر اس سے نظم القوافی حاصل کی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اور بعض کا قول ہے کہ اگر اکیلا ہوا و دفع وحشت کے لیے کوئی غزل گائی جائے تو جائز ہے امام شمس امامہ سرخسی بھی اسی طرف مائل ہیں۔ اور اگر اشعار حکمت یہاں عبرت یا نقاہت آمیز ہوں تو مکروہ نہیں۔ اور اشعار مباحہ پڑھنے مکروہ نہیں۔ اور اگر ان میں کسی عورت زندہ معینہ کے اوصاف ہوں تو مکروہ ہے۔ اور اگر عورت مردہ کے ہوں مکروہ نہیں۔ اور اگر عورت غیر معینہ کے اوصاف گائے جائیں تو ہم مکروہ نہیں۔ اور جن اشعار میں فسق یا شراب یا لڑکوں کا ذکر ہو تو ان کا گانا مکروہ ہے۔ لڑکے اور عورت کا ایک ہی حکم ہے۔ اور اشعار کے پڑھنے کی کراہت کی وجہ یہ ہے۔ کہ ان کے پڑھنے سے قرآن شریف اور ذکر الہی سے محروم ہو جائے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ جب اس سے علم تفسیر اور حدیث کو امداد ملے۔ انتہی ملخصاً مترجمہ: فاضل معاصر کی حرمت علی الاطلاق کہاں گئی۔

قال وفي مدخل ابن الحاج وقد ذكر ان بعض الناس عمل فتوى و كان ذالك في سنه ١٢٦١ احدى وستين و ستمائة و مشى بها على اربع مذاهب و لفظها سوال ما تقول سادة الفقهاء دائمة الذين و علماء المسلمين و فقههم الله تعالى لطاعة و امالهم على مرضاته في جماعته من المسلمين و ردوا الى بلد فقصدوا الى المسجد و شرعوا يصفقون و يهنون و يرقصون تارة بالكف و تارة بالدفوف و الشابة فهل يجوز ذالك في المساجد شرعاً افتونا ما جو دين ير حكم الله تعالى الجواب فقالت الشافعية

السماع لہو مکروہ شبیہ الباطل بہ ترد شہادۃ واللہ اعلم

اقول شافعیہ کے جواب میں ان کے امام کی تصریح پیش کی جاتی ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں کہا ہے۔ واما امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گفتہ است غزالی کہ تحریم غنا مذہب او نیست و تتبع کردم چندیں کتب از مصنفات دے راندیدم اور انصے تحریم وے واستاد ابو منصور بغدادی گفتہ کہ مذہب وے اباحت سماع است بقول والحان چون بشنو و مرد از مرد یا از جاریہ خود یا امرۃ کہ حلال است نظر بوے یا بشنو و در خانہ خود یا خانہ اصداۃ خود نشنو و آں در میان راہ و بنا شد سماع مقترن بچیدے از منکرات و ضائع کند بسبب آں اوقات نماز را۔ و روایت کردس است ابو منصور بغدادی از یونس بن عبدالاعلیٰ کہ شافعی استصحاب کرد مرا بسوی مجلس کہ دردے قینہ بود کہ تقنی میکرو چوں فارغ شد قینہ گفت شافعی آیا خوش کردی تو ایم را گفتنہ گفت اگر راست میگویی نیست ترا جس صحیح یعنی خوش اشتن غنا علامت سلامت طبع است و ناخوش داشتن آں نشان احواج طبعیت و نقصان حس از ینی معلوم ہے شود کہ دلیل شرعی بر حرمت و کراہت آں نیست۔ اگر آں بودے خوش داشتن طبع آں را چہ فائدہ کو دیے۔ و رتا شیرغمہ در طبائع ہچکس سخن نیست کہ در حیوانات موجود است چہ جائے آدمیاں و منقول است کہ الغناء لہو مکروہ شبیہ الباطل و گفتہ اند کہ تو اند کہ مراد بمکروہ آن باشد کہ ترک آن اولیٰ است کہ اطلاق او بایں معنی آمدہ است و غزالی گفتہ کہ دلالت نیست میں را بر حرمت و کراہت بلکہ اگر باطل نیز گفتے دلالت نبودے زیرا کہ معنی باطل فائدہ نباشد و روے است از ین الفاظ کہ دلالت وارد بر تغلیظ بر غنائیکہ مقترن است بخش یا منکر۔ پس تحریم از جہت عارض باشد نہ از جہت معنی کہ در ذات غنا است و بالجلملہ تحقیق صحیح شدہ است از قول و فعل شافعی چیزیکہ صریح است در اباحت و نیست نص در تحریم و از یونس بن عبدالاعلیٰ مروی است کہ پرسیدم شافعی را از اباحت اہل مدینہ سماع را گفت کہ نے دامن کسے را از اہل حجاز کہ سماع را مکروہ داشتہ یا شکد مگر از او صاف عار جہوے اتنی ملخصاً۔ اس تحقیق نے مجیب کے جواب کی خوب تردیدی کردی کیونکہ یونس بن عبدالاعلیٰ جو کہ خاص شاگرد و صاحب امام شافعی کے ہیں

اور امام غزالی بحر ذخائر بین جو کہ اپنے مذہب کے اصول و فروع سے بخوبی واقف ہیں بڑی جرأت سے اپنے امام کا عندیہ کھول کر سنا دیا ان کے مقابلہ میں کون دم مار سکتا ہے۔ ہاں اگر اس سے مجیب کی غرض صرف نقل قول امام ہے تو اس کا معنی آپ نے سن لیا ہے۔ اور اگر تحریم ہے تو وہ غلط ہے واللہ اعلم

قال وقالت المالكية يجب على ولاية الامر زجرهم ورد عهم واخراجهم عن لمساجد حتى يتوبوا ويرجعوا والله اعلم

اقول مالکیہ کے جواب میں امام مالک کا قول اور فعل پیش کیے جاتے ہیں جن سے مجیب کا صدق و کذب معلوم ہو جائے گا۔ مدارج النبوة میں ہے در سیدہ شد از مالک از سماع گفت دریافتم اہل علم را در بلا خود کہ منکر نیستند آں را دئے شنید از اں و گفت کہ منکر نئے شود آں را مگر عامی یا جاہل یا عراقی غلیظ بطبع و بچہیں نقل کردہ است از وے عدلی و حکایت کردہ است اباحت را از وے و امام قشیری و استاد ابو منصور و قتال و غیر ایشان و آنچه نقل کردہ شدہ است از مالک رحمۃ اللہ علیہ کہ گفت نئے شنوند آں۔ را مگر فاسقان محمول است بر غنائیکہ مقتدران است بوے منکر جمعاً بین القول و الفصل و سیدنا از وے را زبیم بن سعد از احوال مالک پس گفت خبر دارند مرا کہ دعوتے بود در بنی یربوع و با قوم دوف بود و عودنا کہ تغنی میکردند و لعب می نمودند اں و بود با مالک دف مریعہ کہ می زد آں را دغنی می نمود انتہی ملخصاً۔ اس تقریر نے مجیب کی قلعی کھول دی اور امام مالک کے افعال و اقوال کو بخوبی بیان کر دیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ حرمت غناء علی الاطلاق نہ اس کا قول اور مذہب جس نے اس کی طرف نسبت کیسا بہتان باندھا۔ واللہ اعلم

قال وقالت الحنابلة فاعل ذالك لا يصلى خلفه ولا يقبل شهادته ولا يقبل حكمه ان كان حاكما وان عقد النكاح على يده فهو فاسد والله اعلم

اقول ان حنابلہ کے اپنے کی مذہب کی تقریر بھی ذرا سن لیجئے پھر اس جواب کے صدق و کذب کا اندازہ لگا لیجئے گا۔ محدث دہلوی مدارج النبوت میں لکھتے ہیں واما امام احمد بن حنبل صحیح

شدہ است روایت کہ وے شنید است غناراً تردید پر خودش کہ نام دے صالح است روایت از ابو العباس قرعالی کہ میگفت شنیدم صالح بن احمد بن حنبل را کہ می گفت بودم من دوست میداشتم سماع را و بود پدر من کہ ناخوش میداشت آں را پس کردم ابن جناده را کہ باشد تر دمن شبے۔ پس باشید تر دمن تا دستم کہ خواب کرد پدر من پس شروع کرد ابن جناده در تعنی پس شنیدم آواز پائے را بر بام پس بر آدم بالائے بام و دیدم پدر خود را بالائے بام کہ مے شنود غنائے را و دامن در زیر بغل اوست و دے می خرامد بالائے بام گویا کہ رقص میکند و مثل ایں قسہ از عبد اللہ بن احمد بن حنبل نیز منقول است و ایں دلالت دار و بر اباحت سماع تردد دے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و آنچه منقول است از دے مخالف ایں محمول است بر غناء مذموم مقترن فحش و منکرات۔ و روایت کردہ شدہ است از احمد کہ وے شنید قوال را تردید پرش صالح و انکار نکرد۔ پس گفت پدر دے اے پدر آیا نبودی تو کہ انکاری کردی و مکروہ می داشتی تو آں را گفت پدر وے اے پدر اند کہ استعمال میکنند با وے منکر را انتہی۔ ان روایات نے تمام حالات امام الحنابلہ کے کھول دیئے۔ پر کسی مقلد حنبلی کی کیا طاقت کہ علی الاطلاق سماع کو حرام بلکہ اسی تغلیظ کہ اس کو توبہ پر مجبور کیا جائے۔ اور ان کو مساجد سے نکال دیا جائے۔ ان کو چاہیے کہ پہلے اپنے ہم مذہب کو اور اس کے لڑکوں کو مسجد سے نکال دیں کیونکہ وہ تو سنتے رہتے ہیں۔

قال وقالت الحنفية الحاصرة التي ترقص فيها لا يصلی علیها حتی تغسل
والارض التي ترقص علیها لا يصلی علیها حتی يحضر ترابها ویرمی واللہ اعلم
اقول اور ان مشددین حنفیت کے اپنے امام اعظم رحمۃ علیہ کا معاملہ پیش کیا جاتا ہے جس سے واضح ہو جائے گا کہ اس مشدد نے کس قدر گستاخی سے کام لیا ہے۔ مدارج النبوت میں ہے۔
حکایت است از صاحب تذکرہ کہ پرسیدہ شد از امام ابو حنیفہ و سفیان ثوری از غناء۔ پس گفتند ہر دہ کہ نیست غناء از کبار و نہ از اسود صغائر و نقل کردہ اند کہ امام ابو حنیفہ را ہمسایہ بود کہ ہر شب بوے خاست و تفتنی میکرد امام گوش میداشت تعنی اورا و شنید شبے آواز وے۔ گفتند کہ بیروں برآمدہ بود

دے امشب۔ پس گرفتند و در زماں کردند اور اپس پوشید امام عمامہ خود را بروقت تردا میر و شفاعت کرد اور او خلاص گرانید و پرسید امیر کہ نام او چیست گفتند عمر۔ پس بر آواز زماں ہر کہ را عمر نام بود۔ و گفت امام باں مرد کہ باز گرد بآنچہ میکردی ہر شب و چون گوش داشت امام ابو حنیفہ او و نہی نکرد اور ادالالت کرد بر اباحت تغنی ترددے۔ و استماع دے ہر شب آں ورع و تقویٰ کہ وے داشت حمل منی تو اں گرد مگر بر اباحت۔ پس آنچہ دارد شدہ از سے پر خلاف آں حمل کردہ شود بر غناء مقترن بفواحش از برائے جمع میاں قول و فعل دے۔ و حال آنکہ گرفتہ نشد است تحریم مگر از مقتضائے فعل وے۔ راز نص قول دے چنانکہ رفت بولیمہ کہ در وے غناء بود و مانند آں و حکایت کردہ است ابن قیمیہ کہ ذکر کردہ شد تردابی یوسف مسئلہ غناء پس ذکر کردہ قصہ جابر و ابو حنیفہ را و حکایت کردہ شدہ است از امام ابو یوسف کہ بسا کہ حاضری شد مجلس رشید دے بود در وے غناء پس مے شنید و مے گریست انتہی۔ اب ان روایات نے تمام شقوق جواب کی تردید و تکذیب کردی فاضل معاصر نے اپنے رسالہ میں ایسے فضول مباحث کو درج کرنے میں فائدہ حاصل کیا۔

باتو ار ہر طرف صدخن آرم میاں

ہر جو ایکہ وہی باز در آرم بہ سوال

اور رقص کی تحقیق و تفصیل پہلے مذکور ہوئی کہ دو قسم ہے مذموم و محمود۔ خواہ کوئی قسم بھی نہ ہو اس سے چٹائی مسجد کی ناپاک ہوتی ہے اور نہ ہی مسجد۔ کیونکہ احناف کے نزدیک جب مشرک مسجد میں داخل ہو کر چٹائی پر قدم رکھے۔ تو اس سے نہ چٹائی کا دھونا فرض ہو جاتا ہے اور نہ مسجد کا فرش اٹھانا۔ نامعلوم رقص کرنے سے کیوں یہ تمام ناپاک ہو رہے ہیں۔ کیا رقص شرک سے بھی بدتر ہے و قد قال اللہ تعالیٰ ان المشرکین نجس • (سورۃ التوبہ) اس مجیب کی جرأت و بے باکی پر افسوس ہے۔ کہ ایسے کلمات غلیظ بے سند بول کر فاضل معاصر جیسے عالی مزاج آدمی کو خوش تو کر دیا۔ لیکن اپنی عاقبت کا خیال نہ کیا۔

قال وقد قال الشيخ الامام ابو عبد الله القرطبي رحمته الله تعالى في تفسيره حين

تکلم علی قصۃ السامری فی سورۃ طہ سئل الامام ابو بکر الطوطوسی رحمۃ اللہ علیہ
السوال ما یقول سیدنا الفقیہ فی مذهب الصوفیۃ حرمن اللہ مذهبہ انہ اجتمع جماعۃ
من الرجال یکثرون من ذکر اللہ تعالیٰ و ذکر محمد ﷺ ثم انہم یوقعون اشعار مع
الطقطقة بالقصیب علی شیء من الادیم و یقوم بعضہم و یرقص و یتواجد حتی یخر
مغشیاء علیہ و یحضرین شیئا یا کلونہ هل الحضور معہم جائز ام لا افتونا یر حکم اللہ
تعالیٰ و هذا القول الذی یدکرون *

یا شیخ کف عن الذنوب

قبل التفرق و الذلل

و اعمل لفسک صالحا

مادام ینفعک العمل

الجواب فاجاب بقولہ یر حکم اللہ مذهب ہوا لاء بطالة و جمالة و ضلالة و ما
سلام الا کتاب اللہ و سنتہ رسولہ صلی اللہ علیہ و سلم و اما الرقص و التواجد فاول من
احدہ اصحاب السامری لما اتخذ لہم عجیلا جسد الہ خواری قاموا یرقصون الیہ
فہو دین الکفار و عباد العجل و اما القضیب فاول من احداثہ الزنادقة للیتستغلو بہ
المسلمین عن کتاب اللہ و انما کان النبی ﷺ مع اصحابہ کانما علی رؤسہم الطیر
من الوقار فینبغی للسلطان و نوابہ ان یمنعہم من الحضور فی المساجد و غیر ہا و لا
یحل لا حدیث من باللہ و الیومہ الا خران یحضر معہم و لا یعینہم علی باطلہم هذا
مذهب مالک و ابی حنیفہ و الشافعی و احمد بن حنبل و غیرہم من ائمتہ المسلمین و
باللہ التوفیق

اقول و اعتصم بحبل اللہ المتین یہ جواب غلط اور مخالف کتاب اللہ و سنتہ الرسول ﷺ
معمولات ائمہ اربعہ و سلف صالحین ہے بچند وجوہ الاول سوال میں جو پہلا فقرہ درج ہے اس کا

حاصل یہ ہے کہ مرد جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کا اور رسول ﷺ کا بہت ذکر کرتے ہیں۔ اور اس کو عجیب نے بطلت و جہالت و ضلالت قرار دیا ہے۔ العیاذ باللہ حالانکہ خداوند کریم کا ارشاد ہے فاذکرونی اذکروکم • (سورۃ الاحزاب) یعنی تم میرا ذکر کیا کرو میں تمہارا ذکر کروں گا اور ثابت بنانی نے کہا کہ جب مجھے اللہ تعالیٰ یاد کرتا ہے مجھے معلوم ہو جاتا ہے۔ حاضرین نے کہا کہ آپ کو کس طرح معلوم ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ جب میں اللہ تعالیٰ کو یاد کروں وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ وقال اللہ تعالیٰ اذکروا اللہ ذکرًا کثیرا یعنی اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کیا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ولا یذکرون اللہ الا قلیل! یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے مگر تھوڑا وقال تعالیٰ الذین یذکرون اللہ قیامًا وقعودًا وعلیٰ جنوبہم • (سورۃ العن) یعنی وہ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے اور حضور سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے لذكر الله عز وجل بالعذاق والعشی افضل من حطبه السیوف فی سبیل الله ومن اعضا لاسمًا یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر صبح اور شام بہتر ہے اللہ کے راستہ میں تلواروں کے چلانے اور بہت مال خرچ کرنے سے اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب مجھے میرا بندہ اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو جی میں یاد کرتا ہوں اور جو جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس سے اچھی جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ اور حدیث شریف میں ہے جس مجلس میں لوگ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس مجلس کو فرشتے اپنے پروں سے ڈھانک لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر محیط ہوتی ہے اور خداوند اپنے فرشتوں میں ان کا ذکر کرتا ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں جو لوگ جماعت بن کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں جس سے ان کی غرض صرف رضامندی ہونے کی ہو۔ تو ان کو آسمان سے منادی آواز کرتا ہے کہ چلو تمہارے گناہ سب صاف کیے گئے ہیں۔ اور تمہارے گناہ نیکیوں کے ساتھ بدلائے گئے ہیں۔ ان تمام احادیث کو امام غزالی نے احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے۔ ان احادیث و آیات سے ذکر کی فضیلت بخوبی ثابت ہو گئی۔ تو جس شخص نے ذکر اللہ کو بطلت و جہالت و ضلالت کہا ہے۔

اس کے منہ میں خاک کا لقمہ دینا چاہیے۔

ہر آنکہ لب زرخ یار و زلف اور برسبت

بد ہن او ہمہ خاک جہاں سایہ ریخت

والثانی دوسرا فقرہ یعنی اشعار کا پڑھنا اگر ان میں مضامین حکمت اور وعظ اور ترغیب و ترہیب کا ہو تو ان کا پڑھنا مسنون ہے اور سننا بھی حضور کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ اشعار کے مضامین اگر اچھے ہوں تو وہ بھی اچھے ہیں۔ اور اگر ان کے مضامین قبیح ہوں تو وہ بھی قبیح ہوتے ہیں الحدیث رواہ دارقطنی۔ اور خود حضور کا اشعار پڑھنا اور صحابہ سے سننا پہلے مذکور ہو چکا ہے بلکہ مسلم کی حدیث میں ہے کہ آپ امیہ بن صلب کے اشعار سننے میں ایسے محظوظ ہوتے تھے کہ جب ایک شعر سنتے تو فرماتے اور کہو۔ پھر جب دوسرا سنتے تو فرماتے اور کہو حتیٰ کہ سو بیت آپ نے سنے اور آپ نے لبید کے اس بیت کی تحسین فرمائی۔

ان فضل الله غیم هاطل

الا کل شیء ما خلا الله باطل

اس سے ثابت ہوا کہ اشعار کا پڑھنا اور سننا باطلت ہے نہ جہالت نہ ضلالت ہے۔ بلکہ اس کو بطلت اور جہالت اور ضلالت کہنا خود بطلت اور جہالت و ضلالت ہے والٹالٹ تیسرا فقرہ یعنی کسی چوب کو کسی چرمی چیز پر مار کر طقطقہ حاصل کرنا میں کہتا ہوں کہ یہ صورت دف یا اس کی مثال کی ہے۔ اور دف وغیرہ کا بجانا مواقع سرور میں مباح ہے جیسا کہ اسحاق سابقہ میں اس کی تفصیل گزری ہے اس کے بطلت و جہالت و ضلالت ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی والرباع چوتھا فقرہ یعنی بعض لوگ اٹھ کر رقص اور وجد کر کر بے ہوش ہو کر گر جاتے ہیں۔ کیا یہ فعل جب خالص ہو تو ناجائز ہے۔ کلا و حاشا آپ نے شاید احیاء العلوم اور شامی وغیرہ کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے رقص اور وجد کے بارہ میں کیا لکھا ہے۔ اور عوارف المعارف میں اس کی کس قدر تحقیق کر کے ثابت کر دیا ہے کہ نہ رقص علی الاطلاق حرام ہے اور نہ سماع جناب سید الکونین رضی اللہ عنہ کے عہد

اقدس میں آپ کے سامنے یہ سب کچھ ہوا۔ سماع کی تحقیق پہلے مذکور ہوئی اور رقص جو حشیوں نے آپ کی مسجد میں کیا۔ اور آپ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنے کندھے سے ڈھانک کر دکھلاتے رہے کیا یہ رقص کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتے؟ وجد اور رقص بخار کے اشعار نہیں بلکہ اہل اسرار کے آثار ہیں۔ کیونکہ ہر فعل پر کوئی نہ کوئی اثر مرتب ہوا کرتا ہے جس کے لیے اس فعل کا صدور ہونا ہے اور سماع کا اثر مرتب یہی وجد ہے۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں کہا ہے کہ وجد اثر اور شرہ سماع کا ہے جو کہ وہ وارد حق جدید ہے سماع کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ جس کو صاحب سماع اپنے جی میں محسوس کر لیتا ہے۔ کبھی اس کو ہضم کر جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا کوئی اثر جوارح میں ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کا نام وجد الکملاء ہے۔ اور کبھی ہضم نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کے آثار جوارح میں ظاہر ہو جاتے ہیں مثلاً حرکات منیفہ اور اضطرابات غیر عادیہ اس کا نام وجد العرفاء ہے۔ اور ان حرکات کا نام رقص ہے۔ پس جس شخص نے سماع کیا اور وجد نہ کیا۔ اس کی مثال گدھا کی ہے جو کتا میں پیٹھ پر اٹھاتا ہے۔ اور اس وجد کا منکر سوائے کالانعام بل ہم اضل سمیل کے سوا کوئی بھی نہیں کیونکہ حیوان بھی کبھی سماع سے خوش ہو کر وجد اور رقص میں آ جاتا ہے۔ جیسا کہ اونٹ جو کہ حدی کے آواز سے وجد اور رقص کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بھاری بوجھ کو برداشت کر کے ٹھنڈی رات کی مسافت طویلہ قطع کر جاتا ہے۔ یہ تو حیوانات کا حال ہے۔ اور انسان کا حال یہ ہے کہ اس نے مدت میں مشاہدہ محبوب کو مکاشفہ مرغرب میں واصل ہو جاتا ہے اور بہت سے اولیاء اللہ نے اس حالت میں وصال حقیقی حاصل کر لیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی مجلس میں جن و انس واطیور سب جانور جمع ہو کر لعن داؤدی سنتے تھے اور محفوظ ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ چار سو جنازہ ان کی مجلس سے اٹھایا جاتا تھا انتہی۔ ناظرین کو اس امر کا اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ایسے وجد کو بطلت، ضلالت یا جہالت کہنا کس قدر نامناسب ہے۔

والحامس پانچواں فقرہ جس کا حاصل یہ ہے کہ طعام حاضر کر کے کھاتے ہیں۔ حالانکہ قری الضعیف سنت مؤکدہ متوارثہ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں موجود ہے۔ اس کو بطلت

وضلاّت و جہالت قرار دینا انصاف سے کوسوں دور ہے۔ السادس چھٹا فقرہ جس کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ ایسی مجالس کو مساجد میں نہ ہونے دے حالانکہ خداوند تعالیٰ کا خاص ارشاد ہے ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعی فی خواہا اولئک ما کان لہم ان یدکوہا الا خائفین۔

السابع ساتواں فقرہ یعنی مومن کو اس مجلس میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔ حالانکہ حدیث شریف میں ایسی مجالس کے بارہ میں ارشاد ہے ہم قوم لا یشقی جلیسہم تو جس نے اس کی شمولیت کا حصہ لیا اس کو ثواب اور اجر بہرہ ور اور جو محروم ہوا وہ محروم ہوا۔ الثامن اور آخری فقرہ جس کو نقل کرتے وقت فاضل معاصر بڑے خوشی کے نعرے لگاتے ہوں گے جس کا حاصل یہ ہے کہ حرمت سماع، وجد و رقص امام مالک و امام ابو حنیفہ و احمد بن حنبل کا مذہب ہے حالانکہ اس کی تردید سابق سوال کے جواب میں بالتفصیل گزری اعادہ کی حاجت نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وال جواب الصحیح لہذا السؤال یہ ہے کہ یہ مجلس مجالس الخیر سے ہے۔ اور اس میں شامل ہونا موجب نزول رحمت و برکت ہے۔ ایسی مجلس میں حاضر ہو کر بزرگان دین سے فیوض حاصل کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے اور باعث اجر و مغفرت ہے قال النبی ﷺ المجلس الصالح یکفر عن المؤمن الفی الف خطیئۃ من مجالس السوء کذا فی الاحیاء پس جس کا جی چاہے حاضر ہو کر ثواب حاصل کرے۔ اور جس کا جی نہ چاہے تو گھر میں بیٹھ کر اس فیض سے محروم رہے۔ مگر بہر حال اولیاء اللہ کے احوال پر اعتراض اور انکار نہ کرے۔ ورنہ غضب الہی کا مستحق ہو جائے گا۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد

ہر آنکس دم زند ریشش سبوزد

تکمّلہ

فاضل معاصر نے اپنے زعم میں اس حرمت سماع علی الاطلاق کو ہر چہار مذہب کے ائمہ کی طرف نسبت کر کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ اور ائمہ اربعہ اہل مذاہب کے افعال و اقوال کی تشریح پہلے مذکور ہوئی۔ اب ان کے محقق مقلدین کے اقوال بھی ذرا سن لیجئے۔ جس سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ یہ دعویٰ بالکل غلط ہونے کی وجہ سے ناقابل سماع ہے۔

باتوا از ہر طرف صد سخن آرم بیاں

ہر جوابیکہ دہی باز در ایم بسوال

مدارج النبوت میں ہے کہ داؤد و طائی فقیہ حنفی شاگرد امام اعظم صاحب جو نہایت جلیل القدر امام تھے۔ اور بوجہ کبر سن کے کوز پشت ہو گئے تھے۔ جب سماع سنا کرتے تو ان کی پیٹھ سیدھی ہو جاتی تھی۔ اور فقیہ ناصر الدین ابوبکر اسکندری اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگر سماع شرائط کے ساتھ اپنے محل میں اسکے اہل سے سنا جائے تو درست ہے اور یہی مختار ہے۔ حنابلہ میں سے ابوبکر صاحب جامع اور ان کے شاگرد عبد العزیز کا اور صاحب مستوعب نے اس کو ان کی جماعت سے نقل کیا ہے۔ اور صالح و عبد اللہ پسران امام احمد سے بھی سماع کا سننا سابقاً منقول ہوا۔ اور ظاہر یہ سے حافظ ابوالفضل مقدسی وغیرہ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔ اور محمد بن حزم نے بھی اپنے مصنفات میں اس کو ذکر کیا ہے۔ بلکہ اس نے اس بارہ میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ نیز ابن طاہر نے بھی ایک رسالہ اباحت سماع میں تصنیف کیا۔ جس میں صحابہ و تابعین کا اجماع اباحت سماع پر ثابت کیا۔ اور اسانید موثوقہ سے موثق کیا۔ اور شیخ تاج الدین عبد الرحمن فرداوی و مفتی دمشق اور ابن قتیبہ نے اباحت سماع پر اجماع اہل حرمین کا نقل کیا ہے۔ اور ابن طاہر نے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔ کہ جب اہل مدینہ کا کسی امر پر اجماع ہو۔ تو اس کو سنت جاننا چاہیے اور ابو یعلیٰ جبلی نے روایت کیا ہے کہ یوسف بن ماحجون اور اس کا بھائی سماع کی رخصت دیتے تھے۔

اور امام یحییٰ بن معین نے جو کہ اعظم ائمہ حدیث سے تھے ذکر کیا ہے کہ یوسف بن ماثون کی مجلس میں حاضر ہوئے ہمیں حدیث سناتے تھے اور دوسرے مکان میں اس کی لونڈیاں مزامیر بجا رہی تھیں۔ اور عبدالعزیز بن ماثون جو کہ اہل مدینہ کے مفتی تھے۔ صحیحین وغیرہ میں اس کی روایات احادیث بکثرت ہیں وہ بھی عود کے سننے میں رخصت دیتے تھے۔ اور درالختار شامی، عالمگیری، ہدایہ، فتح القدیر مبسوط وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے چونکہ فقہاء حنفیہ کے اقوال سابقاً بہت مذکور ہو چکے ہیں۔ لہذا اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

یا رب چہ نغمہ کز رہا بیکہ خون خشم
بانگرہ ہائے قلقش اندر گلوبہ بست

قال یہ عبارات قطعاً دلالت کرتے ہیں احادیث حرمت ملاہی کے جمہور علماء کے نزدیک علی التواتر معمول بہا ہونے پر

اقول

بہ تیشہ کس نخر اشد ز روئے خار گل
چنانکہ بانگ درشت تو میخ اشد دل

علمائے کرام ہر چہ اہل مذہب خواہ مجتہدین ہوں یا مقلدین کے افعال و اقوال بالتفصیل مذکور ہوئے۔ افسوس کہ فاضل معاصر کی ہمدردی کسی سے بھی نہ ہوئی۔ اور نہ ہی احادیث نے اس کا ساتھ دیا۔ اور نہ ہی صحابہ کبار و اتباع ابراہان نے اس بے چارہ کی حال پر سی کی

بروز تنگدستی آشنا بیگانہ میگرد
صرافی چوں شود خالی جدا پیمانہ میگرد

نہایت تعجب ہے کہ کس شیعہ سے اس حرمت سماع علی الاطلاق کو علی التواتر معمول بہا ہونے کا دعویٰ و ناز کرتے ہیں۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ ناز
بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست
قال لہذا یہ احادیث بسبب اس عمل تو اتر جمہور کے قطعی ہوگا۔

اقول دونوں طرف تو اتر عملی ہے۔ سماع مذموم کی حرمت اور سماع محمود کی اباحت پر لیکن جناب کو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ جبکہ وہ اباحت کے قائل ہی نہیں۔ قال اسی وجہ سے اکثر عبارات میں حکم حرمت کا کیا گیا۔ اور بعض میں جو حکم کراہت کا کیا گیا سو بوجہ فرق کرنے کے ہے تو اتر عملی اور تو اتر نقلی ہیں کہ ثانی موجب قطعیت اور اولی نہیں بلکہ قریب اس کے اقول

غرہی گرت ماست پیش آورد
دو پیمانہ آب است و یک چمچہ دوغ

جناب کی تاویل ایسی ہے جیسے کوئی اپنے کان کو سر کے اوپر لٹا کر ہاتھ لگاتا ہے حرمت اور کراہت والی روایات کی تاویل تو ہوئی۔ لیکن جن روایات میں اباحت صریحہ واقعہ ہو اس کو کس کونہ میں رکھا گیا صحیح تاویل یہ ہے جس سے تمام روایات کی تطبیق آجائے کہ باعتبار اختلاف احوال سماع کے احکام بھی متفرق ہوئے یعنی سماع اگر عوارض ذمیمہ سے خالی ہے تو مباح اور اگر عوارض مذمومہ خفیفہ سے ملحق ہے تو مکروہ اور اگر عوارض غلیظہ آگئے تو حرام لان التطبيق اولی من التلیق والوفاق اولی من النفاق

قال بہر حال مرتکب آلات ملاہی فاسق و آثم ضرور ہوگا۔
اقول یہی الفاظ ہیں جو جناب کو مورد عتاب و مستحق عقاب بنا رہے ہیں۔ مولانا سعدی فرماتے ہیں

چو آہنگ بربط شود مستقیم
کے ازدست مطرب خورد گوشال

آلات ملاہی سے جناب کی کیا مراد ہے۔ اگر تمام انواع مراد ہیں جیسا کہ جناب کا دعویٰ

ہے خواہ کسی غرض صالح سے استعمال کیے جائیں یا فاسد سے تو یہ سفید کذب و افترا ہے۔ کیونکہ بعض آلات کو بعض اغراض صالحہ کی وجہ سے تو خود جناب شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سنا۔ اور صحابہ کرام و تابعین عظام کے معمول بہار ہے جیسا کہ اباحات سابقہ میں اس کی تحقیق گذری ہے۔ تو یہ بزرگان دین و ہادیان اسلام (خاک بدین دشمن) فاسق ٹھہرے نعوذ باللہ من هذه العقيدة الفاسدة اور اگر بعض آلات مراد ہیں تو جناب کا مطلب کا فور ہو گیا۔ بلکہ ہمارا مدعا ثابت ہو گیا۔ کیونکہ جو آلات بغرض فاسد استعمال کیے جائیں ان کو کب حلال کہتا ہے۔

مجال سخن تا نہ بینی زپیش

بہ بیہودہ گفتن مبر قدر خویش

قال اور یہی حال ہے مجرد غناء بمعنی راگ کا بھی کہ اس کے باب میں بھی اس قسم کی عبارات کثرت سے صادر ہوئی ہیں

اقول

چو کر دی بالکوخ انداز پیکار

سر خورد را بنا دانی شکستی

جیسا کہ آلات میں تفصیل گزری ہے راگ میں بھی وہی تفصیل ہے اعادہ کی حاجت نہیں۔ جناب کو کلیات نے تباہ کر دیا ہے۔ کیونکہ آپ کی عادت ہے کہ جس مضمون کو ذکر کرتے ہیں خواہ ایجابی ہو یا سلبی تو کلیت کی صورت میں ذکر کرتے ہیں جس سے دھوکہ کھا بیٹھتے ہیں۔

تکمیل

ہمیں باب تعزیرات کے کھولنے کی کوئی غرض نہ تھی۔ اور نہ ہی حکم فسق کا کفر کا کسی پر جاری کرنے کی ضرورت۔ مگر چونکہ فاضل معاصر نے اپنے مال کا حال دیکھ کر پیش دستی کر لی ہے۔ لہذا ہم بھی اس کے جواب ترکی بہ ترکی دینے پر توکل کرتے ہیں۔ فاضل معاصر نے اس رسالہ خیرا لنواہی میں مرتکب سماع کو فاسق و آثم قرار دیا ہے۔ اور دوسرے رسالہ الاغنا بتحریم الغناء کے اخیر صفحہ پر لکھا ہے۔ کہ جو شخص نسبت سماع غناء کی رسول اللہ ﷺ کی طرف کرے گا واجب التعزیر ضرور ہوگا۔ کیونکہ اس نے غناء سے معنی راگ ارادہ کیا یا دوسرے معنی۔ تقدیر اول پر کفر اُس پر لازم آئے گا۔ اگر مکمل تاویل میں نہ واقع ہو۔ اور تقدیر ثانی پر ابہام کفر سے چارہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس زمانہ فسق میں متبادر غناء سے راگ ہوتا ہے۔ بہر حال وہ شخص واجب التعزیر ضرور ہوگا انتہی ص ۱۶

اقول یہ فاضل معاصر کی کمال دور اندیشی ہے۔ کیونکہ جس دعوے کے وہ مرتکب ہوئے ہیں۔ وہ خود کفر تک رسائی رکھتا ہے۔ آپ کو معلوم تھا کہ کوئی اہل حق ضرور اس میں اٹھ کر احقاق حق ادا کر دے گا۔ مگر اس بے چارہ نے یہ بھی سوچا کہ جب احقاق حق ہو گیا تو کفر یا فسق اور وجوب التعزیر کا کون مستحق رہے گا۔ شاید یہ آپ کے کسبِ رسی کے مقتضیات ہیں۔ ورنہ یہ ضرور نہیں کہ جس مسئلہ کی تحقیق کی جائے اس کے مخالف کو کفر یا فسق سے منسوب کیا جائے۔ اب ہم اصل مدعا کو چھیڑتے ہیں۔ وجیز الصراط میں ہے جس کا ترجمہ و ملخص یہ ہے۔ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی نے اپنے رسالہ بوارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع میں لکھا ہے کہ غناء اور دف کے سماع کے انکار کرنے سے سنت کی مخالفت ہے۔ اور سنت کی مخالفت اگر بوجہ حرام جاننے اس کے ہو تو کفر ہے۔ اور اگر اعراج کی نیت سے ہو تو فسق ہے اور مسلم و بخاری میں ربیع بنت معوذ بن عفراء سے مروی ہے کہ ایک دن سرور عالم ﷺ میرے گھر تشریف لا کر میرے بستر پر بیٹھ گئے اور میرے

پاس دولڑکیاں تھیں جو دف بجاتی اور شہداء بدر کے محاسن گاتی تھیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ ہمارے میں نبی ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بات کو چھوڑ دو اور جو پہلے گاتی تھیں وہی گائیے۔ اس حدیث نے اس امر پر دلالت کر دی ہے کہ آنحضور ﷺ نے دف اور غناء اور اشعار کو لونڈیوں سے سنا سوائے حاجت کے۔ تو مردوں سے ان کا سننا بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ جب حضور ﷺ نے ان لونڈیوں کو محاسن شہداء کے گانے کا حکم فرمایا تو یہ صیغہ امر میں یعنی قولی تھا۔ اور امر کبھی وجوب اور کبھی ندب اور کبھی اباحت کے لیے ہوتا ہے۔ ان کا امتیاز قرآن سے ہوتا ہے۔ اب یہاں جو صیغہ امر حضور ﷺ نے فرمایا یہ بھی احتمال وجوب کا رکھتا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ان لونڈیوں کو بالمشافہ حکم فرمایا۔ اور آپ کان دھر کر اس کے سننے کے شائق تھے ایسے امر کی مخالفت ہرگز ناجائز ہے۔ جب حضور کسی سے کوئی چیز طلب فرمائیں اور اسکے جواب کے انتظار میں رہیں تو اس کا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا الہا الذین امنوا استجبوا للہ والرسول اذا دعاکم لما یحییکم اور بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میرے گھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے اور میرے پاس د ولونڈیاں واقعات بعث کے گیت گاتیں اور دف بجاتی تھیں۔ حضرت صدیق نے ان کو روکا۔ حضور ﷺ جو وہیں منہ مبارک پر کپڑا اوڑھے ہوئے تھے اس کو کپڑے کو اتار کر فرمایا کہ ان کو چھوڑ دے ابو بکر رضی اللہ عنہ یہ دن عید کا ہے۔ اس حدیث کی صراحت نے اس امر کو ثابت کر دیا۔ کہ غناء اور دف کا سننا اور اس کے انکار کرنے والے کو رد کرنا یہ تمام جائز ہیں قال اللہ تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ پس جس شخص نے سماع غناء و دف کو حرام کہا تو گویا اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حرام کو سنا۔ اور حرام کے منع کرنے والے کو روکا۔ ایسا اعتقاد بد بنیاد بالاتفاق کفر ہے۔

سوال:

اگر کہا جائے کہ یہ سماع صرف عید کے دن جائز ہے۔ سو اس کے ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ

آپ نے عید کے ساتھ مقید فرمایا۔

جواب:

یہ ہے کہ قاعدہ اصول کا ہے خصوص سبب کا عموم حکم کو روک نہیں سکتا۔ اور حبشیوں کا گانا اور دف بجانا اور کونا مسجد نبوی میں صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اور خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کندھے سے ڈھانک کر دکھانا یہ سب کچھ ثابت ہے۔ اب جو شخص سماع یا رقص کو ناجائز کہے۔ تو گویا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتکب حرام ٹھہرایا۔ نعوذ باللہ من ذالک اور جس کا یہ اعتقاد ہو وہ بلاشبہ کافر ہے۔

سوال:

اگر منکر اعتراض کرے کہ یہ سماع حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ مخصوص ہے دوسروں کے واسطے جائز نہیں۔

جواب:

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شارع ہیں۔ اور شارع کے لیے کسی امر شرعی کا انفاء جائز نہیں قال اللہ تعالیٰ ان الذین یکتُمون ما انزلنا من البینات والہدی من بعد ما بیناہ للناس فی الکتب اولئک یلعنہم اللہ ویلعنہم اللعنون • (سورۃ بقرہ) وقال تعالیٰ واذ اخذ اللہ میثاق الذین او تو الکتب لتبیننہ ولا تکتُمونہ الا یہ • (سورۃ العرآن) اب اگر رقص و حضور سماع و دف کا بجانا حرام ہوتا۔ تو آپ پر اس آیت کے مقتضاء سے واجب تھا کہ اس کو بیان فرمادیتے۔ کہ یہ صرف ہمارے لیے ہے۔ دوسروں کے لیے نہیں ہے۔ جیسا کہ صوم وصال سے آپ نے لوگوں کو منع فرمایا۔ اور خود بذات اقدس اس کے مرتکب رہے الا خصوصیت بیان فرمادی۔ جب حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذات اطہر مجلس رقص و سماع غناء و دف میں شامل رہے۔ اور کسی کو اس سے منع بھی نہ فرمایا۔ تو جواز علی الاطلاق عمدہ ترین طریق سے ثابت ہو گیا۔

سوال:

اگر منکر کہے کہ رقص لعب ہے۔ اور لعب حرام ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے لا الدود منی ولا انا من الدود اور دود لعب کو کہتے ہیں۔

جواب:

اس کا یہ ہے کہ یہ حدیث لعب حرام کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ زرد قمار وغیرہ کیونکہ بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر کے دروازہ پر تشریف فرما تھے اور حبشی تیروں کے ساتھ مسجد نبوی میں کھیل کود رہے تھے اور میں ان کی طرف دیکھ رہی تھی جب مسجد نبوی میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھیل کود جائز ہوئی تو اس کے سوا دوسری جگہ بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔ اور جس نے کہا کہ لعب مطلقاً حرام ہے۔ تو اس نے گویا حضور کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرام پر حاضر ہونے کا اعتراف کیا۔ اور جس کا یہ اعتقاد ہو وہ بالاتفاق کافر ہے۔ دربار نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک عورت انصاریہ حاضر ہو کر عرض کرتی ہے کہ میں نے نذر مانی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو دف بجا دوں گی۔ دربار عالیہ سے ارشاد ہوتا ہے کہ اپنی نذر کو پورا کر یعنی ہمارے سامنے دف بجا۔ وہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دف بجا کر یہ شعر گاتی ہے۔

طلع البدر علینا من ثنیتہ الوداع

واجب الشکر علینا مادی اللہ الداعی

یہ گانا بجانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے ارشاد سے ہوا۔ اور آپ نے اس کو بذات اقدس سنا۔ اب جو شخص سماع غناء و دف و رقص کو حرام کہے تو اس نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتکب حرام جانا جس کا یہ عقیدہ ہے وہ بالاتفاق کافر ہے۔ جس شخص نے سماع کو مطلقاً حرام کہا۔ تو اس نے شرع میں جس چیز کی نص وارد نہ تھی اس کو حرام کہا۔ کیونکہ نہ کتاب اللہ میں اس کی حرمت وارد ہے اور نہ حدیث شریف میں۔ اور جو چیز شریعت میں حرام نہ ہو اس کو حرام کہنا افتراء علی اللہ ہے اور بالا جماع کفر ہے اور نیز عوام کا سماع اور رقص حبشیوں کے رقص کے مشابہ ہے۔ جو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے ہوا تھا۔ جس کی اباحت میں کوئی خلاف نہیں۔ اور نہ ہی عوام کے رقص و سماع میں خلاف ہے۔ بلکہ ان کے حرکات و سکنات و بوقت سماع ان کی حرکات کے مشابہ ہوں گے جو باطلین اور باغیوں میں ہوا کرتے ہیں۔ جن کی اباحت میں کوئی شک نہیں ویسے یہ بھی۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے من تشبه بقوم فهو منهم اور صاحبان حق مثل بعض صحابہ و اولیاء اللہ مثل جنید رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے سماع میں حرکات کیں جیسا کہ ان سے منقول ہے اب اگر عامی سماع میں ان کی مشابہت کے لئے حرکت کرے اور ان کی برکت حاصل کرنے کے واسطے تو یہ بھی انہیں سے ہوگا۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ هؤلاء القوم لا یسقی جلیسہم نیز جو شخص رقص و سماع غناء و دف کا منکر ہو وہ اللہ تعالیٰ کا محارب ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ سے لڑنے والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے محاربہ کرنا بلا اتفاق کفر ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے من عادى لی ولینا فقد بارزنی فی المحاربة اور اولیاء اللہ کا ہونا امت محمدیہ میں یقینی ہے۔ اس میں کسی کو انکار نہیں اور تمام روئے زمین کے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جنید بغدادی و شبلی و معروف کرخی و عبد اللہ بن شفیق وغیرہ اولیاء اللہ ہیں۔ اور ان کا سماع میں رقص و وجد منقول و معروف ہے پس جس نے سماع و رقص کو علی الاطلاق حرام کہہ دیا یا تو گویا اس نے ان اولیاء اللہ کو مرتکب حرام ٹھہرایا۔ اور جو شخص اولیاء اللہ کو مرتکب حرام کہے تو اس نے ان سے عداوت کی۔ اور جس نے اولیاء اللہ سے عداوت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محاربہ کیا۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محاربہ کیا۔ وہ بلا اتفاق کافر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق۔ ان تقاریر اور دلائل اور احادیث سے ثابت ہوا کہ سماع مطلقاً مباح ہے۔ اور اس کا منکر یا تو کافر ہے یا فاسق۔ اور یہ سماع مریدین کے حق میں تاکید مستحب ہے۔ اور اولیاء اللہ کے لیے واجب بالنسبة الی مقاماتہم۔ کیونکہ یہ لوگ ماسوئے اللہ سے اعراض کر نیوالے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ان کے حق میں سے یریدون وجہ انتہی ترجمہ کلام الغزالی و خیر الصراط۔ لیجئے فاضل معاصر نے تحریم سماع علی الاخلاق میں نہایت جانفشانی و سر توڑ کوشش کی اور پھر محللین پر حکم کفر یا فسق جاری کر کے وجوب التعزیر کی بھی ڈگری دے

دی۔ لیکن امام غزالی نے انہیں کے کفر کو مع اضعا ف مضاعفہ کے مثل تیغ ہندو بر گردن ہندو انہیں کے سر پر رکھ دیا۔ افسوس اس کج فہمی نے آپ کو دھوکہ دیا ہے۔

وہ چہ فرخندہ شبے باشد و خرم روزے

کہ بھیم تو در آید کہ سماع است حلال

قال وفي الذخيرة ان التغني مع جميع انواعه حرام عندنا

اقول اولاً شیخ عبدالحق دہلوی نے مدارج النبوت میں کہا ہے کہ صاحب ذخیرہ از حنفیہ نقل کردہ است از بعض حنفیہ کہ لا باس بہ فی الاعراس وبعضے گفتہ لا باس بہ دراعیاد و سائر اوقات سرور مباحہ و اختیار کردہ است آن را از علماء متقین شیخ الاسلام ابو محمد بن عبدالسلام و صاحب وے شیخ محمد بن دقیق العید انتہی۔ اب ان دونوں عبارتوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ تغنی سے وہی مراد ہے جو شرعاً مذموم ہے جو وہ تمام انواع حرام ہے نہ مطلق ثنائاً اگر اس عبارت کو اپنے عموم پر رکھ کر جمیع انواع غناء حرام سمجھے جائیں تو یہ بالکل کذب ہے۔ کیونکہ بعض انواع غناء کو تو ہادیان اسنام نے بھی سنا اس کو حرام کہنا چھوٹا منہ بڑی بات کا مصداق بنا ہے اب ہم کہتے ہیں کہ بعض الغناء سمعہ النبی ﷺ و اصحابہ و ائمة المسلمين فكلما سمعہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ و ائمة المسلمين فهو حلال طیب ینتج ان بعض الغناء حلال طیب اما الصغری فلما مر تحقیقہ بالا حادیث الصحیحة و الاقاویل الصریحة و اما الکبری فلہدایة الاسلام فثبت من هذا البرهان البین الانتاج ان القول بحرمة جمع انواع الغناء کذب و لغو، الا ان یفرق بین التغنی و الغناء فان الاول فعل و الثانی انفعال و تعمیم الاول لا یتسلزم تعمیم الثانی کما لا یخفی علی من دق النظر فالحاصل ان هذه العبادة بسياقها لا یفید المجیب و اللہ اعلم۔

قال و ایضاً فی فتاوی النسائی استماع صوت الملاهی و الغناء حرام

اقول قدمر تفصیل الملاهی و الغناء غیر مرة فلا نعیده

قال و ایضاً فیہ و قول محمد اللعب و الغناء دلیل علی ان التحريم لا يختص
بالمز امیر لان الضرب بالقصب و التغنی معه حرام لان ذالک لہو
اقول اس عبارت کا مفاد بھی حرمت غناء و مزامیر جو بغرض لہو و لعب کے ہوں ہے۔ نہ علی
الاطلاق جیسا کہ فاضل معاصر نے سمجھا قال واللہو کلہ حرام الا ثلثۃ ملاعبۃ الرجل مع اہلہ
او تادیبہ بفرسہ او مناصلتہ بقوسہ و ہذا نقل من فتاویٰ العتابی اقول حدیث شریف میں
بطل مقام حرام کے ہے۔ اس سے حرمت سماع کی ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ باطل کا معنی بے سود ہے
۔ والا جمیع ملاعبات مسوائے ہر سہ مذکورہ کے حرام ہوں۔ مثلاً حیوانات و طیور و میوہ جات کے ساتھ
بھی کھیلنا حرام ہو۔ حالانکہ انکی ملاعبت کی حرمت کا کوئی قائل نہیں ہے جیسا کہ کتب فقہ میں موجود
ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ انس بن مالک کا چھوٹا بھائی بلبلوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔
ایک دن آپ نے اس کو فرمایا یا ان عمیر ما فعل النعیر علاوہ یہ کہ اگر غنا بغرض لہو ہو۔ تو اس کی
حرمت میں ہمارا بھی اتفاق ہے۔

قال و ایضاً فیہ و فی المضمورات و فی المنافع اعلم ان التغنی حرام فی جمیع الا

دیان

اقول ادیان سے فاضل مجیب نے کیا سمجھا۔ اگر جمیع ادیان سالفہ و موجودہ مراد ہیں جن میں
امم سابقہ بھی داخل ہیں تو یہ صریح خلاف واقعہ ہے۔ کیونکہ ادیان سابقہ میں اس کی حرمت کا نام و
نشان بھی نہیں تھا۔ بلکہ بعض پیغمبروں کا یہی معجزہ تھا۔ اور اگر اسی امت مرحومہ کے ادیان مراد
ہیں۔ عام ازیں کہ امت اجابت ہو یا دعوت تاہم صحیح نہیں کیونکہ بعض افراد امت اجابت میں یہ
عبادت ہے۔ اور اگر صرف امت اجابت کے افراد مراد ہیں۔ تو چونکہ بعض غناء کو جناب سید
الکونین رضی اللہ عنہ وسلم صالحین نے سنا ہے۔ لہذا پھر بھی صاف سچ نہیں ہے۔ پھر حال جناب اس
عبارت کا سیاق و سباق دیکھ کر خوب سوچ کر جواب دیں۔ اگر جناب راستی پر چلتے اور سنگین دعوے
نہ کر بیٹھتے تو اس معرہ میں نہ پھنستے۔

راستی موجب رضائے خداست
کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

قال وایضاً فیہ الضرب فی القضیب والتغنی حرام لانہ لہو ولعب
اقول ہاں جب بغرض اہو ولعب ہو۔

قال و فی مدخل ابن الحاج قد سئل مالک عمار خص فیہ اهل المدينة من
الغناء فقال انما یفعلہ عندنا الفساق ونہی عن الغناء واستماعہ اقول ہاں بشرطیکہ بغرض اہو
ولعب ہو۔ والا لا۔ کیونکہ خود امام مالک سے منقول ہے السماع لا ینکرہ الا الجاہل کما مرو
ہذا سماع حق لا یناسب انکارہ۔

قال واما ابو حنیفہ فانہ یکرہ الغناء و یجعلہ من الذنوب و کل ذالک مذهب
اہل الکوفۃ سفیان و حماد و ابراہیم و الشعبی لا اختلاف بینہم فی ذالک ولا نعلم
ایضاً من اهل البصرۃ خلاف فی کراہتہ ذالک والمنع منہ
اقول امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سماع کے بارہ میں قول و فعل پہلے مذکور ہوا۔ اور باقی
علماء کے اقوال کے معانی بھی پہلے مذکور ہوئے۔ یعنی جو سماع مقترن بخش و منکرات ہو۔ وہی
کراہت یا ممانعت کا مستحق ہوگا۔

قال واما الشافعی فقال فی کتاب القضاء الغناء لہو مکروہ یشبہ الباطل
اقول اس عبارت کی تاویل پہلے مذکور ہوئی۔ اعادہ کی حاجت نہیں۔

قال و فی الدر المنقی شرح الملتقی فی البحر و امذہت حرمتہ مطلقاً فانقطع
الاختلاف

اقول بلکہ مذہب تفصیل ہے جیسا کہ شیخین کے قول و فعل سے ثابت ہے۔

قال بل ظاہر الہدایۃ انہ کبیرۃ ولو لنفسہ و هو قول شیخ الاسلام و کذا السامعہ
و حاضرہ انتہی ملخصاً اقول ذرا شروع ہدایہ مثلاً فتح القدیر، کفایہ، عنایہ، نہایہ، بنایہ اور در

المختار رد المحتار طحاوی اور بحر الرائق نہر الفائق وغیرہ اور فتاویٰ عالمگیریہ قاضی خان والوالحیہ وغیرہ کتب فقہ کو تو دیکھو وہ تو بوقت تنہائی دفع وحشت کے لیے جائز بلا کراہت لکھتے ہیں۔
بلکہ شمس الائمہ سرخسی کا تو یہی مشرب ہے۔

قال وفي النهاية التغمي والتصفيق والطنبور والبربط والدف وما اشبه ذلك
حرام و معصيته۔

اقول اس عبارت نے تو دف کو جناب کے نزدیک رخصت اور مباح تھی حرام کر دیا۔ تو اپنی
مخلصی کے واسطے جناب بھی کوئی صورت سوچیں گے۔ جو ہمیں بھی غالباً مفید ہوگی۔ فما هو جو
ابکم فهو جو ابنا وباللہ التوفیق

تاندانی کہ سخن عین صوابست مگو

آنچه دانی کہ نہ نیکوش جوابست مگو

قال خلاصہ کلام یہ ہے کہ آیت وحدیث اور مذہب جمہور علماء متوافق ہیں تحریم غنا و معازف
ہیں۔

اقول ع دروغے را کجا باشد فروغے۔ جعلی مقدمات سے اپنا مدعا ثابت کرنا جناب ہی کا کام
ہے۔ ذرا نیاز مند تھوڑے اس عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ جناب کے مشرب میں سماع تو علی
الطلاق حرام ہے کیا جھوٹ حلال ہے۔

ریا حلال شمارند و جام بادہ حرام

زہے طریقت ملت زہی مذاہب کیش

آیت اور حدیث اور اقوال فقہاء تو غنا اور معازف کو علی الاطلاق حرام نہیں کہتے جیسا کہ پہلے
مذکور ہوا۔ نامعلوم جناب نے ان سے کیا معنی سمجھے جس پر وہ ناز کرتے ہیں۔

قال فرق آیت اور حدیث میں اس قدر ہے کہ آیت محرم غنا صراحۃً ہے۔ اور محرم معازف
دلالتاً۔ اور حدیث برعکس اس کے محرم ہے۔

اقول سبحان اللہ ماشاء اللہ اب فاضل مجیب اپنی علمیت کے کرشمے دکھانے پر اترے ہیں۔ جناب نے صراحت کو دلالت کا مقابل بنا کر اپنے مدعا کا اثبات کر دیا لیکن یہ بھی نہ سوچا کہ صراحت اور دلالت کا آپس میں تقابل کیسا ہے۔ اگر بجائے صراحت کے عبارت کہ دیتے تو البتہ اس خدشہ سے بچ جاتے اچھا جو کچھ ہوا ہو۔ یہ تو معلوم ہو گیا کہ جناب بھی اصول کے ماہرین سے ہیں اللہم الا ان یراد من الصراحة والدلالة معناهما اللغوی لا العرفی اس صورت میں البتہ اعتراض سے تو بچ جائیں گے۔ مگر ان کے مدعا کے اثبات میں نقص آجائے گا۔ کیونکہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ ہر ایک لفظ اپنے مفہوم پر دلالت کرتا ہے عام ازیں کہ مطاہی ہو یا تصنیعی یا التزامی نہ کسی مغار پر مثلاً جہاد زید سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس کا گھوڑا بھی آیا ہو جہاں تک راکباً نہ کہا جاوے۔ تو جس عبارت کا مفاد حرمت غنا ہے وہ حرمت مزامیر پر کب دلالت کر سکتی ہے۔ اور جس کا معنی حرمت مزامیر ہے وہ حرمت غنا پر دلالت کرنے سے قاصر ہے۔

قال اور مذاہب و اعمال کے جمہور کے مصرح دونوں کی حرمت کے اور سوید دونوں دالتوں کے واقع ہوئے ہیں۔

اقول جس غنا اور مزامیر کو آیت حدیث و مذاہب و اعمال جمہور علماء حرام بتاتے تھیں۔ وہ جناب کا مدعا نہیں اور جو جناب کا مدعا ہے اس کو حرام نہیں بتاتے فیہنہما بعد المشرقین کما مر تفصیلہ فیما مر مراد ادا

اس سادگی پر کون نہ مرجائے اے خدا

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار ہی نہیں

قال غرض کہ حرمت غناء و معازف کی درجہ قطعیت کو پہنچی ہوئی ہے۔

اقول ہاں مگر نہ علی الاطلاق بلکہ وہ غناء اور معازف جو شرعاً مذموم ہیں۔

قال مگر قطعیت اس کی چونکہ نظری ہے بملا حظ قواعد شرعیہ اور تو اتر عملی کے ثابت ہوتی ہے بدیہی نہیں کہ مطابقت اور بسبب تو اتر نقلی کے ثابت ہو۔

اقول جو جناب کا مدعا ہے یعنی حرمت غناء و معازف علی الاطلاق قطعی کو بجائے خود ظنی بھی نہیں اور نہ اس کے ثبوت میں کوئی قوائد شرعیہ ناطق۔

قال لہذا منکر اس حرمت کا کافر نہ ہوگا۔

اقول

ہے وہ غرور حسن سے بیگانہ وفا

ہر چند اس کے پاس دل حق شناس ہے

قال البتہ فاسق اعلیٰ درجہ کا ہوگا

اقول

زخم بر زخم مت لگا اے شوخ

میں تری اس بدی سے در گذرا

اس حرمت اعلیٰ الاطلاق کا منکر نہ کافر ہے نہ فاسق۔ بلکہ اس حرمت کا قائل کافر ہے جیسا کہ

امام غزالی نے اپنے رسالہ بوارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع میں خوب تحقیق سے تصریح فرمائی ہے۔ دیکھے خدا جس کا جی چاہے۔

قال اور جس نے کفر کا حکم دیا یا تو تہدید کیا یا احکام قطعہ نظریہ و بدیہیہ میں فرق نہ کرنے

کے سبب سے کیا۔

اقول جس نے کفر کا حکم دیا یا فسق کا دونوں اس غلطی میں یکساں ہیں۔

قال بہر حال حکم اس کا تحقیقی نہیں ہے کہ آثار اس کے اس پر مرتب ہوں اقول اچھا ہوا کہ

جناب نے اپنے دلائل کو غیر تحقیقی یعنی جعلی قرار دیا ہے۔

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گدشتی

گوشت خاک ماہم برباد دادہ باشی

قال و مخالفت محللین کی کسی طرح مضرب نہیں۔ کیونکہ مداران کی مخالفت کا امور عیدہ پر ہے۔

جو کہ خارج از قواعد شرعیہ ہیں۔

اقول جب محرمین سے کوئی دلیل قوی حرمت سماع علی الاطلاق پر قائم نہ ہو سکی۔ تو محلّین کو دلائل کے قائم کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ کیونکہ جس چیز کی حرمت ثابت نہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک چونکہ اصل الاشیاء اباحت ہے۔ لہذا اپنے اصل پر محمول ہو کر مباح ہوگا۔ محلّین کا مدرا نہی دلائل پر ہے۔

قال اول یہ احادیث اور ارتکابات صحابہ وغیرہ سے حلت غنا کی ثابت کرتے ہیں۔ اور اس پر اجماع کو منعقد کرتے ہیں۔ حالانکہ غنا محاورہ عرب میں چند معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ رفع صوت۔ نصب۔ حداء راگ۔ اور مقامات استعمال لفظ غناء میں کوئی قرینہ ایسا نہیں کہ جس سے تعیین رابع کی ہو۔ بلکہ کثرت وقوع رفع صورت و نصب و حداء کا قرن اولیٰ میں فیما بین اہل اسلام کے مرجع ہوگا۔ حمل غنا کو ماسوائے راگ پر کیونکہ شہرت معنی کی مرجع ہوتی ہے حمل لفظ کو اسی معنی پر جب تک کہ کوئی قرینہ صارفہ نہ قائم کیا جائے۔ پس محلّین کی حجج سے ثبوت حلت ماسوائے راگ کا ہوگا جو متنازع نہیں۔ اور جو متنازع فیہ ہے۔ وہ ہرگز ثابت نہیں۔

اقول سعدی کا فرمان ہے

یا سخن آرائے چو مردم بہوش

یا بنشین ہچو بہائم خموش

جناب من۔ آیت لہو الحدیث کی تفسیر میں جو بعض صحابہ سے قرن اول میں لفظ غنا کا صادر ہوتا ہے۔ جس پر جناب بڑے زور سے ناز کر کرنا ہو گئے ہیں اس کا معنی ابھی راگ نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ دوسرے معانی میں سے جو کہ مشہور ہیں کوئی معنی امراد ہو۔ علیٰ ہذا القیاس بعض احادیث یا آثار میں سوشاید اس سے بھی مراد راگ نہ ہو۔ یا کلام فقہائے متقدمین جو غنا کی حرمت کے روایات میں آئی ہیں ان سے مراد بھی راگ نہ ہو۔ پھر تو فیصلہ ہو گیا۔ کہ نہ کوئی نص راگ کی حرمت اور نہ اباحت پر۔ تاہم جناب کو خسارہ کیونکہ ایسے وقت میں اصل اشیاء کو مد نظر رکھ کر اباحت ثابت ہو

جائے گی۔ جس سے جناب کا مطلب کا فور و مدعا مفروہ ہو جائے گا۔

کبوتر یکہ دگر آشیاں نخواستہ دید

قضا ہے بردش بسوئے دانہ دوام

اگر جناب وہاں قرینہ صارفہ نکال لیں۔ تو ہم بھی ان احادیث محللہ یا اجماع منعقدہ یا اقوال سلف یا اعمال قدماء میں کوئی نہ کوئی قرینہ صارفہ تلاش کر کے ہدیہ مزاج عالی کر دیں گے۔ نہایت تعجب ہے کہ جو لفظ اولہ محرمہ میں وارد ہو۔ وہ تو بمعنی راگ ہی ہے۔ وہاں قرینہ کی ضرورت ہی نہیں۔ اور اگر وہی لفظ اولہ محللہ میں آجائے تو راگ کے سواء کسی دوسرے معنی پر محمول ہو جاتا ہے۔

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

قال یہ کہ احادیث سے حلت دف کی ظاہر کر کے معازف کو اس پر قیاس کرتے ہیں۔ حالانکہ حلت دف کی رخصتہ مقام ضرورت میں بعض انہیں احادیث سے ثابت ہے۔

اقول ع سخن شناس نہ بر اخطا اینجاست۔ جناب من! حلت معازف کو دف کی حلت پر اولاً تو قیاس کرنے کی ضرورت کیا ہے جب یہ ثابت ہو گیا۔ کہ جملہ معازف فی نفسہا مباح ہیں۔ ان کی ذات میں نہ کوئی حرمت نہ قباح۔ الا بوجہ عوارض مذمومہ ملحقہ کے کبھی حرمت آ جاتی ہے۔ جیسا کہ مباحث سابقہ عوارض مذمومہ ملحقہ کے کبھی حرمت آ جاتی ہے۔ جیسا کہ مباحث سابقہ میں اس کی تفصیل گذری۔ ثانیاً اگر قیاس کیا بھی جائے۔ تو یہ قیاس صحیح ہے۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

قال اور امر ضروری مقدر بقدر ضرورت ہوا کرتا ہے۔

اقول، سوائے ان مزامیر کے جو مجالس فسق میں سبائے جائیں۔ دیگر کل اپنی اباحت اصلہ پر ہوں گے۔ ان پر حرمت آئی ہی نہیں۔ پھر ضرورت کیسی۔ اور مقدر بقدر ضرورت کہاں کا؟

قال لہذا دف ہی کی حلت عموماً ثابت نہیں ہوتی۔ چہ جاء اور معازف کی حلت

اقول دف کی حرمت کی کوئی بھی وجہ معلوم نہیں ہوتی عموم کیا اور خصوص کیا۔ ہاں اگر مجلس

فساق میں بجائی جائے تو بعوارض ذمہ حرام ہو جائے گی۔ اس میں سب مزامیر داخل ہیں دف کی کوئی خصوصیت نہیں۔

قال اور بر تقدیر دف کے عموم حلت کے بھی قیاس صحیح نہیں۔ کیونکہ مطرب کا قیاس غیر مطرب پر مع الفارق ہے۔

اقول اولاً آلات مطربہ کا قیاس عود پر مشہرہ کا قیاس دف پر جیسا کہ پہلے مذکور ہو ثانیاً مطرب وغیر مطرب کے فرق کا خیال وہ شخص کرتا ہے۔ جس کو حظ روحانی نہیں اور جس کو اس درد کا احساس ہے۔ اس کو اس بات سے کیا غرض

نہ یم داند آشفته خاطر نہ زیر

بہ آواز دولاب گرید فقیر

درخت سبزد اند قدر باراں

تو چوبی قدر باراں راچہ دانی

قال ثالث یہ کہ باوجود دعوے کثرت احادیث تحریم معازف کے تصنیف ہر حدیث کی کر کے کسی کو قابل احتجاج نہیں سمجھتے۔ حالانکہ کثرت احادیث کا اتفاق کسی حکم پر دلالت کرتا ہے وجود اصل پر اس حکم کے۔ پھر یہ احادیث بھی واقع میں کل ضعیف نہیں بلکہ صحیح اور بعض حسن اور اکثر ضعیف ہیں۔ اور ضعیف بھی کل ایسی نہیں کہ جن کا تعدد طرق درجہ حسن کہ نہ پہنچا دے۔ علاوہ اس کے غیر صحیح کا سب قوت ہوتی ہیں صحیح سے۔ پھر جب ان سبہوں کی قبولی کے ساتھ ہر عصر میں تعلق جمہور علماء کی بطور تواتر متعلق ہو گئی۔ اور تعامل ان کا حسب مقتضی ان کے علی التواتر ہو گیا۔ تو یہ احادیث سب کی سب درجہ قوت میں حد قطعیت کو پہنچ جائے گی۔ کیونکہ اس جگہ کوئی معارض قوی ایسا نہیں کہ جو مانع قطعیت کو پہنچ جاؤں گی۔ کیونکہ اس جگہ کوئی معارض قوی ایسا نہیں کہ جو مانع قطعیت ہو۔

اقول:

ہر کہ تامل نکند در جواب
بیشتر آید سخنش تا صواب

جناب من! احادیث کی تضعیف کی ضرورت تب پیش آئی۔ جب انکا محمل صحیح نظر نہ آتا۔ مگر چونکہ ہر ایک حدیث کا محمل صحیح موجود ہے۔ جس سے محملین کے مدعا کی صریحاً تائید اور محرمین کے ادعاء کی تردید ہے۔ پھر تصنیف کی ضرورت کون سی۔ ہاں نقادین نے جو جو موٹا گافیاں کی ہیں وہ کسی کے کہنے سے نہیں۔ بلکہ یہ ان کا اپنا فرض منصبی تھا۔ جس سے وہ سبکدوش ہوئے ہیں۔ اور خود جناب جو اکثر احادیث محرمہ کو ضعیف کہہ جاتے ہیں۔ بتائیے اس میں ہمارا کیا قصور؟

قال رابع یہ کہ بعض اور بعض اکابر علماء سے اختیار بعض معارف کو اور حضور مجلس غناء مع المزمار کو نقل کر کے تقویت اپنے دعوے کی کرتے ہیں حال آنکہ اس قسم کے وقائع حالیہ بسبب تطرق احتمالات کے مقابل میں ان احادیث متعلقہ بالقبول کے تقویت ان سے کیسی قابل اعتبار بھی نہیں ہوتی۔

اقول صحابہ و تابعین و اکابر علماء دین و فقہاء مجتہدین کے عملدرآمد اول دلیل اباحت سماع ہے۔ ان کے افعال بحیثیت مقتداء ہونے کے ہمارے اسوۂ حسنہ ہیں۔ احادیث کے معانی و موارد ان کو بخوبی معلوم ہونے کی وجہ سے ان کے افعال خلاف مامور بہ پر حمل نہیں کئے جاسکیں گے۔ اصحابی کا لنجوم باہیم اقتدیتم اہتدیتم کا اسی طرف اشارہ ہے۔ علاوہ اس کے تطرق احتمالات تو احادیث قولیہ سے بھی رکتا۔ پھر کیا وہ بھی قابل عمل نہیں۔

قال علاوہ اس کے اگر نقل ان کی درجہ وثوق کو پہنچے تو مقابل میں ان احادیث کے شاذ ٹھہریں گے اور شاذ اقسام مردود کے ہے۔

اقول:

نہ بیند مدعی جز کوشستن را
کہ دارد پردہ پندار در پیش

جناب تو خواب کی باتیں کر رہے ہیں۔ ذرا ہوش میں آکر باتیں کرے۔ شاذ اس حدیث کا نام ہے جس کو فرد واحد برخلاف جماعت کثیرہ سے روایت کرے۔ یہاں تو جماعت کثیرہ صحابہ کرام، تابعین، ائمہ مجتہدین و اساتذہ محدثین اس عمل میں شریک ہیں۔ بلکہ خود سید المرسلین ﷺ نے بھی شرف اشتراک بخشا۔ جو کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ جن کی صحت کو خود جناب نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ اب بتائیے کہ شاذ کون ہوئے۔ ادلہ محللہ یا محرمہ اس میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر ذرہ بھر بھی انصاف اور حق پرستی ہے تو خود فیصلہ کر لیں۔

قال خامس یہ کہ اقوال محرمہ کے بعض کلمات کو ایسے معانی پر محمول کرتے ہیں جس سے سیاق و سباق محل وغیرہ ابا کرتا ہے۔

اقول

دکھاتا یوں وہ اپنی چال کے اطوار پھرتی ہیں

بہادر جنگ میں جیسے لیے تلوار پھرتے ہیں

جناب من! اگر اس چال میں کوئی قباحت ہے۔ تو اس میں جناب کا نمبر اول ہے۔ نظائر تو اس کے بہت ہیں۔ مگر بطور نمونہ صرف ایک تطیر ضیافت مزاج عالی کی جاتی ہے۔ غناء کا لفظ جب ادلہ محللین میں آئے تو اس کا معنی راگ ہرگز نہیں۔ بلکہ حدا یا رفع صوت یا نصب ہے۔ اور جب یہی لفظ جناب کے استدلال میں آئے۔ تو اس کا معنی راگ ہی ہے نہ غیر۔ اب بتائیے کہ ایسی چال بازی کسی کے امکان میں ہے۔

قال سادس یہ کہ اقوال و افعال حضرات اکابر باباطن قدس الاسراء ہم کو مؤید حلت گردانتے ہیں۔ حالانکہ ان سے تائید کسی طرح صحیح نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے کہ افعال ان حضرات کے دو حال سے خالی نہیں۔ یا حالت اضطراب ہیں۔ اور بسبب شدت ضرورت دفع مرض تکاسل

کے صدور پاتے ہیں۔ تقدیر اول پر حلت ان کی مثل اور محرمات کے بطریق رخصت شرعیہ کے ہوگی۔ نہ عزیمت شرعیہ کے۔ یہاں تک کہ تائید صحیح ہو۔ اور تقدیر ثانی پر حرمت ان افعال سے مختلف نہیں ہوتی۔ حالانکہ منافع کثیرہ مثل مسرت وقوت وشجاعت وغیرہ کے اس پر مرتب ہوتے ہیں۔

اقول

نہ در ہر سخن بحث کردن رد است

خطا بر بزرگاں گرفتن خطاست

حضرات اکابر ارباب باطن جن کا دوسرا نام اولیاء اللہ ہے۔ چونکہ انھیں خواص عباد اللہ اور مقتدایان امت محمدیہ ہیں۔ اگر ان کے اقوال و افعال مؤید اور سند نہیں ہو سکتے۔ تو کیا عوام کا لانعام کے افعال و اقوال سند بنائیں گے۔ جناب من! اگر جہان میں کسی کا قول و فعل حل و حرمت میں مؤید یا سند بن سکتا ہے تو یہی لوگ ہیں۔ جن کے نفوس مقدسہ محبت الہی میں ایسے محو ہیں کہ سوارضا محبوب حقیقی کے نہ چلتے ہیں نہ پھرتے ہیں نہ اٹھتے ہیں نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ ان کے افعال و اقوال ان کے حرکات و سکنات گویا عین شرع ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں

ہر چہ گیرد علی علت شود

کفر گیرد کا ملے ملت شود

قولہ تقدیر اول پر آہ یہ تقریر جناب کی تب قابل تسلیم ہوتی۔ جب سماع کی حرمت ثابت ہو جاتی۔ چونکہ اب تک یہ دعوے ثبوت طلب ہے۔ تو اضطراب و شدت ضرورت پر حمل کرنا جناب کے من کے لڈو ہیں۔ قولہ اور تقدیر ثانی پر آہ یہ تقریر سراسر تزویر ہے۔ اول تو اولیاء کرام کے افعال و معمولات کو حرام قرار دینا چھوٹا منہ بری بات کا مصداق بننا ہے۔ اولیاء اللہ کو تو صغائر کے ارتکاب سے بھی محترز رہنا ضروری ہے۔ چہ جائے کبائر و محرمات قطعاً بلکہ حسنات الابراہیم سیئات المقربین قاعدہ مسلمتہ الکل ہے۔

من گویم کہ و چه گفتی و چه کن
کہ تو خود دانی اگر زیرک و عاقل باشی

دوئم ان اکابر کی اقتداء تو موجب فلاح دارین ہے۔ حضرت امام غزالی رسالہ ہوارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع میں لکھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص خواہ عامی بھی ہو۔ اقتداء سلف صالحین میں سماع کی حالت میں وجد اور رقص کرے۔ تو یہ بھی انہیں سے محسوب ہوگا۔ بحکم من تشبہ بقوم فهو منهم الحدیث قال لیکن ان حضرات کو چونکہ تقرب خاص حق تعالیٰ سے ہے۔ اور بحر محبت الہی میں غرق ہو رہے ہیں۔ لہذا عدم تخلف حرمت کا حق میں ان کے ضرر پہنچا نہیں سکتا۔ جیسے چند قطرات نجاست آب دہ دردہ کو نجس نہیں بنا سکتے۔

اقول

اے نازنین پسر چہ تو مذہب گرفتہ
کت خون دیں حلال از شیر مادر است

جناب من! اگر خواص کو حرام کا ارتکاب ضرر نہیں دیتا۔ تو پھر عوام کو کیا ضرر دے گا

ع چوکفر از کعبہ بر خبر دجا ماند مسلمانی

انبیاء کرام علیہم السلام جن سے کوئی لغزش ہوئی۔ وہ تو اس سے قیامت تک ہر اس سال و لرزاں ہیں اور اولیاء کرام جو ان کے مناصب سے ہزاروں درجہ کم ہیں۔ یہ ہر روز بلکہ ہر ایک دن میں کئی دفعہ حرام قطعی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور اس کو ہمیشہ کے لیے اپنا دستور العمل بنا رکھیں۔ اور ان کا وہ دردہ ویسا پاک کا پاک رہے۔ کیا ان کا وہ دردہ انبیاء کے وہ دردہ سے زیادہ ہے۔ افسوس ایسی ردی تاویلوں سے اپنا مدعا ثابت کرتے ہیں۔ جو نادان سے نادان لڑکے بھی اس کردار کو موجب عار جانتے ہیں۔

بر بساط نکتہ داناں خود فروشی شرط نیست

یا سخن دانستہ گواے مردِ عاقل یا خموش

قال اور اسی عدم ضرر کی وجہ سے امر حرام بہتوں پر مشتبہ بہ حلال ہو گیا۔

اقول عدم ضرر سے کیا مراد ہے۔ دینی یا دنیوی۔ اگر دینی مراد ہے۔ تو غلط کیونکہ حرام قطعی کے اصرار سے تو حصہ دین کا جاتا رہتا ہے۔ اور اگر دنیوی مراد ہے تو وہ خارج از بحث ہے۔ خلاصہ یہ کہ حرام کا ارتکاب دینی ضرر تو ضرر پہنچا دیتا ہے۔ جب اکابر دین باوجود استماع غناء و مزامیر اپنے دینی منصب سے نہیں گرتے۔ بلکہ روز افزوں ترقی پر رہتے ہیں۔ تو یقین ہوا کہ سماع حرام ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ معراج الکمال ہے۔

قال پھر تحقیق اسی تقدیر پر ہے۔ کہ جب غناء اور اصوات معازف اس عالم شہود میں ان حضرات کو مصور بصورت شہود یہ ہو کر مسموع ہوں۔ ورنہ اگر عالم غیب میں مصور امثال اذکار ہو کر مسموع ہوں گے۔ تو سراسر حلت کا حکم دیا جائے گا۔ اور رائج حرمت کا شائبہ بھی پایا نہیں جائے گا۔ لیکن حکم حرمت کا اس عالم شہود میں ان اصوات پر باعتبار انہیں صورت شہود یہ کے ہوا ہے۔ نہ اور قسم کے صورت کے۔ لہذا ان کی حرمت سے تائید ان صورت شہود یہ کی حلت پر صحیح نہ ہوگی۔

اقول اگر عالم مثالی میں ارتکاب حرام قطعی کا مستوجب عذاب الہی نہیں۔ تو صرف غناء کا کیا نام۔ بلکہ دوسرے محرمات بھی اس قاعدہ میں آسکتے ہیں۔ تو اس صورت میں جملہ خواص مرفوع القلم ہو گئے۔ کیونکہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہ فعل ان سے عالم مثال ہوا ہے۔ نہ شہودی میں۔ پھر خوف کیا۔ اور زلزلہ کہاں کا۔

قال ہر گاہ کہ افعال ان حضرات کے باختلاف اعتبارات مختلف الاحکام ہوئے۔ اور کسی سے تائید نہ ہوئی۔ تو اقوال بھی ان حضرات کے مطابق ان کے احوال کے ہوں گے۔ مؤند مدعا ہرگز نہ ہوں گے۔

اقول اولیاء اللہ کے افعال و اقوال حرکات و سکناات اہل اسلام کے لیے اعلیٰ درجہ کی سند ہیں ان کا اقتداء و اتباع ہر امر میں موجب نجات و فلاح دارین ہے۔ جو چیز ان پر حلال ہے۔ وہ تمام اہل اسلام پر حلال طیب ہے۔ جب ان کے دم قدم سوائے حکم حاکم حقیقی کے نہیں چلتے۔ جیسا کہ

مولانا روم فرماتے ہیں۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

توان کے افعال و اقوال کس وجہ سے موید و سند نہیں ہو سکتے۔ حضرت خواجہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

گرت ہواست کہ چوں جم بترغیب رسی

بیاؤ ہمدام جامِ جہاں نما مے باش

قال سابع یہ کہ اثبات کراہت یا حرمت میں ان ملاہی کی نسبت جب فساق کی طرف مثلاً کی جاتی ہے۔ تو وصف عنوانی فسق اور سیئیت و مسیئیت سے اس کے انماض کر کے امور محللہ کو اس نسبت میں شریک کر کے حکم تساوی کا دیتے ہیں۔

اقول تساوی کب اور کس سے جناب نے سنی ہے۔ فساق اور صلحاء کا فرق تو ہر ایک محلل کے مد نظر شروع بحث اخیر تک رہتا ہے۔ یہ تو جناب کی چال ہے۔ کہ جو سماع مجالس فساق بوجہ ان کے فسق کے حرام ہو۔ اس کو عام صلحاء و فساق پر بالتساوی حرمت کا حکم لگا دیتے ہیں۔ اپنا گناہ دوسروں کے سر پر تھوپ دینا کیسی چال بازی ہے۔

قال ثامن یہ کہ تحلیل بعض معازف میں بعض اکابر علماء کے قول کو نقل کر کے سکوت کرتے ہیں۔ اور ان کے قول محرم کو پیش نہیں کرتے۔

اقول

مرابعد شکن خواندہ وے ترسم

کہ باتو روز قیامت ہمیں خطاب رود

جناب کو معلوم تو ضرور ہوگا۔ اور یہ بھی ہوگا کہ جس جس کتاب کے حوالے اپنے رسالہ میں دیے ہیں۔ اور روایات نقل کیے ہیں۔ ان کے ماقبل و مابعد میں کتنے روایات محللہ موجود تھیں۔

جن کو جناب نے ترک کر کے اپنے مطلب کے موافق کی روایات نقل کر لی ہیں۔ اگر یہ چال مذموم ہے۔ تو اس میں جناب کا اول نمبر ہے۔ جیسا کہ دوران تحقیق میں عبارات رد المختار و فتاویٰ ہندیہ وغیرہ کے ضمن میں مذکور ہوئی ہیں۔ اب اپنا کردار دوسروں کے ذمہ لگا دینا عجیب قسم کی چالاکی ہے۔

قال تاسع یہ کہ بعض اکابر سے تحلیل بعض معازف کو مقام احتجاج میں نقل کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تحلیل فی الواقع یا مقید بضرورۃ شرعیہ ہوگی یا خطا اجتہادی پر محمول ہوگی۔

اقول جن معازف کی علت بنا بر اقوال سلف کے ثابت ہوئی۔ ان کو حلال کہہ دینے میں کون سی حرج ہے۔ جب اصل معازف میں ذاتی حرمت ہی نہیں۔ بلکہ عارضی ہے۔ تو جب عوارض ذمیمہ سے معری ہوئیں۔ تو ان کی تقییدات کی کیا ضرورت اور شخصیات کی کیا وجہ۔ قولہ خطا اجتہادی پر آہ اقولہ جناب ہی کے اجتہاد کو خطا پر محمول کرنا نہایت موزوں ہے۔ اس سے کہ جمہور سلف صالحین و محدثین و فقہاء مجتہدین و اولیاء مہتدین کے اجتہاد کو خطا پر محمول کیا جائے

تو ہم ے نشنوی بابنگِ دہل را

رموزِ هنر سلطانِ راچہ دانی

قال و علیٰ ہذا القیاس بعض امور اور بھی ہیں جو مدار مخالفت محللین واقع ہوئے ہیں۔ اور بعد تحقیق و تدقیق کے خارج قواعد شرعیہ سے ہو جاتے ہیں۔

اقول اگر قواعد شرعیہ انہیں کا نام ہے۔ جن کو جناب نے بن تن کر حرمت سماع علی الاطلاق کو ان پر مرتب کیا ہے۔ تو ان سے تو جناب کا مدعا ثابت نہ ہوا۔ اور اگر کوئی قواعد ہیں۔ جو جناب کے ذہن عالی میں مرکوز ہیں۔ ابھی میدانِ قرطاس نہیں نکلے۔ تو ان کی مخالفت یا مطابقت رد و استتار میں ہے۔ جب اس میدان میں آئیں گے تو ہم بھی دیکھ لیں گے۔

وہ اپنی خونہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بد لیں

سبک سر بن کے کیوں پوچھیں کہ ہم پر سرگراں کیوں ہو

قال غرضیکہ راگ اور جتنے معازف ہیں۔ سب بطور عزیمت حرام ہیں۔ صرف جن آلات لہو کی رخصت جن عوارض کی وجہ سے احادیث قویہ میں آگئی ہے۔ وہ تو بعد تحقیق ان عوارض کے حلال ہو جاتے ہیں ورنہ نہیں۔ اور جن آلات کی رخصت احادیث میں نہیں آئی وہ کسی طرح حلال نہیں ہو سکتے۔

اقول:

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش

من انداز قدت رامی شناسم

قبل ازیں مفصل مذکور ہوا۔ کہ راگ اور معارف فی الاصل مباح ہیں۔ اور بحیثیت استعمال اس کی دو صورتیں ہیں۔ حلال، حرام، حلال میں مباح و مستحب وغیرہ سب داخل ہیں۔ اور اسی طرح حرام میں مکروہ بھی داخل ہے۔ یہ جملہ فی الاصل مباح تھے۔ الا بوجہ عوارض ذمیمہ کے بعض مواقع میں حرام ہو جاتی ہیں۔ اب جو حلال ہیں اباحت اصلیہ پر اور جو حرام ہیں وہ بوجہ لحوق عوارض ذمیمہ کے۔ آیت شریفہ بحسب تفسیر بعض صحابہ میں بھی یہی تفصیل ہے کما مر۔ اور خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان واجب الاذعان اور صحابہ و تابعین و تابعین و محدثین و ائمہ مجتہدین کے اقوال و اعمال اس کے شواہد عادلہ ہیں۔ عزیمت اور رخصت رخصت۔ فاضل معاصر کے دل میں حرمت ایسی جذب ہوئی کہ اس بے چارہ کے سوائے حرمت کے اور کچھ بھی نہیں سوچتا۔ جہاں دیکھتے ہیں وہاں ان کو حرمت ہی نظر آتی ہے۔ اباحت اور حلت خواہ کیسی ہی دلائل قویہ اور براہین جلیہ سے کیوں نہ ثابت ہو۔ مگر اس طرف ان کی آنکھ بھی نہیں پھرتی۔ سچ ہے جبک الشیء یعمی و یعصم۔

درود یوار من آئینہ شد از کثرت شوق

ہر کجا می نگرم روئے شامی بنم

افسوس کہ اپنے استاذ حضرت مولانا مولوی محمد عبدالحی لکھنوی کے فرمان کو بھی پس پشت کر دیا۔ جیسا کہ مجموعۃ الفتاویٰ جلد دوم استفتا نمبر ۱۳۵ کے اخیر میں لکھتے ہیں۔ کہ قول فیصل اس باب

میں جو موکد بالا حدیث ہے یہی ہے۔ کہ نفس غناء عموماً ممنوع نہیں۔ بلکہ اس میں حرمت یا کراہت بوجہ عوارض خارجیہ کے عارض ہوتی ہے۔ انتہی۔

قال اور تقریبات محلّیین کی بسبب فساد ان کے مبنی کے بالکل فاسد میں قابلِ سماع نہیں۔
اقول خواجہ حافظ فرماتے ہیں

قلندر ان حقیقت بہ نیم جو نخرند

قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

محلّیین کے دلائل تو سلف صالحین کے افعال و اقوال ہیں۔ بلکہ احادیث صحیحہ جن کی صحت کو جناب بھی تسلیم کر بیٹھے ہیں۔ ان پر ان کی تقریریں مبنی ہیں۔ اگر یہ فاسد ہیں۔ تو تمہاری صلاح کو ہمارا اسلام

قال بلکہ بوجہ فساد مبنی کے اور قواعد شرعیہ سے خروج کرنے کے بعض نے دعوے انعقاد اجماع کا حرمت پر کیا۔

اقول یہ اجماع ذو وجہین ہے یعنی حلت سماع پر بھی اجماع اور حرمت پر بھی۔ لیکن چونکہ علت اور حرمت کے مصادیق الگ الگ ہیں۔ اس لیے یہ ایک اجماع ذو وجہین ہوگا۔ فاضل معاصر اس حقیقت سے نامعلومی کی وجہ سے کہتے ہیں۔ کہ بعض نے انعقاد اجماع کا دعوے حرمت پر کیا۔

قال کیونکہ مسئلہ غناء و معازف میں جبکہ محلّیین نے باوجود ان کے قلت کے پابندی قواعد کی نہیں کی۔ تو مخالفت ان کی اجماع محرمین میں کہ جو باقاعدہ باوجود کثرتِ مجمعین کے ہوا ہے ضرر نہ پہنچائے گی۔

اقول بناء الفاسد علی الفاسد اسی کا نام ہے۔ جس کو فاضل معاصر عمل میں لارہے ہیں۔ اول تو محلّیین کی قلت کبھی کسی زمانہ میں ہوئی نہیں۔ جبکہ خیر القرون میں اس کا عام رواج رہا ہے پھر پابندی قواعد شرعیہ کی اگر ان لوگوں سے نہیں ہوئی۔ تو پھر کرے گا کون۔ دوئم یہ کہ جب ان دونوں مسائل یعنی حلت و حرمت سماع کے موارد علیحدہ علیحدہ ہوئے تو پھر ان میں تقابل کیسا۔ لہذا نہ وہ

اجماع اس اجماع کا مزاحم اور نہ یہ اس کا بلکہ یہ ایک ہی اجماع ہے۔ جس کی دو جہتیں ہیں۔
 قال اس لیے اجماع مسئلہ میں اجماع ان اہل حل و عقد کا معتبر ہے۔ کہ جو اس مسئلہ میں
 پابند قواعد ہیں۔

اقول لن يصلح العطا ما افسده الدهر فاضل معاصر کی کلام کے بنانے کی بہت کوشش کی
 گئی۔ اور اس کے اجماع کو صحیح اجماع مانا گیا۔ مگر اس کی اندرونی آتش سوائے مجالہ کے نہیں
 روکتی۔

قال اس وجہ سے مخالفت خوارج و روافض و معتزلہ کی اجماع اہل سنت والجماعت میں مضر
 نہیں ہوتی۔
 اقول:

مر مر ابادر نے آید ز روئے اعتقاد
 ایں چنین بک کردن و دین پیمبر داشتن
 ایسے ایسے اکابر دین و معتقد ایاں مسلمین کو روافض وغیرہ سے تشبیہ دینا یہ جناب جیسے گستاخ
 اور بے باک آدمی کا کام ہے۔

قال خلاصہ کلام اس مقام میں یہ ہے کہ حرمت غناء و معاذف بافتضاء قواعد کے اور اتفاق
 جمہور محدثین و فقہاء کے حق اور صواب ہے۔ اور حلت اس کی باطل اور خطاء۔
 اقول:

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے
 اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا
 دن روشن کی طرح حق ظاہر ہے۔ اور کبھی کسی کے اخفاء سے مخفی ہونے کا نہیں کہ جس کام کو
 خود جناب سید الکوینین رحمۃ اللہ علیہ نے بذات اقدس کیا ہو۔ اور اس کے کرنے کا حکم بھی ارشاد فرمایا
 ہو۔ اور صحابہ کبار نے بھی اس کی عملدرآمد رکھی ہو۔ بعد ازاں ہر قرن میں اس کا رواج عام رہا ہو۔

اور صوفیائے کرام کا خاص معمول یہ بلکہ معراج الکمال ہو۔ اور محدثین نے اس کو بڑے زور سے روا رکھا ہو۔ اور تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین ہر چہار مذہب و فقہائے مقلدین ہر چہار مذہب نے بھی اس کو روا رکھا ہو۔ اب بتائیے کہ یہ حق ہے کہ یا خطا اور ایسے حق حقیقی کو باطل قرار دینے والا کون ہوگا۔ اور شرعاً اس کا کیا حکم ہے۔

ع عا قلاں وانندایں از من سپر من

گفتگو آئین درویشی بنود

ورنہ باتو ماجرا ہاداشتم

چونکہ رسالہ مردودہ ختم ہو گیا ہے۔ اور قارئین کرام کے ملاطبتی کا لحاظ ہے اس لیے مضمون کو ختم کرنا مناسب نظر آتا ہے۔ ورنہ اگر تمام تقاریر اس مسئلہ کے متعلق بالتفصیل لکھی جائیں۔ تو ایک کتاب بسیط بن جائے گی۔ لیکن اہل انصاف کے لیے یہی قدر کافی ہے۔ زیادہ زیادہ

در بند آں مباش کہ مضمون نمائندہ است

صد سال مے توں سخن زلف یار گفت

خَاتِمَہ فی آدابِ السَّماعِ

جاننا چاہیے کہ سماع ایک معظم اور مکرم چیز ہے۔ اس کو معمول اور فضول ہرگز نہ سمجھنا چاہیے۔ بلکہ مثل باقی ارکان دین کے اس کی شرائط و آداب کا لحاظ ضرور ہونا چاہیے شرائط بھی چھ ہیں۔ اور آداب بھی چھ۔ شرائط تو پچھیمذکور ہوئیں۔ اب آداب کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ذرا غور سے سنئے۔

الاول احیاء العلوم میں امام غزالی نے فرمایا کہ حضرت شیخ ممشا و علود دینوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول کریم ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا اس سماع کو آپ برا جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اہم اس کو ہرگز برا نہیں جانتے۔ لیکن ان کو کہہ دو کہ اس کا شروع بھی کلام الہی سے کیا کریں۔ اور اس کا ختم بھی قرآن شریف سے کیا کریں۔ خلاصہ یہ کہ با وضو پاک جگہ میں بیٹھ کر اول آخر قرآن پڑھ کر سماع کیا جائے۔

الثانی رعایت زمان و مکان و اخوان شیخ الطریقۃ جنید بغدادی نے کہا کہ سماع تین چیزوں کی طرف محتاج ہوتا ہے۔ اگر ان کی رعایت نہ کی جائے تو سماع فضول اور بے اثر ہے۔ زمان، مکان، اخوان، زمان یہ کہ ایسے وقت میں سماع کرے۔ جس میں دل کو کلی فراغت ہو نہ کھانے کا وقت ہو نہ نماز کا۔ اور خصوصیت اور اضطرار قلب بھی نہ ہو۔ اور مکان یہ کہ ایسا رستہ عام نہ ہو۔

جس میں لوگوں کی آمد و رفت ہو۔ اور مکان موزن ہو۔ اور اخوان یہ کہ کوئی خبر جنس منکر احوال اول، اور وہاں موجود نہ ہو۔ اور سب کے سب ہم جنس و ہم خیال ہوں۔ ورنہ تشویش قلب گرمی کو سرد نہ ہونے دیں اور اسی طرح اگر کسی طاغفہ کی عادت مقرر ہو جائے کہ سماع میں جب کوئی اپنی دستار اتار دیے یا کپڑا پھاڑ دے۔ اور باقی بھی اس کی متابعت کرتے ہوں۔ تو یہ بھی متقضائے حسن معاشرت مستحسن ہوگا۔ اس میں کوئی ممانعت نہیں لکل قرم رسم الکامسبب من احیاء العلوم فقط۔

التماس

جناب مؤلف رسالہ خیر النواہی کی خدمت میں بادب گزارش ہے کہ براہ راست نوازش تعصب کو دور کر کے اس رسالہ کو بظہر انصاف دیکھیں۔ اور ناراضگی و رنجش کو دل میں ہرگز جگہ نہ دیں۔ کیونکہ ہر ایک امر میں خصوصاً امور دینیہ میں حق پرستی احسن الامور ہے۔ اور اگر کوئی لفظ منصب عالی کے نامناسب نکلا ہو۔ تو معافی دیں۔

من آنچه شرط بلاغ است باتو میگویم

تو خواه از غنم بند گیر و خواه جمال

اب میں اپنے خالق حقیقی جل جلالہ کا خالص دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جس کی عنایت عامہ نے مجھ جیسے ناچیز بندگان کو ایسے بارگراں کے اٹھانے کی طاقت دے کر بخیر و عافیت منزل مقصود تک پہنچا دیا۔

من شکر چوں کنم کہ ہمہ نعمت توام

نعمت چگو نہ شکر کند بازبان خویش

اور اپنے پیر دستگیر روشن ضمیر غوث زمان قبلہ عالم مزین السجادہ سیال شریف مدظلہ العالی کا بھی تہہ دل سے ممنون ہوں۔ جن کی امداد ظاہری و باطنی نے میری دستگیری فرما کر ایسے بحر عمیق سے فائز المراد ساحل مقصود پر واصل فرمایا

ازاں زماں کہ برائیں آستان نہادم رو

فراز مند جمشید تکیہ گاہ من است

سبحان رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین والحمد لله رب العلمین

حَزْرَةُ الْمَسْكِينِ اَحْمَدُ الدِّينِ بَيْدَهُ وَقَلَمِهِ

رسالہ میلاد

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ میلاد شریف کس طریقہ پر جائز ہے اور کس طریقہ پر ناجائز ہے۔

الجواب بعون الملہم للصواب

از خدا خواہیم توفیق ادب

بے ادب محروم ماند از لطف رب

بے ادب تنها نہ خود را داشت بد

بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

باسمہ عز اسمہ میلاد مقدس یعنی حضور پاک صاحب لولا کہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا تذکرہ کرنا ہر طریق اور ہر رنگ میں جائز بلکہ مستحسن و باعث برکات ہے۔

ذکر حبیب شعبہ وصل حبیب ہے

تصدیق اس کی عاشق صادق سے پوچھئے

خواہ یہ تذکرہ بحالت انفرادی ہو یا اجتماعی پھر عام اس بات کے کہ یہ اجتماع اتفاقی ہو یا بالتداعی و خواہ متعین تاریخ ہو یا نہ غرض بہر کیف و بہر طریق جائز بلکہ احسن ہے ان میں سے کوئی بھی ایسا طریقہ نہیں جس کو شریعت عزانا جائز قرار دے۔

دیکھئے قرآن شریف میں جیسا کہ احکام شریعت کا مکمل ذکر ہے اسی طرح انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے میلاد شریف بھی مذکور ہیں مثلاً آدم علیہ السلام کا میلاد کسی شان و شوکت سے مذکور ہوا اور جن کو یہ معاملہ ناگوار گزارا ان کا اس کے آگے ناصیہ نیاز زمین پر گر دیا اور ان میں سے جس نے اس نیاز و تعظیم محبوب الہی سے انکار و استکبار کیا اس کو لعنتی و ابدی جہنمی قرار دیا۔ علی ہذا القیاس ابراہیم و موسیٰ و یحییٰ وغیرہم صلوات اللہ علیہم و سلامہ کے میلاد مقدس کس جاہ و جلال سے

مذکور ہوئے بلکہ یہ تمام فی الحقیقت اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو حضور پاک ﷺ کی میلاد شریف کے مبادی تھے۔ جیسا کہ تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی نے پارہ تلک الرسل میں کہا ہے: ان الملائکہ أمروا بالسجود لاجل ان نور محمد عليه السلام في جبهة آدم • یعنی بے شک فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے سجدہ کا حکم اس لیے ہوا تھا کہ سرور عالم ﷺ کا نور اس کی پیشانی میں تھا۔

اور خود حضور پاک ﷺ کے میلاد مقدس کا قرآن شریف کے متعدد جگہ میں ذکر ہوا۔ مثلاً
لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلٰی مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلٰیكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ
رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (سورۃ التوبہ، ۱۲۸)

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ • (سورۃ المائدہ، ۱۵) وغیرہ وغیرہ۔ تو جس طرح احکام شریعت مندرجہ کلام الہی کے تذکرہ کرنے کے لیے کوئی طریقہ مخصوص نہیں خواہ انفرادی حالت میں دو تین مسلمان بیٹھ کر احکام شریعت کا ذکر کریں یا بحالت اجتماعی اور خواہ اجتماع اتفاقیہ ہو جائے یا تاریخ مقرر کر کے علماء ربانی و دیگر عوام و خواص مسلمانان کو دعوت دے کر بلایا جائے اور اس مجلس میں وعظ احکام شریعت ہو تو جائز و مستحسن و مروج ہے کسی کو ایسے مجالس و محافل کا انکار نہیں ہوتا۔ اسی طرح میلاد مقدس مندرجہ کلام الہی کی تفصیل و تشریح کے لیے بھی کوئی طریقہ خاص نہیں جس طریقے سے ذکر حبیب الہی ہو سکے اس پر کسی کو انکار کی گنجائش نہیں لیکن حسد اور عناد مرض بھی لاعلاج ہیں۔

بمیرتا ربر ہی ای حصود کایں رنجیت

کہ جز بمرگ تو از دست تو نخواہد رفت

جس چیز کا ذکر قرآن شریف میں بار بار آیا ہو اس کے جواز یا عدم جواز کے طریقہ سے سوال کرنا اگر حماقت نہیں تو جہالت ضرور ہے۔

عبداللہ سائل نے سوال کی تقریر میں غلطی کی کہ میلاد شریف کے جائز و ناجائز طریقہ سے سوال کیا اگر اس نے سوال کرنا تھا تو اس طرح کرتا۔ کیا فرماتے علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ میلاد

شریف کی مجلس میں شامل ہونا کس شخص کو جائز ہے اور کس شخص کو ناجائز ہے۔ البتہ یہ سوال معقول تھا تو اس کے جواب میں چنداں صعوبت کا سامنا نہ ہوتا۔ صرف مختصر جواب کافی تھا (ایسی مجلس پاک میں شامل ہونا حلالیوں کو حلال اور حرامیوں کو حرام) یہ وہ مختصر مگر جامع جواب ہے جو حضرت غوث زمان و قطب دوران حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہین حلت و حرمت سماع کے سوال کے جواب میں ایک سائل کو فرمایا تھا۔ اس فقرہ جامعہ کا مفاد یہ ہے کہ جس شخص کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا کمال ہے اور آپ کے اوصاف سننے کا ہر وقت مشتاق رہتا ہے من احب شیئاً اکثر ذکرہ اور آپ کے فضائل و کمالات سننے سے اس کا دل مالا مال ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کے حق میں اس پاک مجلس میں شامل ہونا تریاک کا درجہ رکھتا ہے اور جو شخص آپ کے فضائل و کمالات سننا نہ چاہے یا سننے سے اس کا دل نفرت و انکار میں رہے تو ایسے شخص کو اس مقدس محفل میں شامل ہونا زہر قاتل ہے۔ ایسے شخص کو اس پاک مجلس میں بٹھا کر حضور پاک صاحب لولاک کے مناقب و فضائل سننا گویا فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور نمرود کو ابراہیم علیہ السلام کے تولد کی بشارت دینا ہے۔ اسی بنا پر میرا طریقہ ہے کہ جب ہی مجلس میلاد مقدس منعقد کرتا ہوں تو افتتاح سے پہلے اعلان دے دیتا ہوں کہ اس مجلس میں آپ کے فضائل و کمالات مذکور ہوں گے جس شخص کو آپ کے کمالات خدا داد سننے سے فرحت حاصل ہو وہ بیٹھ کر سنے اور جس کو ناگوار و نا پسند ہوں وہ اس پاک مجلس سے نکل جائے چنانچہ اس اعلان کے سنتے ہی کئی ایک آدمی نکل جاتے ہیں۔

اب اصل مدعا یعنی ذکر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مزید ثبوت کے لیے آیات ذیلہ ملاحظہ ہوں۔ قال اللہ تعالیٰ وَ اذْکُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ (سورۃ ال عمران، ۱۰۳) اس آیت میں منعم حقیقی اپنی نعمتوں کے ذکر کرنے کا حکم دیتا ہے یعنی یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو تم پر ہے اور اس میں شک نہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں سے اعلیٰ درجہ کی نعمت ہے جیسا کہ پروردگار عالم کا ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِہٖ

وَيَزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ • (سورة اہل عمران، ۱۶۳)

اس آیت سے آپ کا وجود مسعود نعمت اللہ ہونا ثابت ہو گیا اور نیز آپ کے اسماء مبارک نعمت اللہ بھی ہے جیسا کہ قسطلانی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور دلائل الخیرات جو کہ تمام سلاسل اولیاء میں مروج ہے اور اس میں بھی ہے مزید فرمایا:

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (سورة الضحیٰ، ۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا تذکرہ کیا کرو
وَأَشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ • (سورة النحل، ۱۱۴) یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو تو اس کی نعمت کا شکر کرو۔ ان دونوں آیتوں میں رب العالمین جل جلالہ اپنے نعمتوں کے تذکرہ کرنے کا ارشاد فرماتا ہے اور شکر کرنا بھی مرادف التذکرہ ہے جیسا کہ سرور عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

التحدث بنعمة الله شكر وتركه كفر رواه محي السنه في المعالم مع اسناده
یعنی نعمت الہی کا تذکرہ کرنا شکر ہے اور اس کے تذکرہ کو چھوڑ دینا کفران نعمت ہے۔ وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ (سورة ابراہیم، ۵) یعنی یاد دلانا کو دن اللہ تعالیٰ کے۔
امام رازی نے لکھا ہے کہ دنوں سے مراد واقعات عظیمہ ہیں جو ان دنوں میں واقع ہوئے ہیں۔

پھر اہل ایمان کو دیکھنا چاہیے کہ آپ کے ظہور سے بڑھ کر کون سا واقعہ ہے جس میں ایوان کسری کا شوق ہونا اور اصنام کا سر کے بل گرنا اور فارس کا آتش کدہ بجھ جانا اور آسمان سے تاروں کا نیچے جھک آنا اور کعبۃ اللہ کا جھک کر شکر الہی بجالانا ایسے ایسے بہت سے واقعات کو شامل ہے۔ میلاد شریف کے تذکرہ میں ان تمام واقعات عجیبہ کا تذکرہ ہو جاتا ہے۔ ان آیات سے ثابت ہو گیا کہ محبوب رب العالمین کی ولادت باسعادت کا تذکرہ کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

چونکہ سید الاولین والآخرین ﷺ کی ولادت باسعادت ۱۲ ربیع الاول بنا برادر شہر روایات

کے ہوئی ہے بروز دوشنبہ بالاتفاق اس لیے اس تاریخ کو عید منانا اور خوشی کرنا ہر مسلمان کا شعار ہے۔ یہ وہ دن ہے جس میں شیخ المذنبین رحمۃ اللعالمین سید الاولین والاخرین امام الانبیاء والمرسلین افضل الخلائق اجمعین عالم غیب سے شاہد شہود میں تشریف لا کر زمین وزمینیان آسمان و آسمانیان بلکہ من تحت الثری الی قاب قوسین او ادنیٰ کو برکات و فیوضات سے مالا مال فرما دیا۔ الحق اگر عید ہے تو یہی ہے اگر دن سعید ہے تو یہی۔ اگر فرحت و مسرت کا روز ہے تو یہی ہے۔ میں تو یہی کہوں گا کہ واللہ نہ اس دن کے ساتھ کوئی دن مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ اس کی رات کے ساتھ کوئی رات موازنہ کر سکتی ہے۔ قرآن شریف میں لیلة القدر کی فضیلت مذکور ہے۔ مگر اس رات پر ہزار لیلة القدر قربان۔ حضرت محقق محدث مولانا عبدالحق دہلوی ماثبت بالنسب ص ۳۴ میں لکھتے ہیں:

ثم اذا قلنا انه ولد ليلاً فذلك الليلة افضل من ليلة القدر بلا شبهة

یعنی اگر آپ رات کو پیدا ہوئے تو یہ رات لیلة القدر سے بلاشبک افضل ہوگی اور اس دن پر ہزار عید تصدق۔ اس بارہ میں حضرت حاجی صاحب جو مولانا رشید احمد صاحب کے پیر طریقت ہیں کیا خوب کہا:

عید گاہ ما غریباں کوئی تو

انبساط عید دیدن روئے تو

صد ہلال عید قربانت کنم

ای ہلال عید ما ابروئے تو

اور اس رات بابرکات کے لیلة القدر سے افضل ہونے کے وجوہات میں حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اخوان طریقت یعنی آپ کے پیر بھائی حضرت محقق و مدقق و محدث دہلوی ماثبت بالنسب کے ص ۳۴ لکھتے ہیں:

لان ليلة المولد ليلة ظهوره ﷺ وليلة القدر معطاة له وما شرف بظهور

الذات المشرف من اجله اشرف مما شرف بسبب ما اعطاه ولان ليلة القدر شرف

بنزول الملائكة فيها وليلة المولد شرف بظهوره صلى الله عليه وسلم ولان ليلة القدر
وقع التفضل فيها على امة محمد صلى الله عليه وسلم وليلة المولد الشريف وقع
التفضيل فيها على سائر الموجودات الخ

اور آپ سے سوال کیا گیا دو شنبہ کے دن روزہ رکھنے کا تو آپ نے فرمایا کہ اسی دن میں
میری ولادت ہوئی اور نبوت بھی عطا ہوئی۔ ذاک یوم ولدت فیہ ہ انن لت علی فیہ النبوة
رواہ مسلم وماتبت بالسنة

اب اس مبارک دن میں خوشی کے ثبوت میں وہ آیت شریفہ پیش کی جاتی ہے جو سورۃ یونس
میں ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ (سورۃ یونس، ۵۷)
اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا فرحت و سرور کرنا ساتھ فضل و رحمت خداوندی کے اور اس
میں شک نہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی رحمت بھی ہیں اور فضل بھی۔ آپ کا رحمت ہونا اس
آیت سے ثابت وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (سورۃ الانبیاء، ۱۰۷) یعنی ہم نے آپ کو
تمام جہانوں کی رحمت کے لیے بھیجا ہے اور آپ کا فضل ہونا اور نیز رحمت ہونے کے ثبوت میں
حسب تصریح علامہ ماوردی یہ آیت کافی ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيَّ كُفُّ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا (سورۃ النساء، ۸۳)
یوں اگر نہ ہوتا تم پر اللہ کا فضل و رحمت تو تم شیطان کے تابع ہو جاتے۔

جب آپ کا وجود مسعود رحمت بھی ہوا اور فضل بھی اور بارگاہ ایزدی سے رحمت اور فضل پر
خوشی کرنے کا تاکید ارشاد صادر ہوا تو ثابت ہوا کہ آپ کی ولادت باسعادت پر خوشی کرنا
ضروری ہے۔

اب اس خوشی کے نتائج میں سے وہ واقعہ ہے جس کو علماء سیر و اخبار بروایات نقل کرتے ہیں
کہ جس دن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم عالم دنیا پر تشریف آور ہوئے تو ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے ابولہب

کو آپ کی ولادت باسعادت کی بشارت دی تو ابولہب نے خوشی میں آ کر اسے آزاد کر دیا اور آزاد کرتے وقت دونوں انگلیوں سبابہ وسطیٰ سے اشارہ کیا۔ جب وہ فوت ہوا تو خواب میں کسی نے دیکھا اور احوال پوچھا تو اس نے کہا کہ آگ میں ہوں مگر دوشنبہ کے دن بوجہ خوشی کرنے ولادت باسعادت سرور عالم ﷺ کے وہ عذاب تخفیف ہو جاتا ہے اور ان دونوں انگلیوں سے پانی نکلتا ہے جن کو میں چوستا ہوں اس واقعہ کو محدث دہلوی نے ماثبت بالسنتہ کے ص ۳۴ میں لکھا ہے۔ پھر لکھتے ہیں:

قال ابن جری فاذا کان هذا ابولہب الکافر الذی نزل القرآن بدمہ جوزی فی النار بفرحہ لیلۃ مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فما حال المسلم من امتہ یسر بمولده وینزل ما تصل الیہ قدرته فی محبتہ صلی اللہ علیہ وسلم لعمری انما کان جزائہ من اللہ الکریم ان یدخل بفضلہ العمیم جنات النعیم

ابن جری نے کہا ہے کہ جب ابولہب کا یہ حال ہے جس کی مذمت میں قرآن شریف اُترا جو آگ میں بھی آپ کی دلالت کی خوشی کرنے سے جزا دیا جاتا ہے۔ تو آپ کے اُمّی مسلمان کا کیا کہنا جو آپ کے میلا و مقدس کی خوشی کرے اور حسب طاقت خرچ کرے آپ کی محبت میں مجھے اپنی قسم ہے کہ اس کو اللہ ہی جزا دے گا یہ کہ اپنے فضل و کرم سے اسے جنات النعیم میں داخل کرے گا۔ یہ ہے حضور اقدس ﷺ کی میلا و مقدس پر خوشی کرنے کا نتیجہ رزقنا اللہ تعالیٰ دائماً ابداً

اب اگر کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ ولادت باسعادت تو ایک دفعہ ہو چکی اور اس پر خوشی کا اظہار بھی اپنے وقت میں جس نے کیا کر چکا لیکن اس تاریخ کو ہمیشہ کے لیے مقرر کرنے اور خوشی کا سامان مہیا کرنے اور اس دن کو ہر سال میں عید منانے کا کیا ثبوت ہے۔

اس کا جواب (اولاً) ہمارے سے مت پوچھوئے اگر پوچھنا ہے تو رئیس المتکرین امام الخافین مولوی اشرف علی تھانوی سے پوچھئے۔ کیونکہ باوجود اشد منکر ہونے کے اس نے ایک

رسالہ لکھا ہے نام اس کا السرور بظہور النور رکھا اور اس کا لقب ارشاد العباد فی عید المیلاد رکھا اور اس کے مطلع میں سورہ یونس آیت ۵۷ جو پہلے مذکور ہو چکی قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ لکھی اور ان دونوں امروں کو یعنی فرحت اور عید دن میلاد کو ثابت کر دیا۔ ہمیں یہاں تقریب کے تقرر کرنے کوئی ضرورت نہیں۔

(ثانیاً) شرع شریف میں یہ مضمون پایا گیا ہے جس روز کسی نعمت عظمیٰ کا ظہور ہو ہر سال اسی روز خوشی کیا کریں۔ قرآن شریف میں اس تعینیم کی مثال یہ ہے کہ جب حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے لیے آسمان سے ماندہ اُترے تب عیسیٰ علیہ السلام نے جناب الہی میں باخلاص تمام عرض کیا اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (سورۃ المائدہ، ۱۱۴) امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ اس کے یہ معنی ہیں یا اللہ اتنا ایک خوان کھانے کا آسمان سے کہہ جائے وہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لیے عید یعنی جس دن وہ ماندہ اُترے اس کو ہم عید بنالیں اور ہمارے بعد جو پیدا ہوں وہ بھی اس کو عید بنائیں اس دن کی تعظیم جاری رہے۔ اس سے صاف روشن ہو گیا کہ جس دن کسی نعمت الہی کا ظہور ہو اس دن کو ہمیشہ کے لیے عید بنا کر خوشی منانا چاہیے ہم مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی نعمت حضور پاک ﷺ کا وجود مسعود ہے۔ تو ہمیں اس دن کو عید بنانا اور خوشی کا اظہار کرنا از حد ضروری۔ اور اس کا ثبوت قرآن شریف سے ہو گیا۔

(ثالثاً) اس کا ثبوت حدیث شریف میں بھی ہے۔ یہ سند ابن حجر محدث نے مسلم اور بخاری کی حدیث سے نکالی ہے یعنی جس وقت رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے یہود کو دیکھا کہ عاشور محرم کو روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے کہا کہ یہ وہ دن ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو اس کے شر سے بچا لیا تو موسیٰ علیہ السلام نے روزہ شکر کا رکھا اور ہم بھی اس نعمت کے شکر کے لیے روزہ رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تمہاری نسبت ہم کو زیادہ مناسب موسیٰ علیہ السلام کے ہے۔ تب آپ نے بھی اس دن کا

روزہ رکھنا شروع کر دیا اور صحابہ کو بھی ارشاد فرمایا۔ یہ حدیث صحیح ہے مسلم اور بخاری میں موجود ہے۔

اب دیکھئے کہ کب فرعون ڈوبا اور کب موسیٰ علیہ السلام نے نجات پائی اور جب سے اب تک اس نعمت کا شکر یہ جاری ہے کہ جب وہ عاشور محرم کا آتا ہے ہر سال اہل اسلام اس کا شکر یہ ادا کرتے ہیں اور رسول اللہ علیہ السلام کا پیدا ہونا تو ایسی بڑی نعمت ہے کہ نزول ماندہ عیسیٰ اور نجات موسیٰ علیہ السلام سے کہیں فائق و افضل و اکمل ہے۔ پس اس دن ہر سال میں آئے تو کیوں نہ فرحت و سرور کیا جائے۔

(رابعاً) حدیث صحیح ہے احب الاعمال الى الله ادومها ان اقل یعنی اللہ تعالیٰ کو وہ عمل پسند ہوتا ہے جو ہمیشہ کیا جائے۔ اگرچہ تھوڑا بھی ہو۔ تو یہ دن مبارک اہل اسلام کے لیے عید مقرر ہو چکا اور اس میں فرحت و سرور کا ارشاد صادر ہو گیا تو یہ عمل ہمیشہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہے۔ یہاں ایک اور اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب عید میلادِ ثابِت ہو گئی تو خود حضور ﷺ نے اس کو کیوں نہ منایا۔ اس اعتراض کا جواب ابنِ حاج نے مدخل میں دیا ہے یہ وہ ابنِ الحاج ہے جس کو مکرین و مخالفین اپنا پیشوا بنائے پھرتے ہیں۔ جس کی نص عبارت یہ ہے:

وان كان النبي ﷺ لم يزد فيه على غيره من الشهور شيئاً من العبادات وما ذلك الا لرحمة الله ﷺ بامة ورفقاً بهم لانه كان يترك العمل خشية ان يفرض على امتة •

یعنی اگرچہ آپ نے ماہ ربیع الاول میں دوسرے مہینوں سے زیادہ عمل نہیں کیا۔ یہ صرف آپ کی رحمت اور مہربانی کرنے اُمت پر کیونکہ آپ بسا اوقات عمل ترک کر دیتے تھے مبادا اُمت پر فرض نہ ہو جائے۔

مخفی نہ رہے کہ میلادِ مقدس کی عید تو اسی تاریخ سے مخصوص ہے جس میں آپ کی ولادت باسعادت سے عالم دنیا مشرف ہوا۔ یہ عید صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ تمام مخلوقات علوی و

سفلی جن و انس وحوش و طیور بر و بحر سب کو حاوی ہے۔ اگر تسلی نہ ہو تو جنتری دیکھ لیں کہ انگریز باوجود غیر مسلم ہونے کے ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد منانے کے لیے تعطیل کر دیتے ہیں جس سے تمام ملازمین و اہل کار استراحت و آرام سے دن گزارتے ہیں اور عموماً مسلمان اس دن میں کھانا پکا کر آپ بھی کھاتے ہیں اور مساکین کو بھی کھلاتے ہیں اور خاص الخاص مسلمانان مجلس میلاد مقدس منعقد کر کے فرحت و سرور کا مظاہرہ کرتے ہیں جس سے معاندین کے اجسام کو حسد کی آگ میں جلا کر کوئلہ بنا دیتے ہیں۔ یہ ہیں آثار عید میلاد حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ماثبت بالسنہ میں فرماتے ہیں:

فرحم الله امرأئ اتخذ لياली شهر مولده المبارك اعياداً ليكون اشد علة على من
فی قلبه مرض و عناد (ماثبت بالسنه ص ۴۳)

آپ کے ولادت مبارک کے مہینے کی راتوں کو عید منایا تاکہ معاند کے لیے سخت علت و وبال ہو اور یہ عید میلاد قدیم الایام سے مسلمانوں میں مروج ہو چکی ہے۔ بڑے بڑے علماء محدثین اس کے قائل بلکہ عامل رہے ہیں اور اس محفل مبارک اور عید منور کو باعث برکات سمجھتے رہے۔ جیسا کہ محدث دہلوی کہتے ہیں:

ولا يزالون اهل الاسلام يختلفون بشهر مولده صلى الله عليه وسلم ويعملون
الولائم ويتصدقون في لياليه بانواع الصدقات ويظهرون السرور ويزيدون في
المبرات ويعتنون بقرنة مولد الكريم ويظهر عليهم من بركاتهم كل فضل عظيم
(ماثبت بالسنه)

یعنی ہمیشہ آپ کے مولد مبارک کے مہینہ میں اہل اسلام آتے جاتے ہیں اور دن راتیں
میں گونا گوں دعوتیں اور صدقات کرتے اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور بہت نیکیاں کرتے ہیں اور
مولد بڑے اہتمام سے پڑھتے ہیں جس کے برکات سے ان پر فضل عظیم ظاہر ہوتا ہے۔

دیکھئے فقرہ لا یشلون اهل اسلام کس قدر پر زور ہے لا یشلون سے دوام اور اہل اسلام

سے عموماً مستنبط ہے۔ جس کا مفاد یہ ہوا کہ ہمیشہ تمام اہل اسلام اس محفل مقدس اور عید سعید کے قائل اور عامل رہے ہیں لیکن محفل مولد شریف کی تخصیص اس طور پر کہ خاص ۱۲ ربیع الاول کے بغیر جائز نہ ہو یہ کسی عالم اہل سنت نے تصریح نہیں کی بلکہ اہل اسلام جب کر سکیں کریں۔ عبارتیں، فتاویٰ متقدمین کی صریح موجود ہیں۔ ملا علی قاری نے اپنے رسالہ مورد الروی فی مولد النبی میں لکھا ہے

بل یحسن فی ایام اشہر کلہا ولیالیہ یعنی میلاد مقدس مہینہ کے تمام دنوں اور راتوں میں متحسن ہے۔ پھر ان جماعہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے۔ لو تمكنت عملت بطول اشہر کل یوم مولد یعنی اگر مجھ کو مقدور ہوتا مہینہ بھر تک ہر روز میلاد شریف کیا کرتا۔

اور اصل تحقیق اس میں یہ ہے کہ نصوص قرآنی مطلق ہیں

وَ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَیْكُمْ (سورۃ ال عمران، ۱۰۳)

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَ بِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ (سورۃ یونس، ۵۷)

وَ اشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُونَ • (سورۃ النحل، ۱۱۴)

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ (سورۃ الضحیٰ، ۱۱)

پس شکر یہ نعمت وجود باوجود رحمۃ للعالمین کا ہم پر فرض ہوا اور اسی طرح فرحت کا بھی حکم ہوا کہ رحمت خداوندی پر فرحت و سرور کرو اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شکر یہ اور فرحت کو موقت نہیں فرمایا بنائے علیہ آپ کی ولادت کا فرحت و سرور دائمی ہوا۔ اسی واسطے جمیع اہل اسلام بلاد اسلامیہ میں شرقاً و غرباً بارہ مہینہ میں جب کسی سے بن پڑے مولد شریف کرتے ہیں۔ اور علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ فرضیت امر الہی کسی فرد میں پائی جانے سے ادا ہو جاتی ہے خواہ کتنا ہی قلیل ہو لیکن قدر مفروض شروع سے زیادہ کرنا تکمیل فرض کیلئے جہاں تک بوجہ شروع ہو سکے مستحب ہے اور مطلوب ہے۔ جب یہ بات ہو چکی تو ثابت ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسود کا شکر یہ دائمی ہے جب ہو سکے اور جس طریقہ سے ہو سکے عمل میں لائے خواہ اطعام طعام یا تقسیم شیرینی

در بیاں اہل اسلام خواہ قرآۃ و معجزات کا بیان خواہ انشاء مدائح و مناقب سید الانس و لجان صلی اللہ علیہ وسلم بہیات اداب و تعظیم خواہ ان تمام کو جمع کر دے پھر مہینہ ربیع الاول کی ۱۲ کو ہو یا باقی ایام میں سب جائز ہے۔ اس تقریر سے مطلق کے سب فرد جائز رہے اور اگر کوئی ذکر نعمۃ اللہ بلا قید کرے وہ بھی جائز ہے۔ اور جو مقید بقیو و اداب مستحسناات جن کا ذکر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ کرے وہ بھی جائز بلکہ مستحسن ہے۔ اور یہ امر محتاج بیان نہیں کہ بموجب فرمان رب العالمین تو قرۃ جس قدر اداب مستحسنہ مجلس ہوں اس قدر برکات و فیوضات زیادہ ہوں گے۔ اسی واسطے علماء اسلام نے اس مجلس کی تعظیم و احترام، زیب و احتشام کو زیادہ ملحوظ رکھا۔

اداب عشرہ مذکورہ چونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و احترام کے وسائل ہیں اور نیز فرحت و سرور مولد کے ذرائع ہیں اور اصل توقیر و فرحت، مامور بہ و مشروع بالنص ہیں لہذا ان تمام آداب کا حکم وہی ہوگا جو اصل کا حکم ہے لان للوسائل حکم المقاصد کما فی کتب الاصول۔ اور نیز ان میں سے کوئی ایسا امر نہیں جو ممنوع شرعی ہو بلکہ سب کے فی نفسہا کار خیر ہیں اور قرآن شریف میں ہے و افعلوا الخیر لعلکم تفلحون یعنی نیک کام کیا کرو تا کہ خلاصی پاؤ اور دوسری جگہ میں ہے و مَا یَفْعَلُوا مِنْ خَیٍۭرٍ فَلَنْ یُکْفَرُوْهُ (سورۃ ال عمران، ۱۱۵) یعنی جو نیک کام کرے اس کی بے قدری نہیں کی جائے گی۔ تو آداب مذکورہ کا مجموعی ثبوت ان ہر دو آیات سے ثابت ہو گیا۔

اب اگر انفرادی ثبوت لینا چاہتے ہیں تو سن لیجئے ذکر ولادت یہ تو خود ثبات الاصل ہے جس کی تفصیل پہلے ہو چکی فروش و استعمال عطریات و تقسیم شربنی یہ خاطر داری و ضیافت مہمانوں کی ہے صحیح مسلم و بخاری کی حدیث ہے من کان یؤمن باللہ و الیوم الآخر فلیکرہ ضیفہ یعنی جس کا اللہ تعالیٰ اور قیامت کے ساتھ ایمان ہے تو گھر آئے کی خاطر داری و تواضع کرے۔ فرش زیبا پران کو بٹھانا عطر لگانا مہمانوں کی تعظیم و اکرام ہے اور شیرینی وغیرہ ان کو کھلانا یہ ضیافت ہے۔ ضیافت میں یہ ضرور نہیں کہ پیٹ بھر کر کھلائے بلکہ ما حضر پیش کر دینے سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے۔ غرض اس سے تطیب القلوب ہے جس طرح بھی ہو منبر یا چوکی اور اشعار کا ثبوت یہ ہے کہ مسجد نبوی میں

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہو کر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھتے تھے۔ یہ حدیث بخاری میں ہے اور آپ اس سے خوش ہو کر دعا دیتے اور فرماتے تھے اللہم ایدہ بالروح القدس خواص و عوام کو دعوت دے کر بلانا اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ تناول حاضر کے لیے ہو۔ یہ تو خود سنت متوارہ ہے۔ دوسرا یہ کہ اس لیے بلایا جائے کہ اگر سیرت و صفات سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سنیں یہ بھی سنت ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کو دعوت دے کر بلاتے اور ارشادات سناتے چونکہ آپ کے ارشادات حدیث ہیں لہذا اجتماع بالسماع حدیث مسنون ہوا۔

علاوہ بریں ان تمام آداب مذکورہ کے ثبوت میں یہ آیت شریفہ بھی کافی ہے۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (سورة الاعراف، ۳۲) یعنی آپ فرمادیں کسی نے حرام کر دیا اللہ کے رزق کو جو پیدا کیا اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی۔

یہاں جو ہے ایک قاعدہ مسلمہ عند الصولیین و مفسرین یاد آ گیا وہ یہ ہے کہ آیت کا شان نزول کچھ بھی ہو اس کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے۔ العبرة لعموم الالفاظ لالخلوص السبب یہ قاعدہ تمام آیات پیش کردہ ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے اس کی وجہ علامہ بیضاوی نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھا ہے: وفيه دليل على ان لا وصل في المطاعم والمائل والملالين وانواع التجملات الالية بناء عليه یہ سب چیزیں ارزوئے قواعد اصول و حسب تصریح مفسرین فحول جائز و مباح ہوئیں۔ کیونکہ فروش بچھانا اور محفل کا سجانا اور عطریات سے لباس بسانا چوکی اور منبر و مسند لگانا یہ سب زینت اللہ میں داخل ہیں اور جو کہ حاضرین کو کھلایا جاتا ہے خواہ مٹھائی ہو یا کھجوریں یا کھانا ان سب کو لفظ طیبات من الرزق شامل ہے اور جو شخص ایسی چیزوں کو حرام کہے اس کے بارے میں احکم الحاکمین کا یہ ارشاد نازل ہوا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْزَمُوا طَيِّبَاتٍ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ • (سورة المائدہ، ۸۷) یعنی اے ایمان والو! مت حرام ٹھراؤ استھری ان چیزوں کو جو

حلال کی ہیں اللہ نے تمہارے واسطے اور حد سے تجاوز نہ کرو اللہ نہیں چاہتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو

جب آداب مذکورہ کا جواز فردی فردی جائز ہو گیا تو ان کے اجتماع میں کون سا زہل جاتا ہو جو وہ ناجائز ہو۔ مثلاً روٹی پکائی جاتی ہے اور اس میں آٹا ہوتا ہے اور پانی اور نمک ڈالا جاتا ہے۔ اگر یہ تمام چیزیں حلال ہوں تو روٹی کو کون حرام کہے گا۔ ہاں اگر شرعی ممانعت آجائے تو اسے ممنوع قرار دیا جائے گا۔ بغیر ممانعت شرعی صرف اجتماع مباح ہے حرام نہ ہوگی۔ جیسا کہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں کہا ہے:

فان افراد المباحات اذا اجتمعت كان ذلك المجموع مباحاً وبما انضم لم يحرم الا اذا تضمن المجموع محظوراً لا تضمنه الاحاد انتہی
یعنی اگر مباح افراد جمع ہو جائیں تو ان کا مجموع بھی مباح ہوگا اور ایک مباح کیا تھا دوسرا مباح مل جانے سے حرام نہیں ہوتا جہاں تک ان کا مجموع کسی ممنوع شرعی کا متضمن نہ ہو جو افراد میں وہ ممنوع نہیں تھا۔

بناعلیہ مجتمع ہونے مباحات و مستحبات سے یہ محفل مقدس ممنوع نہ ہوگی۔

رہا قیام یعنی حضور پاک صاحب لولا کہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین موقع ذکر و ولادت باسعادت کے فوراً بیتا بنہ والہا نہ کھڑا ہو جانا جس کو مخالفین دیکھ یا سن کر بڑے بگڑتے ہیں چیختے ہیں چلاتے ہیں۔ دھارود ہائی مچاتے ہیں۔ کفر و شرک کر کے فتویٰ لگاتے ہیں۔

اگر تو قیوم محبوب الہی کفر ہوتا تو اپنا کفر دیتا جا میرا ایمان لیتا جا

خیر ان کے لغویات کو تنقید تو انشاء اللہ تعالیٰ بعد میں کی جائے گی۔ اب اس کے جواز و استحسان کا ثبوت دیا جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مجرد قیام بلا انضمام رکوع و سجود کے کوئی عبادت نہیں جو مخصوص لغات الہی ہو جیسا کہ تفسیر عزیزی پارہ ۱۴ میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے درحقیقت چیز کہ نماز را

از غیر نماز تیز پیدا کند ہمیں دو فعل رکوع و سجود اند۔ قیام اختصاص بنماز بلکہ عبادتے ہم ندارد۔ اور کبیری شرح منیہ میں علامہ حلبی نے لکھا ہے والقیام لم یشرح عبادة وحده ذلك لان السجود غاية الخضوع حتی نو سجد لغير الله یکفر بخلاف القیام۔ ان دونوں شہادتوں سے ثابت ہوا کہ صرف قیام عبادت نہیں جو مخصوص لغاتہ تعالیٰ ہو۔ تو اس کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنے سے کفر ہوگا شرک بھی جائز نہیں نہیں بلکہ مستحب و مندوب بھی۔ اور اس قیام مندوب کی شرع شریف میں بہت صورتیں ہیں جن کی تفصیل مختصر اعرض ہے۔

(اول) کسی آنے والے کی تعظیم و احترام کے لیے کھڑا ہو جانا جائز بلکہ مستحب ہے۔ حدیث متفق علیہ قوموا الی سیدکم اور حدیث ابی داؤد جس کا مختصر مفاد یہ ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ ﷺ اُٹھ کر اس کو چومتے اور اپنی جگہ میں بٹھلاتے اور جب آپ ﷺ اس کے گھر میں تشریف لے جاتے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی کھڑ ہو جاتی تھی۔ یہ دونوں حدیثیں اس مدعا پر اصل دلیل ہیں۔ علاوہ برائیں فقہاء حنفیہ نے بھی اس کی تصریح کر دی ہے در المختار للشامی جلد ۵ ص ۲۵۴ میں ہے وفي الوهبایة يجوز بل يندب القيام تعظيماً للتصادم انتها

(دوم) جب کوئی اپنا پیشوا مجلس اٹھے اس کی محبت میں تعظیماً کھڑا ہو جانا۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں بیہقی کی حدیث بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم ﷺ مسجد میں ہم کو حدیث سناتے تھے جب آپ اُٹھتے ہم سب کھڑے ہو جاتے تھے اور جب تک آپ دولت خانہ میں داخل نہ ہو جاتے اس وقت تک ہم کھڑے رہتے تھے۔

ندائے غائبانہ

نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

گو اس مسئلہ کی تحقیق کما حقہ علماء کرام کثر اللہ تعالیٰ امثالہم نے اپنی تصنیفات میں بخوبی کر کے اس فریضہ سے سبکدوشی حاصل کر لی ہے۔ مگر چونکہ اس موضوع پر کوئی مستقل رسالہ جیسا کہ باقی مسائل متنازعہ فیہا میں تصنیف ہو چکے ہیں مرتب نہیں ہوا حالانکہ زمانہ حال کے ملاحظہ ملاحظہ نے تکفیر مسلمانان عالم کے لیے نداء غائبانہ کو نہایت زہریلا اور خطرناک حربہ قرار دے رکھا ہے جس پر ان کے ناپاک مذہب کا دار و مدار ہے ازیں وجہ یہ رسالہ تحریر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

نداء غائبانہ کا معنی ہے غائب کو پکارنا۔ یا کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہوگئی جیسا کہ ان ملاحظہ کی تصنیفات میں موجود ہے ملاحظہ ہونی فضول لاثانی وغیرہ۔ اور اس نداء غائبانہ کو اسی فتویٰ کے اسی صفحہ وسط میں ان ملاحظہ نے شرک و کفر قرار دیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ نداء غائبانہ مخصوص بذات الہی جل جلالہ ہے یعنی دور سے اگر پکارا جائے تو صرف اللہ ہی کو پکارا جائے دیگر کسی کو اگر دور سے پکارا گیا تو شرک و کفر ہوگا۔ اب ان سے ہمیں پوچھنے کا حق حاصل ہے کہ کیا تمہارا خدا غائب ہے یا دور ہے ہمارا بلکہ تمام ملکوت السموات والارض کا پروردگار عالم خالق الکل جل جلالہ تو قرآن پاک میں فرماتا ہوں نحن اقرب الیہ من حبل الوردید ♦ (سورۃ ق، ۱۶) وهو معکم اینما کنتم۔ ان اللہ معنا اور حضور پاک ﷺ فرماتے ہیں انکم لاتدعون غائبوا لا اصم (فتویٰ فضول لاثانی، ص ۹-۸)

جن سے ثابت ہے کہ پروردگار عالم جل جلالہ نہ غائب ہے نہ دور اب اگر ان ملاحظہ کا خدا کوئی اور ہے تو جھگڑا ختم اور اگر وہی پروردگار ان کا بھی خدا ہے تو اس کو غائب یا دور قرار دینا نصوص قطعیہ یعنی قرآن وحدیث کا صریح انکار ہے۔ شرح عقائد وغیرہ کتب کلام میں ہے ورد النصوص بان ینکر الاحکام الی دلت علیہ النصوص۔۔۔ کفر۔

الحاصل نداء غائبانہ نہ شرک ہے اور نہ کفر کیونکہ شرک کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص کو الوہیت یعنی

وجوب الوجود میں اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینا جیسا کہ مجوس یا کسی شخص کو مستحق عبادت سمجھنا جیسا کہ بت پرست شرح عقائد نسفیہ میں ہے الا شر اک هو اثبات الشریک فی الالوہیۃ بمعنی وجوب الوجود کما للمجوس او بمعنی استحقاق العبادۃ کما للعبدة الا صنم

(شرح عقائد نسفیہ ص ۶۱)

اور ظاہر ہے کہ جو شخص حضور اکرم ﷺ کو بلفظ یا رسول اللہ ﷺ یا اولیاء کرام کو خواہ بقید حیاۃ ہوں یا مقبور نزدیک ہوں یا دور ان کا نام لے کر بحرف یا پکارتا ہے تو انکو نہ واجب الوجود قرار دیتا ہے اور نہ ہی ان کو معبود بلکہ بغرض استمداد و استشفاع و توسل پکارا جاتا ہے۔ اور یہ بھی مستغنی عین البیان ہے کہ سائل مسؤل عنہ سے اسی چیز کا سوال کرتا ہے جو اس کے اختیار میں ہو اور مقربان الہی کے اختیار میں صرف توسل اور شفاعت ہے نہ انجام مرام کیونکہ وہ قبضہ قدرت کاملہ میں ہے اس میں کسی نبی یا ولی وغیرہا کی کوئی شرکت نہیں ہے

باقی رہا اس ندا کو منادی تک پہنچانا اور اس کا سن لینا سو یہ نہ منادی کے اختیار میں ہے اور نہ ہی منادی کے اختیار میں بلکہ فَعَالٍ لِّمَا يُرِيدُ (سورۃ بروج، ۱۶) جل و علا شانہ کے قبضہ قدرت میں ہے قرآن شریف میں ہے اِنَّ اللّٰهَ يَسْمَعُ مَنْ يَّشَاءُ (سورۃ فاطر، ۲۲) بس اگر وہ نہ سنوائے تو نزدیک بیٹھا ہوا بھی نہیں سن سکتا اور اگر سنوادینا چاہے تو دور کو سنوادیتا ہے۔ ہاں البتہ ہوا متکفئہ بالصوت عادۃً اسی آواز کو سامع کے کانوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ لیکن قدرت اس عادت سے بالاتر ہے۔

اگر قدرت چاہے تو ہوا بھی بے کار ہو جاتی ہے اور اگر قدرت چاہے تو ہوا کی ضرورت کیا ہے نمونہ طور ہم اہل قبور کا زائرین کے سلام کو سننا اور جواب دینا جو صحیح احادیث سے ثابت ہے جہاں سینکڑے من مٹی کے حائل ہوں پیش کرتے ہیں یہاں تو ہوا کا نفوذ بھی ناممکن لیکن سماع موجود۔ ثانیاً نداء غائبانہ کی ممانعت نہ قرآن شریف میں ہے اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں بلکہ ان ملاحظہ کا خود تراشیدہ تصنیف ہے۔ اگر کسی آیت یا حدیث میں نداء غائبانہ کی ممانعت ہے تو پیش کریں فلیما

تو ابھا ان کا نو صادقین مگر کہاں سے لائیں نداء غائبانہ کا لفظ تو تراش لیا مگر آیت اور حدیث کس طرح تراش سکتے ہیں۔ البتہ آیات کے معانی کو تحریف کر کے ان میں خود تراشیدہ مضامین داخل کر دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے لیکن یہ داؤ صرف انکے چیلوں چاٹوں تک محدود رہے گا مسلمانان عالم ان فریب اور مکائد سے بخوبی واقف ہو چکے ہیں ان کی دام تزیور میں پھنسنے کے نہیں

قرآن شریف میں نداء غائبانہ کی ممانعت تو کہیں آئی نہیں بلکہ دونوں قسم نداء یعنی حاضر و غائبانہ کے جواز کا ثبوت البتہ موجود۔ حاضرانہ مثلاً وَنَادَى نُوحُ ابْنَهُ • (سورۃ ہود، ۴۲) وغیرہ ذلک اور غائبانہ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ • (سورۃ الحج، ۲۷) جسکی تفصیل عنقریب آئیگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ ہاں دعا کا لفظ قرآن شریف میں متعدد مواقع پر بکثرت وارد ہے لیکن اس کے معانی بھی متعدد (۱) عبادت یعنی بندگی کرنا (۲) خواندن یعنی بلانا (۳) خواستن یعنی کسی سے کچھ مانگنا۔ جن جن مواقع میں یہ الفاظ وارد ہے وہاں ان تینوں معنوں میں سے جو معنی اسباق و سباق کے مطابق ہو اور علماء تفسیر نے اس معنی کا تعین کر دیا ہو وہی معنی مراد ہو گا نہ یہ کہ ہر جگہ ایک معنی لیا جائے جیسا کہ ملاحظہ کی چال ہے مثلاً آیت سورۃ جن وَ أَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ • (سورۃ جن، ۱۹) یعنی بعدہ و یقرء القرآن تفسیر خازن و مدارک التزیل یہاں دعا بمعنی عبادت کے ہے اور سورۃ فاطر میں إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعاءً كُفًّا • (سورۃ فاطر، ۱۴) یہاں دعا بمعنی پکارنے کے ہے بقرینہ لَا يَسْمَعُوا کیونکہ سماع پکارنے پر دلالت کرتا ہے

علیٰ ہذا القیاس تمام قرآن شریف میں جس جگہ دعا کا لفظ ہے ان تینوں معنوں میں سے جو معنی مناسب اسباق کلام کے ہو وہی مراد ہو گا اب اس لفظ دعا کے استناداً بغیر اللہ میں تفصیل ہے یعنی دعا بمعنی عبادت بغیر اللہ قطعاً حرام بلکہ کفر و شرک اور دعا کے دوسروں معنوں یعنی بلانا اور مانگنا میں بھی تفصیل ہے یعنی اگر مدعو عند اللہ مذموم ہستی ہے جیسا کہ بت و آگ و پانی وغیرہ معبودان باطلہ تو ان

کو نہ کسی حاجت براری کے لیے بلانا جائز ہے اور نہ ہی ان سے حاجت کا مانگنا بلکہ یہ بھی قطعاً حرام و کفر و شرک اور قرآن شریف میں جس قدر آیات غیر اللہ کو پکارنے یا دعا مانگنے کی ممانعت آتی ہے۔ ان تمام آیات کا محمل یہی معبودان باطلہ ہیں جیسا کہ تمام سیر معتبر و ہم عن دعائہم غافلون میں ہم کا مرجع اصنام بتاتے ہیں۔ اور اگر مدعو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز و محترم ہستی ہے مثلاً انبیاء و شہداء اولیاء تو اس میں بھی تفصیل ہے اگر ان حضرات کو مستقل متصرف الامور قرار دے کر دور یا نزدیک سے پکارے یا اسی نیت سے ادنیٰ حاجت براری طلب کرے تو بھی شرک ہے کیونکہ فعال مطلق ذات پاک الہی جل جلالہ ہے اس میں کسی کی شرکت نہیں۔ اور اگر ان حضرات کو اپنی حاجت براری کے لیے جناب الہی میں وسیلہ قرار دے کر جناب میں خود عرض کرے ان سے جناب باری عز اسمہ کے دربار میں انجام مرام کے لیے عرض کی درخواست کرے خواہ حاضرانہ ہو یا غائبانہ بہر کیف جائز و مشروع نہ اسمیں شرک ہے اور نہ کفر جیسا کہ آیت شریفہ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (سورۃ نساء، ۶۴) اس بارہ میں نص صریح ہے اور احادیث صحیحہ اس کی تائید میں متفق و منطبق ہیں۔ غرض جہاں نداء یا دعا نہ جائز ہے تو وہاں مطلقاً ناجائز ہے خواہ حاضرانہ ہو یا غائبانہ اور جہاں جائز ہے وہاں بھی الاطلاق جائز حاضرانہ غائبانہ کا کوئی فرق نہیں۔

غضب تو یہ ہے کہ یہ بے ہودہ گستاخ پارٹی مقربان بارگاہ الہی کو بتوں کے برابر قرار دے کر جو آیات بتوں کے حق میں نازل ہوئیں ان کو انبیاء کرام و اولیاء عظام پر محمول کرتے ہیں حالانکہ انبیاء کرام کے اوصاف حمیدہ قرآن شریف میں جا بجا مذکور ہیں اور اولیاء اللہ کے شان میں اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلٰیہُمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (سورۃ یونس، ۶۲) موجود ہے غرض جس کام کو قدرت سرانجام کرنا چاہے بہر کیف کر گزرتی ہے خواہ عادت کے مطابق یا خرق عادت۔ اور امور میں خرق عادت کا ظہور انبیاء کرام سے بطریق معجزہ اور اولیاء عظام سے بطریق کرامت امر یقینی و قطعی ہے اس کا انکار شمس نصف النہار کے انکار کے مترادف ہے نص قرآنی و احادیث رسول

ربانی اس کے بالاتفاق مثبت اور علماء اہل سنت بلا اختلاف اس کے قائل۔ بنائی علیہ جو درود رسیدہ دور سے حضور پاک ﷺ یا کسی ولی کامل کی جناب میں محض قدرت کاملہ کے بھروسہ پر استغاثہ یا استمداد کرے تو اس میں نہ کفر ہے نہ شرک بلکہ ایسے استغاثہ کو مستغاثہ کی جناب میں پہنچا دینا بطریق خرق العادة قدرت کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ شرح برزخ میں ہے وروی فی الاخبار ان الانسان اذا صعب عليه امر فينادى وليد من اولياء الله تعالى فان كان حيا يسمعه الريح في طرفه عين او يعلم بالكشف وشفاء القلب وان كان ميتا فيسمعه الملكة فيعين له باشفاعة عند الله تعالى وعلیه المشائخ انتهی (شرح برزخ، وجز الصراط، ص ۱۰۴)۔۔۔ اور یہ خرق عادت یعنی نداء غائبانہ منادی تک پہنچ جانا کبھی منادی کی کرامت سے ظاہر ہوتی ہے اور کبھی منادی کی عظمت کی وجہ سے جیسا کہ نظائر آیت سے ظاہر ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اب ہم اس موضوع یعنی نداء غائبانہ کے جواز پر واقعاتی شہادت پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہو جائے گا کہ نداء غائبانہ امر مستحدث نہیں بلکہ عہد قدیم سے آج تک بلا تکلیف مجوز بلکہ مروج چلا آتا ہے اور اس کے برکات سے خلق کثیر مستفیض و مستفید ہوتی رہی ہے چونکہ کلام کے دونوں طریقوں یعنی نظم و نثر سے اس نداء غائبانہ کا استعمال جاری رہا ہے اسی واسطے دونوں طریقوں کے نظائر ذکر کر دینے دلچسپی کا باعث ہوں گے۔

لیکن چونکہ مکرین کا زیادہ تر حملہ کلمہ یا رسول اللہ ﷺ پر ہے جو جب بھی یہ متبرک کلمہ کسی مجلس میں ان کے سامنے استعمال کیا جائے تو ان بد بختوں کو بندوق کی گولی کی طرح لگ جاتا ہے جس سے بے تحاشا شور مچا دیتے اور قائل کو کفر و شرک کے دریا میں غرق کر دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں لہذا دندان شکن جواب دینا سب سے پہلے ضروری ہے۔ جس سے انشاء اللہ تعالیٰ انکے تمام پچھلے چھوٹ جائیں گے اور جواب سے لا جواب ہو کر مسکوت و مہوت زاویہ خاموشی میں بیٹھ جائیں گے۔ حدیث شریف برآیت حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ مروی ہے کہ قال رسول اللہ ﷺ

البخیل الذی من ذکر عندہ فلم یصل علی (مشکوٰۃ شریف، ص ۸۷)

تو جو شخص آپ کا نام لے کر آپ کو دور سے پکارے گا درود شریف یا کم از کم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور کہے گا خواہ بلند آواز سے یا آہستہ اگر یہ نہ ہو سکے تو آپ کو نداء بھی نہ کرے ورنہ بخیلوں میں شمار ہو گا۔ یہ ہے نداء غائبانہ کا قاعدہ اب نداء غائبانہ کا قاعدہ جس وقت بھی کیا گیا فوراً حضور کی جناب میں بذریعہ ملائکہ متعینہ پہنچ گیا جیسا کہ حدیث شریف بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال رسول اللہ ﷺ ان لله ملكة سياحين في الارض يبلغوني من امتي السلام (مشکوٰۃ شریف ص ۸۶)

اور دوسری حدیث میں ہے صلوا علی فان صلواتکم تبلغنی حیث کنتم اور تیسری حدیث کا اخیر فقرہ یہ ہے کہ ومن صلی علی نائیاً بلغته (مشکوٰۃ شریف ص ۸۷)

ان احادیث صحیحہ کے ماہ الاشتراک سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ جب ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر صلوة یا سلام جس صیغہ سے بھی ہو خواہ بحرف نداء یا نہ بہر صورت ملائکہ متعینہ اس کو جناب کے دربار عالیہ میں فوراً پہنچا دیتے ہیں کسی قسم کا شبہ نہیں

گذشتہ تین چار سال کا ذکر ہے کہ جب شیر و ہایان پنجاب مولوی ثناء اللہ امرتسری پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا اور وہ اس حملہ کے اثر سے بالکل محفوظ رہا جو کوئی چوٹ بھی اس کے بدن پر نہ آئی تو اطراف سے اس کے بہی خواہاں نے نظم و نثر میں بہت مبارکبادی کی رسم ادا کی جس میں خطاب اور نداء غائبانہ بکثرت تھے تو شیر و ہایان نے علماء وقت کے مواخذہ سے اس طرح مخلصی حاصل کی کہ جب خطاب و نداء غائبانہ کے خطوط ڈاک میں ڈالے گئے اور خطوط میرے پاس پہنچ گئے تو نہ وہ نداء غائبانہ رہا اور نہ خطاب غائبانہ اس میں نہ کفر رہا اور نہ شرک تعجب کا مقام ہے کہ انگریزی ڈاک اور اس کے اہل کاروں پر تو اس قدر اعتبار ہے کہ مجر خطوط ڈالنے کے مواخذہ سے بچ گئے۔ اور خدائی اہل کار جن کے حق میں رب العلمین کا ارشاد ہے ولا یعصون اللہ ما امرهم پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔ یہ ہے انکی ایمان داری کا خا کہ یعنی جو شخص دور سے مولوی ثناء اللہ کو نداء یا خطاب کرے وہ تو موحد مسلمان اور جو شخص سرور عالم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو دور سے ندا یا خطاب کرے وہ

کافر و شرک - نعوذ بالله من شرور انفسنا

اور بتوں کے بارے میں انکم و ماتعبدون حصب جہنم وارد ہے۔ اب اس قدر تفاوت مراتب کے ہوتے ہوئے مساوی قرار دینا کس قدر بے انصافی و عیاری ہے۔

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی:

حالانہ خود جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ • وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ • وَلَا الظُّلُّ وَلَا الخُزُورُ • وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ • (سورۃ فاطر، ۱۹-۲۲) واللہ الہادی ثالثاً ان ملاحظہ کی نداء غائبانہ کے کفر و شرک ہونے کے لیے بڑی سے بڑی دلیل یہ ہے کہ غائبانہ کرنے سے منادی کو حاضر و ناظر قرار دیا جاتا ہے اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا منجملہ صفات مختصہ باری تعالیٰ کے ہے جب غیر کے لیے ثابت کیا گیا تو صریح شرک و کفر ہوگا اس کے جواب میں ہم لکھتے ہیں کہ اسماء الہی جس طرح توقیفیہ ہیں اس طرح صفات باری تعالیٰ مختصہ بھی توقیفیہ ہیں اور حاضر و ناظر نہ اسماء حسنیٰ میں داخل ہیں اور نہ صفات مختصہ میں صفات مختصہ کہنا دعویٰ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔ اسی وجہ سے بعض فقہاء جناب باری تعالیٰ کو یا حاضر یا ناظر کہنا کفر کہتے ہیں جیسا کہ دارالخبر میں موجود ہے اور شامی نے بعیدہ تاویلین کر کے اس کفر کو ہٹایا مگر کفر کے ہٹ جانے سے اصل معاملہ کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا۔ جب تک دلیل مستقل نہ پائی جائے۔ و این الدلیل تو جب اتصاف ذات باری جل ذکرہ بوصف حاضر و ناظر غیر متحقق ہے تو ان کو صفات مختصہ سے شمار کر کے غیر کے لیے ثابت کرنے سے شرک و کفر کا حکم جزدینا بنا الفاسد علی الفاسد ہے اور فی الحقیقت بات یہ ہے کہ یہ حاضر ناظر یا کلی و جزوی وغیرہ منجملہ ان الفاظ کے ہیں جنہیں ان ملاحظہ زنادقہ الوقت نے مسلمانان عالم کو دھکیل کر کفر کے گڑھے میں ڈالنے کے لئے تراش کئے ہیں ورنہ جو مسلمان خاص ہو یا عام جب ہی اپنی کسی درد کی پکار حضور پاک ﷺ یا اولیاء کرام کی جناب میں بلفظ یا رسول اللہ یا ولی اللہ عرض کرتے رہے تو اس وقت حاضر و ناظر کا خیال بھی اس کے ذہن میں نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کو جناب الہی جل جلالہ کی

عنایات پر مکمل بھروسہ ہوتا ہے کہ یہ درد مند نہ پکارا نہ حضرات کی خدمت میں ضرور پہنچ جائے گا اور فی الواقع اس میں وہ لوگ حق بجانب بھی ہیں کیونکہ حدیث قدسی بروایات ثقات مروی ہے بلفظ لا يزال يتقرب الى العبد بالنوافل حتى احبه فاذا احبته كنت سمعه وبصره ویدہ رجله ولسانه فبی یسمع وبی یبصر وبی یطش وبی یمشی وبی ینطق جب مقربان بارگاہ الہی کی یہ حالت ہوئی کہ بوجہ کثرت عبادات کے فانی ہو کر باقی بہ بقا الہی ہو جاتے ہیں تو ان کے تمام افعال جو اعضاء ظاہری کے متعلق تھے سب اللہ تعالیٰ ہی سے ہوتے ہیں۔ تو نداء غائبانہ سن لینا بھی اسی قبیلہ سے ہوگا۔

حیرت کی کوئی حد نہیں رہتی جب اس بے ہودہ فرقہ کے کفر و شرک کاظمطراق دیکھا جاتا ہے بات بات میں شرک اور کفر جڑ دینا انکا مذاق ہے۔ اسلام کے احاطہ کے یہ واحد ٹھیکہ دار ہیں کس کو داخل یا خارج کرنا انہیں کے ہاتھ میں ہے جو شخص ان کا ہم عقیدہ ہو اس کو داخل کر دیتے ہیں خواہ وہ اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہ رکھتا ہو اور جو مسلمان ان کے عقائد باطلہ کے برخلاف ہو اگر چہ فی نفسہ پکا موحد متقی بھی ہو اس کے بازو سے پکڑ کر احاطہ اسلام سے باہر کر دیتے ہیں عوام مسلمانوں کو اپنے پھندے میں پھنسانے کے لیے بے شمار دام تزویر تیار کیے ہیں منجملہ ان کے نداء غائبانہ سے حاضر و ناظر گھڑ لیا اور پھر حاضر و ناظر کو مختص بذات الہی قرار دے کر ایسے منادی کو کفر و شرک کے رسا سے باندھ لیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ملک الموت یعنی عزرائیل علیہ السلام جس کی نسبت قرآن شریف سورۃ سجدہ میں ارشاد ہے قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرَ بِكُمْ • (سورۃ سجدہ، ۱۱) کو یہ بد مذہب فرقہ اپنا خدا کیوں نہیں مانتے حالانکہ تمام تفاسیر اس امر پر منطبق ہیں کہ تمام ذی روح کے ارواح کو وہی قبض کرتا ہے اور جمیع اکناف عالم پر اس کی ہر وقت نظر رہتی ہے مشرق سے مغرب تک جنوب سے شمال تک ایک آن میں مختلف مقامات پر پہنچ کر بلاتا خیر اجل مقررہ پورا ہونے سے فوراً روح خود قبض کرتا ہے اور پھر اعوان کے حوالے کر دیتا ہے تمام دنیا اس کی نظر میں ہتھیلی کی طرح ہے قال ابن عباس رضی اللہ عنہ ان خطوط ملک الموت ما بین

المشرق والمغرب وقال المجاهد جعلت له الارض مثل الطشت يتناول منها حيث يشاء
(تفسير خازن)

اور سنیے مولانا جامی نجات الانس میں لکھتے ہیں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ می فرمودہ کہ
حضرت عزیز ان علیہ الرحمۃ می گفتند کہ زمین مد نظر ایں طائفہ چوں ذرہ است وما بگویم چوں
روئے ناخن اشت بیچ چیز از نظر ایشان غائب نیست (وسیلہ جلیلہ، ص ۱۷۷)

جب اولیاء کو یہ منصب حاصل ہے تو نداء غائبانہ یا حاضر و ناظر کی وجہ سے تکفیر کہاں گئی۔ اب
واقعاتی شہادات پیش کیے جاتے ہیں جن سے ناظرین کو تسلی کرنے میں دقت نہ ہو اور چونکہ اس
شہادت کے دو پہلو ہیں نظم و نثر لہذا دونوں کا ذکر کرنا مناسب ہے۔ پہلے نثر کو لیتے ہیں بعدہ انشاء
اللہ تعالیٰ نداء غائبانہ منظوم کا ذکر ہوگا۔ ان شہادات کو نظائر سے تعبیر کیا جائے گا
نظیر اول:

التحیات جو ہر نماز لیلی ہو یا نہاری، نقلی ہو یا فرضی، سنت ہو یا واجب میں کہیں ایک دفعہ اور
کہیں دو بار ضرور پڑھا جاتا ہے بلکہ نماز کا خاتمہ اسی پر ہوتا ہے کوئی نماز نہیں جو اس کے بغیر ادا کی
جاتی ہو اس میں السلام علیک ایھا النبی جو کہ خطاب اور نداء پر مشتمل ہے موجود حالانکہ یہ دونوں
چیزیں یعنی نداء و خطاب حاضر سے مخصوص ہیں گو التحیات کے باقی الفاظ میں روایات کا اختلاف
ہے جیسا کہ صحیحین میں بروایت عبد اللہ بن مسعود یہی الفاظ ہیں جو مذہب حنفیہ میں مروج و
مستعمل ہیں اور صحیح مسلم میں بعض الفاظ مغایر اور نسائی میں تفاوتِ سیر کے ساتھ وارد ہیں۔ لیکن
اس کلام یعنی السلام علیک ایھا النبی میں ہرگز نہ کوئی تغیر ہے نہ اختلاف بلکہ تمام
روایات میں یہ کلام موجود اور حضرت عبد اللہ بن عباس و جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ الفاظ التحیات اس طرح پڑھاتے تھے جیسا کہ قرآن شریف کی سورہ
پڑھاتے تھے۔ حنفیہ کی منیۃ المصلی سے لے کر جس قدر کتب فقہیہ ہیں تمام اسی التحیات کے
وجوب کے قائل اور احادیث کا تو کئی اندازہ بھی نہیں۔ یہاں خطاب بھی موجود اور نداء بھی خطاب

کے لیے تو کاف لفظ مذکور اور ندا کا حرف کو لفظاً مخدوف ہے جیسا کہ یوسفُ اَعْرِضْ عَنْ هَذَا • (سورۃ سجدہ، ۱۱) وایہا الرجل (کافی) لیکن نیتہ موجود۔۔۔ اور ظاہر ہے کہ ندا اور خطاب یہ دونوں حاضر سے مخصوص غائب کو نہ داء کیا جاتا ہے اور نہ ہی خطاب تو اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ آپ کو حاضر و ناظر قرار دے کر خطاب و داء کیا جائے۔ اب اگر حاضر ناظر قرار دینا کفر و شرک ہوتا تو نماز جیسی راس العبادات میں اسکا استعمال ہر گز روانہ رکھا جاتا حالانکہ ائمہ مجتہدین مذاہب اربعہ و اتباع ایشان و علماء محدثین و فقہا محققین میں سے کسی سے بھی منقول نہیں کہ یہ الفاظ شرکیہ ہیں نماز تو بجائے خود خارج از نماز بھی ان کا استعمال کفر یا شرک ہے۔ اب یہاں منکرین ملحدین مذہب جوحی حرکت کی طرح والہانہ چند شبہات پیش کرتے ہیں ان کا جواب بھی سن لیجئے۔

شبہ اول:

کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور انور ﷺ کے انتقال کے بعد خطاب کو ترک کر کے السلام علی النبی کہا کرتے تھے اگر آپ کو حاضر ناظر جانتے تو خطاب کو کیوں ترک کرتے اب اس کا جواب اولاً یہ کہ یہ روایت دوسری روایات کے مخالف ہے اور روایت شاذہ بہ نسبت روایات مشہورہ کے متروک ہوتی ہے جیسا کہ علامہ قسطلانی نے اس حدیث کے تحت میں لکھا ہے و فیہ ان ہذہ الروایۃ مخالفة للروایات الاخر فانہا لیس فیہا ہذا الحرف۔ ثانیاً اس تغیر کے لیے نہ آپ نے حکم دیا ہے اور نہ صحابہ نے اس کو قبول کیا ہے جیسا کہ مولانا عبدالحلیم لکھنوی نے رسالہ نور الایمان بزیارت اثار حبیب الرحمان میں لکھا ہے اور علامہ قسطلانی لکھتے ہیں علی ان ہذا التغییر لیس من تعلیم النبی ﷺ حیث قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ قلنا السلام علی النبی۔

ثالثاً حضور اکرم ﷺ کے حین حیات اس تغیر کا حکم نہ ہوا اور نہ ہی حضرت ابن مسعود نے اس خطاب کے چھوڑنے کا مشورہ دیا حالانکہ اس وقت تمام نمازی ہر نماز میں حضور کے سامنے نہیں ہوتے تھے بلکہ سیکڑوں کو سوں دور و سفر دراز میں ہوتے وقت بھی اس تشبیہ میں خطاب کو معمول

رکھتے۔ بس اسی قدر سے ہمارا مدعا حاصل۔

شبہ دوم:

کہتے ہیں کہ یہ خطاب و نداء بغرض اسماں نہیں بلکہ بطور اخبار و حکایت واقعہ مراجعہ کے ہے یعنی یہی الفاظ معراج کے موقعہ پر استعمال کیے گئے تھے اب نماز میں وہی الفاظ بطور حکایت و اخبار پڑھے جاتے ہیں ان سے انشاء و سلام ہرگز مقصود نہیں اور وجہ اس کی یہ بیان کرتے ہیں کہ نماز میں کسی شخص کو نداء یا خطاب کرنا مفسد نماز ہے جیسا کہ کتب فقہ میں صریحاً موجود ہے۔ اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ حکایت کے لیے محکی عنہ کا ہونا ضروری ہے ورنہ حکایت ناممکن یہاں محکی عنہ یعنی واقعہ مراجعہ کے لیے مکمل ثبوت چاہیے اور ثبوت کے لیے آیت قرآن شریف یا صحیح حدیث مرفوع متصل پیش کرنی چاہیے صرف معراجناموں کے قصوں پر اعتماد نہیں ہو سکتا۔ یہاں ایک منصف و ہابی کا قول نقل کر دینا دل چسپی سے خالی نہ ہوگا۔ مولوی غلام اللہ قصوری جو فاسد العقیدہ ہونے میں ضرب المثل تھا اور اس نے اپنے رسالہ تحقیق المرام میں لکھا ہے کہ ایسا ہی بعض ادعیات حکایت ہی ہیں جیسا کہ التحیات کیونکہ اگر حکایت نہ ہو تو التحیات میں نداء و خطاب واقع ہے جیسا کہ السلام علیک ایہا النبی اور خطاب حاضر کو ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر نہیں بلکہ (نقل کفر کفر نباشد) حیات ہی نہیں اگر اس کو حکایت شب معراج کا پڑھنا مقرر کریں تو اس پر رد و اعتراض وارد ہوتے ہیں ایک خطاب غیر موقعہ دوم کلام فی الصلوٰۃ یہ مفسد صلوٰۃ ہے اس واسطے علماء نے تصریح کی ہے کہ اس کا پڑھنا حکایت ہے اس مسئلہ کو شیخ عبدالحق نے اپنی تصنیفات میں مصرح لکھا ہے۔ اس کی تردید میں مولوی عبد الجبار غزنوی امرتسری نے کتاب لکھی ہے جس کا نام تضحیک الانام علی تحقیق المرام ہے گو مولوی صاحب موصوف ہیں تو خاندانی و ہابی لیکن منتصب نہیں بلکہ قوت دلائل کو دیکھ کر بات مان لیتے ہیں چنانچہ اس کتاب کے ص ۱۵۵ میں قصوری کے قول مذکورہ کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ملا صاحب آپ کو اور شیخ عبدالحق کو کیونکر معلوم ہوا کہ شب معراج میں بطور راز و نیاز کے الفاظ التحیات کے پڑھے گئے تھے اور اب تمام امت کو بطور حکایت پڑھنے کا حکم ہے۔

شاید آپ اور شیخ صاحب اردلی میں آنحضرت کے ساتھ گئے ہوں گے چشم دیدہ حال آپ بیان کرتے ہیں ورنہ اس قصہ کی صداقت پر کوئی سند معتبر لائیں مگر اتنا خیال رہے کہ کتب متداولہ اور احادیث کا حوالہ دیا جاوے ورنہ شیخ جیسے متاخرین کا قول سند نہیں ہو سکتا۔ دراصل یہ قصہ بالکل غلط ہے کسی محدث نے اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا ایسی بے اصل بات کا نقل کرنا گویا اللہ اور رسول پر بہتان باندھنا ہے پھر لکھتے ہیں کہ ملا صاحب نے کسی معراج نامہ پڑھنے والے سے آپ تو صحاح پر عمل کرنے والے ہیں کسی صحیح سند سے ثابت کیجئے، نہ ہو سکے تو روایت حسن یا ضعیف ہی لائیے یہ قصہ سن کر نقل کر دیا ہے اور دل میں سمجھ لیا (افواہ خلق نفاہ خدا) ایسی مشہور بات کی کچھ تو اصل ہوگی صحیح بخاری میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کو قرآن مجید کی طرح التحیات سکھاتے اور ہم آنحضرت کے ایام حیات میں السلام علیک ایہا النبی کہتے تھے اور بعد وفات کے السلام علی النبی کہنے لگے بھلا اگر صحابہ کرام بہ سبیل حکایت پڑھتے ہوتے تو کاف خطاب کیوں ترک کرتے نقل میں تصرف جائز نہیں ہوتا۔ باقی جواب یہ ہے کہ جو لوگ بعد رحلت حضرت رسالتہما کے السلام علی النبی بغیر کاف خطاب کے پڑھتے تھے ان پر کوئی شبہ وارد نہیں ہوتا۔ نہ غائب کو خطاب نہ کلام فی الصلوۃ۔ البتہ یاران نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو لوگ با یام قیام دنیا اور نیز بعد از رحلت بملاء اعلیٰ کاف خطاب سے السلام علیک کہتے رہے ان پر آپ معترض ہو سکتے ہیں۔ پس ان کا جواب یہ ہے کہ بے شک نماز میں کلام کرنا منع ہے مگر جہاں اللہ اور رسول کا حکم ہو وہاں کچھ مضائقہ نہیں بلکہ وہ بولنا ہی عین عبادت ہے اور پھر لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز میں یا خارج از نماز بوقت درود یا سلام کے رسول اللہ ﷺ کو حکماً مخاطب سمجھے تو بے شک جائز ہے ایک روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے بحالت خطبہ منبر پر چڑھ کر صحابہ کبار کی ایک جماعت کے رو برو لوگوں کو التحیات پڑھنا بتلایا اور اس میں لفظ السلام علیک سکھلایا یا کسی صحابی نے اس پر انکار نہ فرمایا گویا تمام صحابہ کا اس پر اتفاق و اجماع ہوا۔ انتہی مع ادنیٰ اختصار۔ جائے حیرت ہے کہ مکمل وہابی جن کے مذہب کا دائرہ صرف اسی نداء غائبانہ کلام اور

حاضر ناظر جانے کو کفر و شرک قرار دینا ہے وہ بھی یہاں دلائل قویہ و براہین صریحہ کے محاصرے میں آکر اسلحہ ڈال بیٹھا اور مقام تسلیم میں آکر صاف اقرار کر دیا کہ حضور کو صلوٰۃ و سلام کے ضمن میں نداء غائبانہ و خطاب بلا شک وارتیاب جائز ہے خواہ نماز کے اندر ہو یا خارج از نماز بلکہ اس کو اجماع صحابہ جو اعلیٰ قسم کا اجماع ہے جس کا منکر کافر ہو جاتا ہے قرار دے کر قصوریہ بد مذہب کی مٹی پلید کر دی۔ لیکن یہ ملحد فرقہ جو مذہب حنفیہ میں داخل ہونے کے مدعی ہیں اس کے دلوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عناد و عداوت نے ایسا گھیرا کر رکھا ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا تو درکنار سننا بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

اور مولوی غزنوی صاحب نے جو آپ کو حکماً مخاطب جائز ہو نیکی تقیید لگائی ہے یہ محض اپنے مذہب کی لاج رکھنے اور ہم مذہبوں کی جھاڑ سے بچنے کے لیے ورنہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی مخاطب اور حقیقی منادی بندا غائبانہ و حاضرانہ ہو سکتے ہیں جیسا کہ علماء اہل سنت و الجماعت کا مذہب ہے کہ حضور زندہ بحیات دنیوی حسی ہیں اور ہر جگہ تشریف فرما ہوتے ہیں مدارج النبوة جلد ۲ صفحہ ۴۷ میں ہے بدانکہ حیات انبیاء متفق علیہ است میاں علماء ملت و ہج کس را خلاف نیست در آن کہ آن کامل تر قوی تر از وجود حیات شہداء و مقاتلین فی سبیل اللہ است کہ آن معنوی اخروی ست عند اللہ و حیات انبیاء حسی دنیاوی ست و احادیث و اثار در آن واقع شدہ۔۔۔ اور اسی کتاب کے ص ۴۵ میں ہے اگر بعد از ان گویند کہ حق تعالیٰ جسدا رحالتے وہ قدر تے بخشیدہ است کہ دہر مکانیکہ خواہد تشریف بخشہ خواہ بعینہ یا با مثال خواہ بر آسمان یا بر زمیں خواہ در قبر شریف یا غیر وے نیز صورتے دارد با وجود ثبوت نسبت بقبر در ہمہ حال انتہی اور علامہ سیوطی رسالہ تنویر الملک میں لکھتے ہیں فحصل من مجموع هذه النقول والا حادیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی بجسدہ و روحہ و انه يتصرف ویسیر حیث شاء فی اقطار الارض و فی المملکوت انتہی۔ (رسالہ تنویر الملک)

مگر یہ غیمت کہ ایسے خاندانی وہابی سے ایسے الفاظ صادر ہوں جو ان کے مذہب کو ہباء منشور

یا چکنا چور کر دیں ورنہ علماء اہل حق کی تصریحات زائد الحد موجود ثانیاً کتب فقہ حنفی میں بالتصریح مذکور ہے کہ نماز میں الفاظ التشہد کو بقصد انشاء پڑھا جائے نہ بہ نیت اخبار و حکایت جبکہ درلختار میں ہے و یقصد بالفاظ التشہد معانیہا مرادۃ لہ علی وجہ الانشاء کانہ یحی اللہ تعالیٰ و یسلم علی نبیہ و علی نفسہ و اولیائہ کالآخبار عن ذلک ذکرہ فی المجتبی (درلختار)

اور شامی میں ہے لا یقصد الاخبار والحکایة عما وقع فی المعراج منه صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم من ربہ سبحانہ ومن لملائکة آتت (فتاویٰ شامی)

اس طرح مراقی الفلاح شرح نور الایضاح و معراج الداریۃ و نہر الفائق شرح کنز الدقائق وغیرہ کتب فقہ میں موجود ہے۔ الحاصل شارح کی جانب سے دو احکام باہم مقابل صادر ہوئے ہیں ایک یہ کہ نماز میں خطاب و نداء بغیر اللہ مفسد نماز ہے یہ حکم عام ہے اور دوسرا یہ کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے آخری حصہ میں خطاب و نداء کیا جائے یہ خاص بحضور ہے اور علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ جب حکم عام و خاص کا مقابلہ ہو جائے تو عام سے ماسواء خاص کا مراد ہوتا ہے۔ اس قانون کے رو سے حضور پاک کو نہ نداء کرنا مفسد نماز ہے اور نہ ہی خطاب فحصل التوفیق بحکم نعم الرفیق۔ ثالثاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ نماز میں آپ کو خطاب کرنا مفسد نماز نہیں جبکہ قسطلانی و زرقانی وغیرہ محدثین لکھتے ہیں کہ آپ کے خصائص کے شمار میں و منها ان المصلی یخاطبہ بقولہ السلام علیک ایہا النبی والصلوۃ صحیحۃ ولا یخاطب غیرہ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نمازی نماز میں آپ کو خطاب کرے تو نماز جائز اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کسی دوسروں کو خطاب کرے تو نماز فاسد۔ غرض عہد اقدس سے لے کر آج تک تمام صحابہ کرام و فقہاء و محدثین اس امر پر متفق و منطبق چلے آئے ہیں کہ حضور کو نداء و خطاب غائبانہ نماز میں بلا شک و شبہ جائز ہے اور ظاہر ہے کہ جو امر نماز میں جائز ہو تو خالص از نماز بطریق اولیٰ جائز ہوتا ہے۔

شبہ سوم

کہتے ہیں کہ یہ امر تعبدی ہے منقول اس طرح ہوا ہے اور امر تعبدی میں صرف انہیں الفاظ منقولہ کے پڑھنے کا حکم ہوتا ہے معنی کے لحاظ نہیں ہوتا اسی کا جواب اولاً یہ ہے کہ صرف امر تعبدی ہونے سے کام نہیں چلتا اس لیے کہ خطاب جائز رکھنے کی روایت تو موجود ہے اب یہ بتاؤ کہ غائب کو خطاب کا لفظ بولنے کی حرمت یا کراہت پر کوئی آیت یا حدیث ہے پیش کرو عقلی گھڑی ہوئی باتوں کو الگ کر دو۔ ثانیاً یہ کہ ان کلمات طیبات کو امر تعبدی قرار دینا تمہارے زعم کے مطابق بھی غلط ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ امر تعبدی جس طرح منقول ہوا اسی طرح اس کو بحال کر رکھا جاتا ہے اس میں کسی قسم کا تصرف و تغیر جائز نہیں ہوتا اور تم اپنے مزعوم فاسد کے ثبوت میں وہ حدیث پیش کر چکے ہو جس کا مفاد یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ کے انتقال کے بعد ان کلمات کو متغیر کر دیا یعنی خطاب کو بصیغہ غائب تعبیر کیا کرتے تو معلوم ہوا کہ یہ امر تعبدی نہیں اس کو تعبدی کہنا خلاف واقع ہے

شبہ چہارم

کہتے ہیں روئے زمین کے ممکنہ متعددہ میں ایک ہی وقت میں نمازیں پڑھی جاتی ہیں اور ہر ایک نماز میں نداء و خطاب ہوتا ہے اگر ان سے اخبار و حکایت مقصود نہ ہو بلکہ انشاء ہو تو ایک ذات کا ایک آن میں ممکنہ بعیدہ مختلفہ میں حاضر ہونا محالات عقیلہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جن عقول پر عداۃ الرسول کا پتھر پڑا ہوا ہوا البتہ ان کے نزدیک یہ امر محال ہو تو ہو اور نہ یہ نداء و خطاب عقول سلیمہ کے نزدیک قطعاً محال نہیں نہ آپ کو حاضر قرار دینے کی صورت میں اور نہ ہی غائب قرار دینے کی صورت میں۔ غائب کی صورت میں تو ظاہر ہے کیونکہ عام طور دور کے رہنے والے غائبین کی طرف خطوط لکھے جاتے ہیں اور ان خطوط میں نداء بھی ہوتا ہے اور خطاب بھی لیکن ان خطوط کے پہنچ جانے کے بھروسہ پر یہ امر معیوب سمجھا جاتا ہے اور نہ ارتکاب محال اور اس ندا و خطاب کا حضور تک پہنچ جانا بھی متیقن ہے خواہ بلا واسطہ یا بلا واسطہ ملائک جیسا کہ احادیث صحیح سے

ثابت ہو چکا ہے تو یہاں کوئی تعذر ہے نہ اشکال۔ اور آپ کو حاضر قرار کی صورت میں اس واسطے کو علماء محققین نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام حالات و واقعات میں نصب العین مومنان و عابدان کے ہوتے ہیں یعنی آپ مومنان و عابدان سے کسی وقت غائب نہیں ہوتے جیسا کہ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری زئی شریف والے کے پیر و مشد حضرت خواجہ شاہ احمد سعید صاحب قدسنا اللہ تعالیٰ باسراہ الاقدس آپنے رسالہ تحقیق میں ارشاد فرماتے ہیں وجہ خطاب آنکھ تا حضرت ﷺ ہمیشہ نصب العین مومنان و قرة عین عابدان باشد در جمیع احوال و اوقات خصوصاً در حالت عبادت و آخر آں کہ وجود نورانیت و انکشاف دریں محل بیشتر قوی تر است کما بینہ الشیخ فی ترجمۃ المشکوۃ (الحق المبین، ص ۳۰)

ناظرین کو واضح ہو کہ یہ حضرت شاہ صاحب اس ملحد فرقہ کے سرغنہ کے دادا پیر ہیں۔ اس مدعا کے اثبات کے لیے گو علماء محققین ہر چہار مذہب کی تصریحات بکثرت موجود لیکن مد مقابل چونکہ ملحد بے دین ہیں جو مقتدایان اسلام کے اقوال ان کے پیش کرنے گدھے کے گلے میں لولو و جواہر کا ہار پہنانے کے مترادف ہے۔ لہذا انہیں کے قول کو پیش کر دینا انبہ ہے۔

از برائے کار سفلہ سفلہ می باید فرست

خاک چوں در سرفند با خاک بیروں می شود

مذہب وہابیہ کا مجدد اعظم نواب صدیق حسن خان نے مسک الختام شرح بلوغ المرام کے ص ۲۴۴ میں تحت السلام علیک ایہا النبی کے وجہ خطاب میں تین امور کہے ہیں ان میں سے پہلا تو وہی وہابیانہ طریقہ یعنی حکایت واقعہ معراجیہ اور دوسرا بعینہ یہی عبارت جو حضرت شاہ صاحب قبلہ نے شیخ صاحب سے نقل کی ہے لکھ دی اور تیسرا امر جو سب سے اعلیٰ و اعلیٰ ہے اور نواب موصوف کا بھی نہایت پسندیدہ ہے وہ یہ ہے کہ لکھتے ہیں و بعضی از عرفاء قدس سرہم گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است علیہ الصلوٰۃ والسلام در ذرائع موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت در ذوات مصلیان موجود و حاضر است پس مصلیٰ باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد و ازیں

شہود غافل نبود تا بانوار قرب و اسرار معرفت منور و فائز گرد آ رہے شعر:

در راه عشق مرحله قرب و بعد نیست می بینمت عیان و دعای فرستمت (الحق المبین)

یعنی حقیقت محمدیہ ہر ذرہ موجودات و ہر فرد ممکنات میں سر بیان کئی ہوئی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کے وجود میں حاضر و موجود۔ بس نواب صاحب نے تو ان ملاحظہ کے ناک کاٹ ڈالی۔ اب بھی اگر نہ سمجھیں تو ان کو خدا سمجھائے۔

نظیر دوم:

قال اللہ تبارک و تعالیٰ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ س حج پ ۷ اس آیت شریفہ کا شان نزول حسب تصریح علماء التفسیر یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحکم رب العزت جل و شانہ بنا کعبہ شریفہ کو مکمل کیا تو ارشاد ہوا کہ اے ابراہیم تمام روئے زمین کے اہل قبلہ کو بلند آواز سے پکار کر سنا دو کہ تمہارے حج کے لیے بیت اللہ تیار ہو چکا ہے۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ میری ندا کہاں تک پہنچ سکے گی۔ ارشاد ہوا کہ ندا کرنا تیرا کام ہے اور پہنچانا میرا کام۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبل ابوقیس پر چڑھ کر دونوں انگلیوں کو کانوں میں داخل کر کے بلند آواز سے ندا کیا اور مشرق و مغرب و جنوب و شمال ہر طرف رُخ کو پھیرا اور کہا یا ایہا الناس الان ربکم قد بنی بیتا و کتب علیکم الحج الی البیت فاجیبوا ربکم اس نداء غائبانہ کو نہ صرف موجودین روئے زمین نے سنا بلکہ جو مافی الارحام والاصلاب الی قیام القیامت پیدا ہونے والے تھے سب نے سنا۔ ان میں سے جس شخص کے نصیب میں حج کرنا مقدر تھا اس نے جواب میں لبیک^۱ اھم لبیک کہا اگر ایک حج مقدر تھا تو ایک دفعہ کہا اور اگر دو حج مقدر تھے تو دو بار علی ہذا القیاس جس شخص کے نصیب میں باوقات زندگانی جس قدر حج کرنے تھے اتنے دفعہ لبیک کہا۔ اگر ندا غائبانہ کفر یا شرک ہوتا تو جناب باری عزاسمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے حنیف معلم التوحید کو اس کا ارشاد کیوں فرماتا ان اللہ لایر ضی بعبادہ الکفر اور ابراہیم علیہ السلام جس کے شان میں

قرآن فرماتا وما كان من المشرکین کیوں نہ عرض کیا کہ نداء غائبانہ تو شرک ہے میں کس طرح اس کا ارتکاب کر سکتا ہوں تو صاف ظاہر و روشن ہو گیا کہ نداء غائبانہ نہ کفر ہے اور نہ شرک۔

نظیر سوم:

۶ھ میں جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں کفار مکہ کے ساتھ صلح کی اور صلح کے دس سال مقرر ہوئے تو من جملہ شرائط صلح کے یہ بھی تھی کہ ایک فریق نہ دوسرے فریق پر اس میعاد میں حملہ کرے گا اور نہ ہی اس کے خلفاء پر۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے بنی خزاعہ اور قریش مکہ کے حلیف تھے بنی بکر۔ ابھی اس صلح کا ایک سال گزرا تھا کہ ۷ھ میں بنی بکر نے بنی خزاعہ پر حملہ شب خون کر دیا جس میں قریش مکہ نے ان کی خفیہ مدد کی۔ اس سے بنی خزاعہ کو بڑا نقصان ہوا۔ اس کے بیس آدمی مارے گئے۔ تب بنی خزاعہ کے ایک راجز نے اسی رات میں آپ کو پکارا اور آپ سے استغاثہ کیا اور یہ کہا اغیثنا یا محمد اے تو اس وقت آپ زنا نہ میں وضو فرما رہے تھے۔ حضرت میمونہ پاس موجود تھی تو آپ نے تین دفعہ لبیک لبیک لبیک کہا حضرت میمونہ نے عرض کیا کہ اس وقت آپ کس کو لبیک فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ قریش نے بدعہدی کی ہے جو بنی بکر کے ساتھ مل کر خزاعہ پر شب خون کیا۔ خزاعہ کے راجز نے مجھے استغاثہ کیا ہے اس کے جواب میں لبیک کہہ رہا ہوں۔ پھر اس نداء غائبانہ کا اثر یہ نکلا کہ آپ نے فی الفور کفار مکہ پر چڑھائی کر کے مکہ کو فتح کر لیا اور خانہ خدا جو عرصہ سے بت خانہ بنا ہوا تھا اس کو تمام نجاسات اصنام سے پاک کر کے ہمیشہ کے لیے معبد اسلام بنا دیا گیا اور مکہ کو مرکز اسلام قرار دیا گیا۔ یہ ہیں نداء غائبانہ کے فیوضات۔ بتائیے نداء غائبانہ کفر ہے یا کفر توڑ شرک ہے یا شرک توڑ یہ واقعہ عموماً تفاسیر میں بھی ہے اور مولانا مفتی عنایت احمد صاحب نے توارخ حبیب اللہ کے ص ۱۰۲ میں بالتصرت لکھا ہے۔

نظیر چہارم:

حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت ساریہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوج اسلامی لے کر ایران کے کفار کے ساتھ لڑائی شروع کر دی اتفاق سے ہجوم کفار نے لشکر اسلام کو محصور کر لیا۔ قریب تھا کہ کفار غالب ہو کر لشکر اسلام کو نیست و نابود کر دیتے۔ اس وقت امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ کے ممبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے۔ اٹنا خطبہ میں بآواز بلند فرمایا یا ساریہ الجبل حضرت ساریہ نے امیر المومنین کی آواز سنا کر پہچان لی اور فوراً سنبھل گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر اسلام کو فتح عظیم حاصل ہوئی اور کفار مغلوب ہو کر سکھ اسلام کو مان کر اسلام کے تابع ہو گئے اور اس دن سے ایران صدیوں کے کفر و شرک سے پاک ہو کر آج تک اسلامی جھنڈے لہلہا رہے ہیں۔ یہ ہیں ندا غائبانہ کے برکات بتائیے ندا غائبانہ کفر ہے یا کفر پٹ شرک ہے یا شرک چٹ۔ اب ان ملاحدہ کافوئی جو فضول لاثانی کے نام سے نامزد ہے جس کی عبارت یہ ہے کسی کو دور سے پکارنا اور اس سے سمجھ لینا کہ اس نے سن لیا کفر و شرک ہے اس حکم حضرت امیر المومنین کے کارنامہ سے نسبت دیجیے حیف صد حیف تف برائیں اعتقاد۔

نظیر پنجم:

حضرت ابوسعید خدری اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں حضرت ابن عمرؓ کا پاؤں سن ہو گیا۔ یعنی پست ہو گیا جس سے وہ بیٹھ گئے۔ تب کسی نے ان سے کہا اذکر احب الناس الیک تو ابن عمرؓ نے کہا یا محمدؐ فوراً وہ پاؤں درست ہو گیا اور چل پڑے رواہ ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ (وجیز الصراط ص ۱۰۸ و نور الانصاف ص ۱۰)

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمان بن سعید رضی اللہ عنہ کے تلقین سے حضرت ابن عمرؓ نے یہ ندا غائبانہ کیا اور حضرت مجاہد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس کی تلقین سے حضرت ابن عمرؓ نے ندا غائبانہ کیا بہر کیف جلیل القدر صحابہ کا اس ندا غائبانہ کے عامل ہونے سے صاف ثابت ہوا کہ ندا غائبانہ خواہ منادی زندہ ہو یا بعد از وفات مجوز و مروج ہے۔

نظیر ششم:

بعینہ یہی واقعہ یعنی پاؤں سن جانا حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے بھی منقول ہے کہ

انہوں نے بھی یہی ندا غائبانہ یعنی یا محمد کہنے سے شفا پائی (نور الانصاف ۱۰)
نظیر ہفتم:

علامہ جزری کا التزام ہے کہ سوائے روایات صحیحہ کے اس میں ذکر نہیں ہوگا اس میں مذکور ہے اذا انفلتت دابة فلینادر اعینونی یا عباد اللہ یعنی جب تمہاری سواری بے اختیار ہو جائے تو اعینوا بعباد اللہ کہو (حسن حصین)

اور دوسری روایت میں ہے وان اراد فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی (حسن حصین)

یہ کلمات متبرکہ متعدد احادیث سے ثابت ہیں۔ مرفوعہ بھی اور موقوفہ بھی اور بطریق کثیرہ مروی ان طرق میں سے اگر کسی ایک طریق میں ضعف ہو تو یہ ضعف دوسری طریق میں سرایت نہیں کر سکتا۔ علاوہ ان فضائل میں احادیث ضعیفہ بھی قابل عمل ہوتی ہیں۔ جیسا کہ علماء اصول کا متفقہ اقرار ہے الحاصل حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی کسی ویرانہ میں کسی تکلیف سے مبتلا ہو جائے اور اس کے مدد کرنے والا ظاہراً کوئی نہ ہو تو یہ کلمات نداء غائبانہ استعمال کرے۔ کیونکہ خداوند عالم جل جلالہ نے محض اسی کام کے لیے بندے مقرر فرما دیے جو محتاجوں کی حاجت براری کا وسیلہ ہوتے ہیں۔ اس عمل کو اکبر امت نے بارہا تجربہ کیا جو بالکل صحیح ثابت ہوا۔ یہ ہیں ندا غائبانہ کے اثرات۔ اگر نداء غائبانہ شرک ہوتا تو آپ اس کی تلقین نہ فرماتے۔
نظیر ہشتم:

جب حضرت سید الشہداء شہید کر بلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شربت شہادت نوش فرمایا اور باقی اعزہ واقارب کو ظالمین نے مقید کر کے شام کی طرف روانہ کر چلے تو ان اسیروں میں حضرت بی بی زینب بنت علی رضی اللہ عنہما بھی تھی۔ جب یہ معصومہ مرحومہ مظلومہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جد اقدس کے پاس سے گزری تو جناب فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں استغاثہ کیا اور کہا یا محمد اہ یا محمد اہ هذا حسین بالعرء مزمل بالدماء منقطع الاعضاء یا

محمد اہ یہ تھا نداء غائبانہ جس کا اثر یہ ہوا کہ کچھ عرصہ کے بعد کوفہ میں مرض جدری ایسی شدت سے عارض ہوئی کہ بہت لوگ تباہ ہو گئے اور ہزار یا پانچ سو آدمی تو اس سے نابینا ہو گئے جو اکثر سید الشہداء کے محاربین یا ان کے لواحقین میں سے تھے۔

(مصباح الظلام فی المستعینین بخیر الانام و جیز الصراط ص ۱۱)

نظیر نہم:

دلائل الخیرات جو کہ نہایت مقبول و منظور و رد اور معمول و شہود و وظیفہ ہے جو ہر چہار سلسلہ میں مروج ہے۔ بالخصوص سلسلہ نقشبندیہ میں تو لازمی قرار دیا گیا ہے اور حریم شریفین میں عرصہ دراز تک اس کا درس جاری رہا ہے۔ اس میں کلمات طیبات ذیلہ ہیں جن میں خطاب و آداء غائبانہ بسرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام موجودہ وہ یہ ہیں اللہم انی استلک و واتوجہ الیک بحبیبک المصطفیٰ عندک یا حبیبنا یا محمد انا نتوسل بک الی ربک فاشفع لنا عند المولیٰ العظیم یا نعم الرسول الطاهر اللہم شفعہ فینا بحاہہ عندک (دلائل الخیرات ص ۱۶۶)

من عیینہ دیکھئے یہاں ندا غائبانہ بھی موجود اور خطاب بھی اور لطف یہ ہے کہ ان تمام کلمات میں نہ کہیں صلوٰۃ کا ذکر ہے اور نہ ہی سلام کا۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ ندا خطاب کے جواز کے لیے صلوٰۃ والسلام کے ضمن میں ہونا ضروری نہیں۔ اب اگر ندا غائبانہ و خطاب شرک و کفر ہے تو العیاذ باللہ تمام مشائخ خصوصاً نقشبندیہ و دیگر صالحین جن کا روزانہ وظیفہ ہے مشرک قرار دیے جائیں یا جو اصحاب طریقت اپنے مریدوں کو اس کے پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں معاذ اللہ وہ شرک کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔

نظیر دہم:

اب فقہاء حنفیہ کی تصریح بھی سن لیجیے علامہ محقق حلبی حنفی نے بحث میں لکھا ہے کہ یہ دعا بعد وضو مکمل کے پڑھنی چاہیے اللہم استلک و واتوجہ الیک بحبیبک محمد نبی الرحمة

صلی اللہ علیہ وسلم یا محمد انی توجہت بک الی ربی فی حاجتی هذه لتقضى لی
 اللهم فشفعه فی۔ (کبیری شرح منیۃ المصلی، صلوۃ الحاجۃ ص ۱۷۳)
 اس میں بھی وہی خطاب و نداء غائبانہ موجود جس کی تعلیم فقہاء محققین کر رہے ہیں۔

نظیر یازدہم:

طبرانی نے معجم کبیر میں بسند صحیح روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت امیر عثمان رضی اللہ عنہ کی
 خدمت میں اپنی کسی حاجت کے لیے آتا جاتا مگر امیر المومنین اس کی طرف التفات نہ فرماتے۔
 اس شخص نے عثمان بن حنیف کو اس کا تذکرہ کیا۔ حضرت عثمان بن حنیف نے کہا کہ تم پہلے وضو کرو
 پھر مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ بعد اس کے یہ کلمات طیبہ پڑھو اللهم انی اسئلك و اتوجه
 الیک بنبیک محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه بک
 علی لیقضى حاجتی اللهم فشفعه فی۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر جب حسب معمول
 حضرت امیر عثمان کے دروازہ پر گیا تو دربان محبت کے ساتھ اس کے بازو سے پکڑ کر حضرت امیر
 عثمان کے پاس لے گیا۔ امیر عثمان نے اس کی بہت خوشامد سے اس کی حاجت روائی کی اور ساتھ
 ہی فرمایا کہ آئندہ کوئی حاجت بھی ہو فوراً میرے پاس چلے آنا۔ (معجم کبیر)
 یہ ہیں نداء غائبانہ کی برکات۔

نظیر دواز دہم:

صحیح ترمذی میں بروایت حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ ایک نابینا
 حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ آپ دعا کیجیے کہ میری بصارت
 واپس آ جائے۔ آپ نے فرمایا اگر چاہو تو دعا کروں اور اگر چاہو تو صبر کرو اس میں تمہاری بہتری
 ہے اس نے عرض کیا دعا کرو۔ آپ نے فرمایا وضو کر کے یہ دعا پڑھو اللهم انی اسئلك و اتوجه
 الیک بنبیک محمد نبی الرحمة یا محمد انی توجہت بک الی ربی فی حاجتی
 تقضى لی اللهم شفعه فی۔ چنانچہ اس نابینا نے آنحضرت کے غیبت میں ایسا ہی کیا اور بینا ہو

گیا۔ (صحیح ترمذی، نسائی، بیہقی، ابن ماجہ)

اس حدیث کو نسائی و بیہقی و ابن ماجہ نے بھی ذکر کیا ہے اور حاکم نے علی شرط الشیخین کہا ہے اور حافظ ذہبی نے اس کا اقرار کیا ہے اور ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں خاموشی سے اس کو نقل کیا ہے اور حافظ جزری نے حصن حصین میں اور علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں اور علامہ حلبی نے شرح منیہ میں اور طبرانی اور ابونعیم نے اپنی تاریخ میں جیسا کہ شرح مواہب زرقانی میں ہے۔ ایسے محدثین کی تصریح اس حدیث کے صحیح ہونے میں کافی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خطاب و نداء غائبانہ بلفظ یا محمد آپ کے عہد مبارک میں آپ کی تعلیم سے ہوا شرح ابن ماجہ میں اور نیز جذب القلوب و معجم الکبیر وغیرہ میں ہے کہ یہ خطاب و نداء بالفاظ بعد از انتقال سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم و عہد صحابہ میں بھی ہوا جیسا کہ نظیر نمبر اکے ضمن میں مذکور ہوا بعد ازاں حدیث میں کوئی لفظ تعیین زماں و تخصیص شخص پر دال موجود نہیں تو ان کلمات کو مشائخ کرام نے وظائف میں اور فقہاء و محدثین نے کتب فقہ کی الصلوٰۃ الحاجات میں عام طور پر لکھ دیا۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ جب خود شارح نے اپنی ذات مقدسہ کو وسیلہ انجام و مرام قرار دے کر اس کی تعلیم بھی فرمادی ہے تو اس تعلیم سے امت کا ہر ایک فرد انتفاع حاصل کر سکتا ہے۔

نظیر سیزدہم:

فتوح الشام میں ہے کہ جب حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے قسریں سے کعب بن ضمیرہ کو بارادہ حلب روانہ کیا ایک ہزار سوار دے کر اور کعب بن ضمیرہ کی لڑائی یوقنا سے پڑی اس کی پانچ ہزار سپاہ تھی۔ عین لڑائی کی اثناء میں یوقنا کی پانچ ہزار سپاہ اور آگئی۔ غرض کہ ایک ہزار فوج اسلام کی لڑائی پانچ ہزار سپاہ کفار سے مقابلہ ہو گیا۔ اس وقت مسلمان جانبازیان کر رہے تھے۔ اور کعب بن ضمیرہ نہایت بے آرام و بے چین گرد آواز دیتے اور پکارتے یا محمد یا محمد یا انصار اللہ انزل اور مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے یا معشر المسلمین اثبتوا فانما ہی ساعة و انتم الاعلون۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانان کو فتح حاصل ہوئی اور کفار شکست کھا کر مغلوب و مقہور ہوئے۔ یہ

ہے نداء غائبانہ کے اثار جس کو صحابہ کبار نے سینکڑے کوسوں سے آپ کو پکارا۔ (فتوح الشام، ص ۲۹۸)

نظیر چہار دہم:

مصباح الطلام فی المستغنین بخیر الانام میں بروایت حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ مروی سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن پر جب تین روز گزر گئے تو ایک اعرابی آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر گر پڑا اور قبر کی مٹی لے کر اپنے سر پر ڈالی اور کہا یا رسول اللہ آپ نے جو کچھ فرمایا تھا ہم نے اسے سنا اور جیسے آپ نے اللہ تعالیٰ سے حفظ کیا ہم نے آپ سے حفظ کیا اور جو قرآن آپ پر نازل ہوا ہے اس کی ایک آیت یہ ہے وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا زَحِيمًا • (سورۃ نساء، ۶۴) ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور آپ کی خدمت شریف میں صرف اسی لیے حاضر ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں آپ ہمارے لیے مغفرت چاہیے۔ اسی وقت قبر شریف سے آواز آئی کہ یقیناً تمہاری مغفرت ہو گئی (مصباح الطلام فی المستغنین بخیر الانام و سیدہ جلیلہ، ص ۱۰۱)

یہ ہیں خطاب و نداء غائبانہ کے افادات۔

نظیر پانزدہم:

امام بیہقی وابن ابی شیبہ نے مالک دار خازن امیر عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایام خلافت حضرت امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدینہ منورہ میں قحط شدید عارض ہوا تو ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مزار مقدس پر حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ اپنی امت کے لیے جناب الہی میں بارش کا سوال کیجیے۔ کیونکہ امت ہلاک ہو رہی ہے تو اس شخص کو حضور نے خواب میں فرمایا کہ عمر کو میرا سلام کہہ دیں اور کہیں کہ بارش ہوگی اور زیر کی سے کام لینا جب یہ واقعہ امیر عمرؓ کو پہنچا تو بہت روئے اور کہا کہ اے پروردگار ہم تصور نہیں کرتے مگر اس چیز میں جہاں ہم عاجز ہوں۔ (خلاصۃ الوفا)

نوٹ: نظیر نمبر ۱۴ و ۱۵ پر اگر کوئی معترض اعتراض کرے کہ مزار مقدس پر جو شخص ندا یا خطاب کرتا ہے یہ خطاب یا ندا غائبانہ کی صورت میں نہیں بلکہ نداء حاضرانہ ہے اس کو ندا غائبانہ میں شمار کرنا

تعسف ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ غائب کا معنی ہے ماغاب عن الحس جیسا کہ مسافت بعیدہ کی وجہ سے غائب کہا جاتا ہے اسی طرح مدفون و مقبور کو بھی بوجہ غائب عن الحس ہونے کے غائب کہا جاتا ہے تو ندا غائبانہ متحقق۔

یہ جملہ نظائر بطور مشتم نمونہ خروارے و قطرہ از امحارے و ذرہ از قطارے اگر جملہ بالاستیفاء ذکر کیے جائیں تو دفتر وسیع مرتب ہو جس سے قارئین کرام کے ملال کا اندیشہ لاحق۔ خصوصاً جبکہ اہل انصاف و حق پرست کو اس قدر سے بخوبی تسلی حاصل ہو سکتی ہے۔ تو تطویل لا طائل و تحصیل حاصل بے سود۔ واللہ الہادی

اب نداء غائبانہ جو بضمین اشعار قدیم الایام سے اکابر امت مرحومہ میں مروج ہے اس کو بھی بطور تتمہ کے ذکر کر دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا جس سے معلوم ہو جائے گا کہ ندا غائبانہ سلف صالحین میں معیوب نہ تھا اور نہ ہی خلف محققین میں۔

گو کہ منکرین اس ندا غائبانہ جو بضمین اشعار واقع ہے اس کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ ندا شاعرانہ مذاق سے ہوا ہے۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں لیکن اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جو الفاظ شرکیہ یا کفریہ ہوں وہ نہ نثر آجائز ہیں اور نہ ہی نظماً۔ خصوصاً ان اشعار کے قائل فردوسی طوسی نہیں بلکہ پیشوایان دین و مقتدایان اسلام جن کے حق میں ترک مستحب بھی محظور اور جن کیلئے کہا گیا حسنت الابرار سیئات العقرین۔

نظیر اول:

جذب القلوب الی دیار المحبوب میں حضرت شیخ محدث دہلوی نے لکھا ہے محمد بن حرب کہتا ہے کہ حضور کے انتقال کے بعد میں مدینہ شریف میں آیا اور مزار مقدس کی زیارت سے مشرف ہو کر وہاں بیٹھ گیا۔ ناگہاں ایک اعرابی آیا اور زیارت سے مشرف ہو کر کہا یا خیر الرسل حق تعالیٰ نے آپ پر سچی کتاب بھیجی اور اس میں یہ آیت بھی ہے وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا • (سورۃ نساء، ۶۴) اب

میں اپنے گناہوں سے استغفار اور آپ سے مستشفع ہو کر آیا ہوں اور روتا ہوا یہ اشعار پڑھے:

یا خیر من دفت بالقاع اعظمہ

لقد طاب من طیہن القاع والا کم

نفسی الفداء بقبر انت ساکنہ

فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

(جذب القلوب الی دیار المحبوب)

محمد بن عرب کہتا ہے کہ جب وہ اعرابی چلا گیا تو خواب میں مجھے حضور کی زیارت نصیب ہوئی جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس اعرابی کو ملو اور اسے بشارت دو کہ حق تعالیٰ نے میری سفارش کے سبب تیرے سب گناہ معاف کر دیے ہیں۔ یہ ہے ندا غائبانہ کے اثرات۔

نظیر دوم:

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے جو حضور کے فضائل میں قصیدہ کہا ہے اور اب تک وہ قصیدہ عام طور پڑھا جاتا ہے اس کا ایک شعر یہ ہے:

وکن لی شفیعاً یوم لا ذو شفاعة

سواک بمغن عن سواد بن قارب

اس میں خطاب صریح بید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نداء اشاره موجود علیٰ ہذا القیاس۔ اگر اسی طرح نداء غائبانہ کے نظائر لکھتے جائیں تو ایک دفتر طویل بن جائے گا جس سے ناظرین کرام کو ملام لاحق حال ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہذا اسی قدر پر اکتفاء کرنا مناسب ہے۔ اب نداء غائبانہ کے نظائر جو اشعار کے ضمن میں مقتدایان امت سے واقع ہوئے ہیں بطور نمونہ پیش کیئے جاتے ہیں۔

نظیر اول:

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے آپ کے انتقال کے بعد جو اشعار فراتہ کہے ہیں ان

میں سے یہ شعر بھی ہے جس میں نداء و خطاب دونوں موجود ہیں۔

فواللہ ما انساک احمد ما مشت

بی العیش یوماً و جاوزت وادیاً

نظیر دوم:

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جو آپ کے فراق میں اشعار کہے ہیں انہی سے یہ شعر بھی

ہے جن میں نداء غائبانہ اور خطاب دونوں موجود

رسول اللہ ضاق بنا الفضاء

وجل الخصب و انقطع الاخاء

رجوتک یا ابن امنة لانى

محب و المحب له الرجاء

حضرات یہ ذوق اور مومن کا کلام نہیں جو مبالغہ و شاعریت پر محمول کیا جائے بلکہ یہ کلام

ایسے لوگوں کی ہے جو واقعات کو اشعار کے پیرائے میں بیان فرماتے تھے۔

نظیر سوم:

حضرت یحییٰ صرصری رحمۃ اللہ علیہ جو ابن تیمیہ کے جدِ مجدد دین کے ہم زمان تھے۔ اور ابن

تیمیہ نے اپنی کتاب انتصار میں ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ وہ اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

الا یا رسول اللہ انت وسیلتی

الی اللہ ان ضاقت بمارمت حیلتی

وانت نصیری فی خطوب تتابع

علی و ذخری عند فقری و عیلتی

یا سیدی یا رسول اللہ یا سندی

فی کل خطب ثقیل موجد الم

فاستغفر الله لي يا من اذانز لت
في شدة انجو فيه من النقم

نظير چہارم:

ایک شعریہ ہے

يا اكرم الخلق مالي من الو ذبه
سواک عند حدوث الحادث
الصمم

بعض شرح اس قصیدہ کے لکھتے ہیں کہ شیخ بو صیری رحمۃ اللہ علیہ پر ایسے وقت میں فاج گرا کہ وہ ایک جنگل میں تھے۔ کوئی ان کا رفیق معاون نہ تھا۔ شیخ نے اسی حالت میں یہ قصیدہ تصنیف کیا۔ جب قصیدہ تمام ہو گیا خداوند کریم کا سجدہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی درگاہ میں نہایت تضرع سے یہ پڑھایا اکرم الخلق الخ۔ جب یہ قصیدہ پورا پڑھ گئے تو سو گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت تکلف سے ان کے جسم پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ اسی وقت شفا یاب ہو گئے۔

نظیر پنجم:

حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی غوث صمدانی پیران پیر شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا یہ قصیدہ مشہور ہے۔

يا حبيب الا له خذ بيدي
ما لفجری سواک مستندی
اعتصامي سوا جنابک لی
ليس يا سیدی الی احدى
غير عرواک ليس فی الدارين

لعلیل الذلیل معتمد
کن رحیمًا لذاتی و اشفع
یا شفیع الوری الی الصمد

نظیر ششم:

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ جو موجودہ تمام نقشبندیوں کے دادا پیر ہیں اپنے
ایک قصید میں اس طرح فرماتے ہیں۔

گفت مظہر غزلی بہر جگر گوشہ تو
غوث اعظم مددے قبلہ پا کاں مددے

نظیر ہفتم:

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ ہمزہ میں فرماتے ہیں۔

رسول اللہ یا خیر البرایا
نوالک ابتغی یوم القضاء
اذا ما حل خطب مد لہم
فانت الحصن من کل البلاء
الیک توجہی و بک استنادی
وفیک مطامعی و بک ارتجائی

نظیر ہشتم:

حضرت شیخ محدث محقق عبدالحق دہلوی اپنے ایک قصیدے میں لکھتے ہیں

بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما
بلطف خود دسرو سامان جمع بے سرو پا کن

نظیر نہم:

حضرت شاہ ابوالعالی قاری لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:
گر نبودمے یا رسول اللہ ذات پاک تو
ھیچ پیغمبر ندیدمے دولت پیغمبری

نظیر دہم:

حضرت مولانا عارف جامی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:
ای بسر پردۂ یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب
ز مہجوری برآمد جان عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم

نظیر یادہم:

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی و مولوی اشرف علی تھانوی و دیگر علماء ہندوستان کے پیر
طریقت حضرت جناب مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر کی حنفی چشتی صابری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جس
وقت آپ حج کر کے ہندوستان واپس تشریف لائے اس وقت قصیدہ فراقیہ لکھا جس کے دو بیت
یہاں لکھے جاتے ہیں۔

اگرچہ ہوں نہ قابل وہاں کے پر امید ہے تم سے
کہ مجھ کو مدینہ میں بلاؤ یا رسول اللہ
پھنسا کر اپنے دام عشق میں امداد عاجز کو
بس اب قید دو عالم ہے چھڑاؤ یا رسول اللہ

نظیر دوازدهم

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ دیوبند جن کے علماء دیوبند بلکہ یہ فرقہ ملاحظہ بھی نہایت معتقد ہیں۔ اپنے ایک قصیدہ میں فرماتے ہیں:

تیرے طفیل سے اتنی تو ہو گئی تخفیف
بشر گناہ کریں اور ملائک استغفار
مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

نظیر سیزدہم:

حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیر دیوبندی نے ایک قصیدہ دالیہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے شان عالی میں لکھا جس کا آخری بیت یہ ہے:

وز جناب وے رضا بر احقران مبہتام
خاصہ آل احقر کہ فقرست از جملہ انام
مستغیث است الغیث ای سرور عالی مقام
در صلہ از بارگاہست در نشیند ایں قصید

غرض اگر اکابر اُمت مرحومہ سے خطاب و ندا سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جو بحالت غیو بیت بست صادر ہوئے ہیں تمام کے تمام لکھے جائیں تو ایک طویل کتاب بن جائے گی۔ لہذا بطور نمونہ اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ واللہ البادی

حررہ المسکین احمد الدین عفا اللہ عنہ گانگوی